قَالَ قَتَادَةُ رحمہ اللہ: مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الِاخْتِلَافَ لَمْ يَشُمَّ رَائِحَةَ الْفِقْهِ بِأَنْفِهِ (جامع بيان العلم وفضله 2/ 46)
سِلسِلہ عُلومِ حدیثیہ
عِلْمُ الْعِلَل
٣
عِلمُ المُصطلح
عِلمُ الجرح والتعدیل
عِلمُ العِلَل
عِلمُ التخریج ودراسۃ الأسانید
عِلمُ مناهج الأئمة
اِعداد وترتیب
مولانا ڈاکٹر محمد عمران
شیخ زاید مرکز اسلامی - جامعہ پشاور

علم مناهج الأئمة

اعداد وترتیب

مولانا ڈاکٹر محمد عمران

شیخ زاید مرکز اسلامی - جامعہ پشاور

مؤلف : مولانا ڈاکٹر محمد عمران

طبع : اول

سن طباعت : فروری 2021ء / رجب المرجب 1442ھ

پرنٹنگ : الفلاح پرنٹرز ندیم ٹریڈ سنٹر اُردو بازار پشاور

ناشر : شیخ زاید مرکزِ اسلامی - جامعہ پشاور
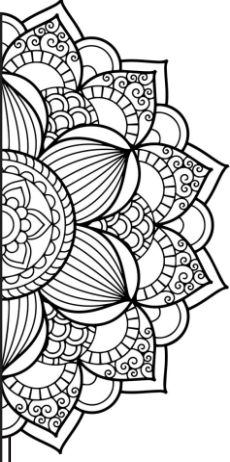
بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمة

تعارف موضـوع

أهميت موضوع

نشأة موضـــوع
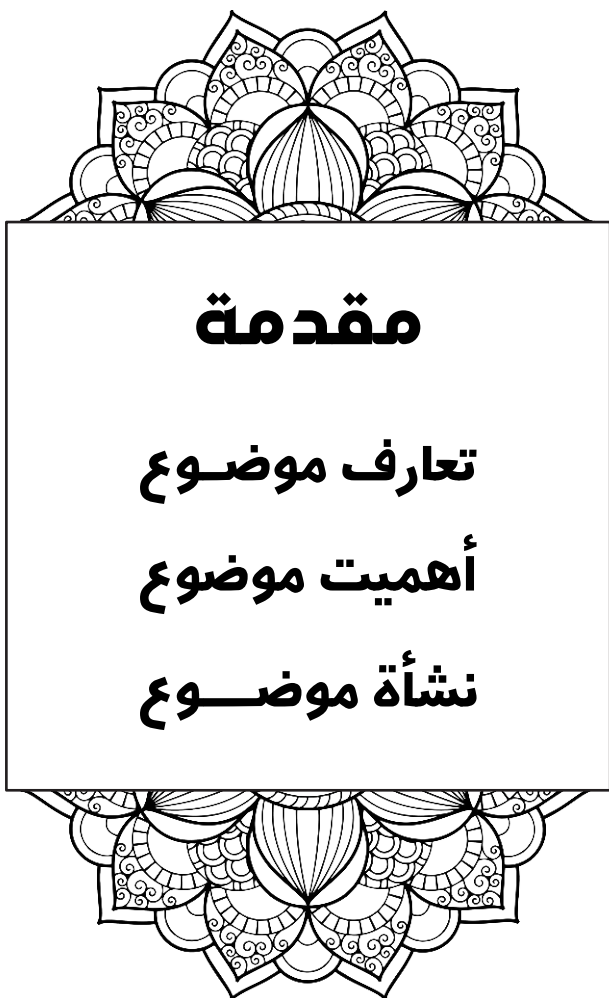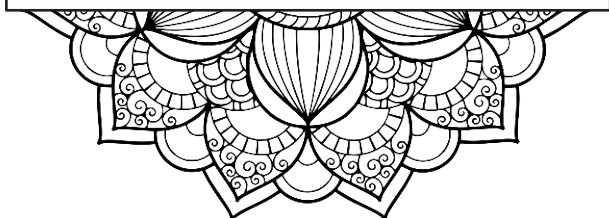
إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن مُحَمَّداً عبده ورسوله.

اللهم صل على مُحَمَّد وعلى أزواجه وذريته، كما صليت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد. وبارك على مُحَمَّد وعلى أزواجه وذريته، كما باركت على آل إبراهيم، إنك حميد مجيد. أما بعد:

مقدمہ:

اللہ رب العزت نے اس امت پر قرآن وسنت کے نزول کے ساتھ احسان فرمایا۔ یہی قرآن و سنت شریعت مطہرہ کے وہ رکن رکین ہیں کہ جن پر اللہ جل شانہ نے اس امت کے اعتقادی و عملی احکامات کی بنیاد رکھی۔ لہٰذا جیسے قرآن سے احکامات دینیہ کا ثبوت ہوتا ہے اسی طرح احادیث نبویہ کو بھی بطورِ مستدل اختیار کیا جاتا ہے۔ لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ قرآن سے استدلال کے وقت صرف مخصوص نصوص کی اپنے حکم پر دلالت کو دیکھنا ہوتا ہے جبکہ احادیث نبویہ کو بطور استدلال پیش کرتے وقت نصوص کی اپنے حکم پر دلالت کے ساتھ ساتھ ان نصوص کو نبی اکرم ﷺ سے ثابت کرنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ محدثین کے نزدیک رسول اکرم ﷺ کی طرف منسوب ہر بات ان کی اصطلاح کے مطابق صحیح نہیں کہلائی جاسکتی۔ لہٰذا اسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے اور رسول کریم ﷺ کی طرف کسی قول وفعل کی نسبت کو پرکھنے کے لئے علماءِ حدیث نے کچھ قواعد واصول مدوّن فرمائے جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا آسان ہوجاتا ہے کہ کون سی حدیث کی نسبت رسول مصطفی ﷺ کی جانب صحیح ہے اور کس روایت کی نسبت میں احتیاط برتنا مناسب ہوتا ہے۔ ان قواعد و اصول کو علماء نے علم ”مصطلح الحدیث“ کا نام دیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان قواعد وضوابط میں اضافہ ہوتا گیا اور مزید کئی انواع اس میں

شامل ہوتی گئیں، کئی معرکتہ الآراء مباحث کو ان میں مرکزی حیثیت حاصل رہی، لیکن علم ”علل الحدیث“ کو ان میں خصوصی امتیاز و شرف حاصل رہا، کیونکہ یہی علم ہے جس کی وجہ سے ”الحدیث الصحیح“ کی تعریف مکمل ہوتی ہے جب کہ حدیث کا کسی بھی قسم کی علت سے خالی ہونا ”صحتِ حدیث“ کی منجملہ شرائط میں سے ہے۔

تعارف موضوع :

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ حدیث اور فقہ دونوں آپس میں مربوط ہیں کیونکہ فقہی احکام کا ایک عظیم ذخیرہ حدیث نبوی سے ہی مستنبط مسائل سے مدون ہے۔ اس بات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ اسلامی پر احادیث نبویہ کے گہرے اثرات ہیں۔ دوسرے اسباب کے ساتھ ساتھ یہ بھی احادیث کی اہمیت کا بہت بڑا سبب ہے، اور انہی وجوہات کی بناء پر قرآن کریم کے بعد احادیث نبویہ کا مرتبہ رکھا گیا۔ چونکہ اَحادیث نبویہ کی باقاعدہ منظم تدوین نبی کریم ﷺ کے دور میں شروع نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں ایسی کسی منظم سرگرمی کا تذکرہ ملتا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ان کے سنہرے دور میں احادیث نبویہ کی باقاعدہ منظم و مرتب انداز سے تدوین شروع ہو چکی تھی (اگرچہ انفرادی طور سے ہر صحابی و تابعی نے احادیث نبویہ کو اپنے طور سے مدون کرنے کا بخوبی اہتمام کیا تھا اور مختلف اہم صحیفہ جات گردش میں تھے جیسے صحیفہ ہمام بن منبہ اور صحیفہ صادقہ اور ان کے بعد کے ادوار میں تابعین کے صحائف [1]) لیکن فتنوں کے پھیل جانے کے وجہ سے بعد کے ادوار میں تابعین اور تبع تابعین نے حدیث کی تدوین و ترتیب میں کافی جانفشانی اور جدو جہد سے کام لیا تاکہ نبی کریم ﷺ کے اقوال میں کہیں دوسری شخصیات کے اقوال خلط ہونے سے بچ سکیں، اور احادیث نبویہ میں سے صحیح اور ضعیف کی الگ الگ پہچان ہو سکے، ان امور کو مد نظر رکھتے ہوئے متقدمین محدثین کرام نے وقتاً فوقتاً اپنی اپنی کتب میں اُصول و قواعد ترتیب دئے، جن کا بنیادی مقصد ہی یہی تھا کہ نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال کو ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک کرکے آنے والی نسل کی طرف منتقل کیا جا سکے، جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: دکتور محمد مصطفیٰ اَعظمی کی کتاب ”دراسات في الحديث النبوي وتاريخ تدوينه“.

کہ ان قواعد وضوابط پر مشتمل علم کو محدثین نے "علم مصطلح الحدیث" کا نام دیا۔ ان علوم کی ایک اہم ترین شاخ "علم العلل" کے نام سے معروف ہے، جس کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کی دشواری اور مغلق مباحث بھی محدثین کے ہاں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ علم مصطلح الحدیث کی یہی وہ فرع ہے جس کے ذریعے سے اس علم کا کوئی بھی طالب علم مقبول و مردود اَحادیث پر مطلع ہو سکتا ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ متقدمین و متأخرین تمام محدثین کے نزدیک علم مصطلح الحدیث کی دقیق ترین مباحث میں اس کا شمار کیا جاتا ہے۔ اس چیز کی اہمیت کا اندازہ اِمام عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ کے اس قول سے بخوبی ہوتا ہے، فرماتے ہیں: "لَأَنْ أَعْرِفَ عِلَّةَ حَدِيثٍ هُوَ عِنْدِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَكْتُبَ عِشْرِينَ حَدِيثًا لَيْسَ عِنْدِي"[1]، مجھے اپنے پاس موجود کسی ایک حدیث کی علت کے بارے میں آگاہی اور معرفت کا حاصل ہونا، بیس (20) ایسی اَحادیث کے لکھنے سے زیادہ محبوب ہے جو میرے پاس نہ ہوں، غالباً اس کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ علم العلل سراسر "نقدِ خفی" پر انحصار کرتا ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ علم (علل) علم مصطلح الحدیث کی تمام اَنواع کا خلاصہ اور نتیجہ ہے تو یقیناً بے جا نہ ہوگا، اس علم کی انہی دشوار اور مغلق مباحث کی بدولت بہت ہی قلیل مقدار میں اس میدان کے ایسے شاہسوار گزرے ہیں جنہوں نے اپنی اپنی تصانیف میں اس مبحث کے بارے میں دادِ تحقیق دی ہے اور "علم العلل" کی تمام جوانب کا احاطہ کیا ہے، اگرچہ سینکڑوں کی تعداد میں محدثین ایسے گزرے ہیں جو کہ لاکھوں اَحادیث کے حفاظ تھے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر جب اِمام عبد الرحمٰن بن محمد "ابن اَبي حاتم" رحمہ اللہ نے اپنے والد محمد بن اِدریس "اَبو حاتم" رحمہ اللہ سے اس علم کے ماہرین کے متعلق استفسار کیا تو انہوں نے اپنے زمانے کے متعدّد محدثین میں سے صرف چند ائمہ کا تذکرہ کیا جن مین اِمام اَحمد، یحییٰ بن معین، اَبو زرعہ رازی، ابن المدینی اور اِمام بخاری شامل ہیں[2]۔ معلوم ہوتا ہے کہ حفاظِ حدیث کی کثرتِ تعداد کے باوجود انتہائی قلیل تعداد میں ہی محدثین نے اس میدان میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: اِمام حاکم کی معرفة علوم الحدیث ص:112.

[2] ملاحظہ ہو: الجرح والتعدیل 1/356.

علم مصطلح الحدیث کی یہ ایسی واحد نوع ہے جس کے توسط سے علماء و محدثین اس قابل ہوجاتے ہیں کہ کسی بھی روایت کی صحت کے بارے میں قطعیت کے ساتھ حکم لگاسکیں۔ اس ضمن میں اب تک جتنی بھی کوششیں ہوئی ہیں وہ تقریبًا تمام کی تمام عربی زبان میں منظر عام پر آئی ہیں۔ جن میں متقدمین میں سے اِمام علی ابن المدینی رحمہ اللہ کی "العلل"، اِمام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی "کتاب العلل" اور اِمام أبوالحسن علی بن عمر دارقطنی رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" قابل ذکر ہیں۔ جب کہ معاصر دور میں بھی کئی نامور علماء نے اس میدان میں قدم رکھا اور اس فن کا حق ادا کرنے میں کسی قسم کی کوئی کسر نہیں چھوڑی، تاہم ناچیز کے علم کے مطابق اردو زبان میں ابھی تک "علم العلل" سے متعلق اہم مضامین کو ایک جگہ مدون نہیں کیا گیا اور نہ ہی ان مباحث کے متعلق کوئی باضابطہ تالیف صفحہ قرطاس پر وجود میں آئی ہے۔

درحقیقت یہ کتاب "سلسلة علوم حديثية" کی تیسری قسط اور کڑی ہے، جو کہ علم العلل کی مباحث کو سموئے ہوئے ہے، اس کتاب کی تیاری میں معاصر عربی کتب میں سے ڈاکٹر ماہر یاسین الفحل کی کتب "أثر علل الحديث في اختلاف الفقهاء"، "أثر اختلاف الأسانيد والمتون في اختلاف الفقهاء" اور "الجامع في العلل والفوائد" کو بنیاد بنایا گیا، اس کے علاوہ ڈاکٹر عبداللہ بن یوسف الجدیع، ڈاکٹر محمد عبدالرزاق الأسود اور ڈاکٹر عمرو عبدالمنعم سلیم کی کتب سے بھرپور استفادہ کیا گیا جنہوں نے کمال شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی اپنی کتب کے ترجمہ کی خصوصی اجازت عطا فرمائی۔

اسی طرح ڈاکٹر ہمام عبدالرحیم سعید کی شرح علل ترمذی کے مقدمہ سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا، جب کہ متون و أسانید میں اختلافات کی وضاحت کے لئے جو أمثلہ پیش کی گئیں، ان کے لئے اِمام العلل اِمام أبوالحسن الدارقطنی رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" سے استفادہ کیا گیا، جب کہ ضمنی طور سے اِمام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی کتاب "علل الحديث" سے بھی بھرپور استفادہ کیا گیا۔

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ جن کتب سے معاونت لی گئی ان میں درج ذیل کتب قابل ذکر ہیں:

أ. محمد خلف سلامہ کی "إعلال المرويات".

ب. ڈاکٹر ابراہیم بن عبداللہ اللاحم کی " سلسلة نقد المرويات".

- "مقارنة المرويات".
- "الاتصال والانقطاع".
- "الجرح و التعديل".

ت. ڈاکٹر مصطفیٰ أبوزید محمود کی "الوجيز فى علم علل الحديث".

ث. ڈاکٹر نور الدین عتر کی "لمحات موجزة في أصول علل الحديث".

ج. ڈاکٹر أنس المصری النابلسی کی "أسباب اختلاف روايات الحديث".

ح. ڈاکٹر حمزۃ عبداللہ الملیباری کی "الحديث المعلول – قواعد و ضوابط".

خ. شیخ أبوسفیان مصطفی باجو کی "العلة وأجناسها عند المحدثين".

د. د. علي بن عبداللہ الصیاح کی "المنهجُ العلمي في دراسةِ الحديثِ المعلّ".

ذ. ڈاکٹر علی بن عبداللہ الصیاح کی "جهود المحدثين فى بيان علل الأحاديث".

ر. شیخ حمد بن إبراہیم العثمان کی "قواعد الترجيح في اختلاف الأسانيد".

ز. ڈاکٹر عادل عبدالشکور الزرقي کی "قواعد العلل وقرائن الترجيح".

س. ڈاکٹر عبدالسلام أحمد أبوسمحہ کی "معرفة أصحاب الرواة وأثرها في التعليل".

ش. ڈاکٹر سلطان فہد الطبیشي کی "مقدمة في علم علل الحديث".

ڈاکٹر ماہر یاسین الفحل کا اجازت نامہ:

(إذن في الترجمة)

قالَ أبو الحارثِ ماهرُ بنُ ياسينِ الفحلِ الدكتور (عفا اللهُ عنْه) :

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمدُ للهِ والصّلاة والسّلام على عبده ورسوله ومصطفاه :

فقد أذنتُ للأخ الدكتور : محمد عمران بن شمس الدين بترجمة كتبي من اللغة العربية إلى اللغة التي يريدها ، راجيًا من الله تعالى أن يوفقنا وإياه إلى كلِّ خير، والسلام عليكم ورحمة الله وبركاته.

قاله الشيخ حفظه الله

د. ماهر ياسين الفحل

شيخ دار الحديث في العراق

دار الحديث في العراق
د. ماهر ياسين الفحل
٢٩/صفر/١٤٤٠

شهد على صحتها معاذ بن مصطفى كاخيا

ڈاکٹر عبداللہ بن یوسف الجدیع کا اجازت نامہ:

إجازة وإذن خاص

الحمد لله رب العالمين، وأشهد أن لا إله إلا الله ولي الصالحين، وأشهد أن محمدًا عبده ورسوله النبي الصادق الأمين، صلى الله عليه وعلى آله وصحبه أجمعين وسلم تسليمًا كثيرًا.

أما بعد..

فإني الموقع أدناه عبد الله بن يوسف الجديع أُقِرُّ بأني أجَزْتُ وأذِنْتُ لفضيلة الشيخ الدكتور محمد عمران، حفظه الله، أن يقوم بترجمة كتابي "تحرير علوم الحديث" إلى اللغة الأوردية، بقصد نفع طلاب العلم الناطقين باللغة المذكورة، وذلك بشرط أن لا تُستغل الترجمة لغرض تجاري يتم الاسترباح منه.

وَفَّق الله أخي الشيخ الدكتور محمد عمران لما يحب ويرضى، وجعل عمله خالصًا لوجهه، ونفع به، وفتح له من أبواب فضله ورحمته.

وكتب

عبد الله بن يوسف الجديع

ثبت ذلك وصح يوم الأحد الثالث من شهر صفر الخير سنة ١٤٤٢هـ

الموافق للحادي والعشرين من شهر أيلول (سبتمبر) ٢٠٢٠م

وتمت إضافة عبارة (يتم الاسترباح منه) بتاريخ السبت ٩ جمادى الثانية ١٤٤٢هـ الموافق ٢٠٢١/١/٢٣م.

ڈاکٹر محمد عبدالرزاق اَسود کا اجازت نامہ:

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين وأفضل الصلاة وأتم التسليم على سيدنا محمد النبي الأمي وعلى آله وصحبه أجمعين، ورضي الله عن العلماء المخلصين إلى يوم الدين، أما بعد:

فقد أذنت للأخ الدكتور محمد عمران بن شمس الدين الموقر بترجمة كتبي من اللغة العربية إلى اللغة الأردية، راجياً من الله تعالى أن يوفقنا وإياه إلى كل خير.

والله وليّ التوفيق

أ.د.محمد عبد الرزاق أسود

أستاذ السنة النبوية وعلومها بجامعة الإمام عبد الرحمن بن فيصل بالسعودية حالياً، وجامعتي حلب وبلاد الشام بدمشق بسورية سابقاً.

اگرچہ معاصر دور میں عرب دنیا میں علم العلل کی دقیق مباحث کو کافی بڑے پیمانے اور منظم انداز میں علوم الحدیث کے طلباء کے سامنے لایا گیا ہے، لیکن اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اردو زبان میں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی مغلق مباحث کو مثالوں کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بلکہ ان أمثلہ کو باقاعدہ ڈایا گرامز (نقشہ جات) کی مدد سے مزید واضح کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ تاکہ علوم الحدیث اور فقہ کے طالب علم أحادیث کے طرق وأسانید کی مباحث سے بہرہ ور ہوسکیں اور احکام فقہیہ پر ان کے اثرات کا جائزہ لینے کے قابل ہوسکیں۔ اس کتاب میں علم العلل کے انہی دقیق موضوعات کو زیر بحث لاتے ہوئے درج ذیل ترتیب سے ذکر کیا جائے گا۔

أہمیت موضوع :

کسی بھی روایت میں علت کا ہونا فقہاء کو اس روایت سے کسی بھی قسم کے حکم کے استنباط سے روک دیتا ہے۔ یہیں سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ علم الحدیث اور علم الفقہ میں کتنا ربط ہے اور ان دونوں علوم کا ایک دوسرے پر کتنا انحصار ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ علم العلل کی مباحث کا مثالوں سے مزین کرنا اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ ان مباحث کا فہم قواعد و ضوابط کے ساتھ ساتھ زیادہ تر عملی ممارست پر منحصر ہوتا ہے۔ لہٰذا فقط نظری مباحث سے یہ أصول و قواعد مشکل سے ذہن نشین ہوتے ہیں، جب تک عملی تطبیقات کے ذریعہ سے اس علم کی مباحث کو کھول کر بیان نہ کیا جائے۔ متقدمین و متأخرین محدثین کے تعامل اور مذکورہ تفصیل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم علم العلل کو نظری اور تطبیقی دو پہلوؤں میں زیر بحث لاسکتے ہیں۔

(1): نظری پہلو سے مراد وہ قواعد اور أصول ہیں جن کی مدد سے کسی بھی روایت کے نقدِ خفی پر مطلع ہوا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے کی اہم ترین کتب میں سے اِمام ترمذی رحمہ اللہ کی ’’العلل الصغیر‘‘ ہے جس میں انہوں نے مختلف قواعد و أصول کو زیر بحث لایا ہے، ان قواعد و أصول پر عبور کی بدولت کوئی بھی طالب علم اس بات پر قادر ہوسکتا ہے کہ وہ کسی بھی روایت میں چھپی ہوئی خفیہ علت کو جان سکے، جسے محدثین عرفِ عام میں ’’نقدِ خفی‘‘ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ اِمام حاکم رحمہ اللہ کی ’’معرفة علوم الحدیث‘‘ اور ابن الصلاح کی مشہور زمانہ کتاب معرفة أنواع علوم الحدیث (جو کہ محدثین کے نزدیک ’’مقدمة ابن الصلاح‘‘ کے نام سے مشہور ہے) قابل ذکر ہیں، جب کہ معاصر علماء میں سے کئی محققین نے اس میدان میں اپنی تالیفات کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔ جن میں عادل زرقی کی کتاب ’’قواعد العلل وقرائن الترجیح ‘‘ اور ڈاکٹر ہمام سعید کی تحقیق جو کہ انہوں نے ’’شرح علل الترمذي‘‘ پر کی ہے، قابل قدر ہیں۔

(2): جب کہ تطبیقی پہلو سے مراد علم العلل کا وہ أہم حصہ ہے جس کے ذریعے عملی طور سے

مختلف کتبِ حدیثیہ میں سے مثالوں کے ذریعے کسی بھی روایت کے تمام طرق کو جمع کر کے ان میں موجود علتِ خفیہ (نقد خفی) کو سامنے لانے کا نام ہے، اس ضمن میں متقدمین میں کئی بڑے نام ایسے گزرے ہیں جنھوں نے اس میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے، ان میں علی ابن المدینی، اِمام أحمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور اِمام بخاری رحمہم اللہ جیسے مایہ ناز محدثین کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اِمام بزار، اِمام نسائی، عبد الرحمٰن بن محمد أبو حاتم رازی، أبو حاتم بستی، اِمام طبرانی اور اِمام دارقطنی رحمہم اللہ کی کتب اور علل کے میدان میں ان کی مساعی اور کاوشیں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

اس ضمن میں یہ بات مد نظر رہے کہ عملی اور تطبیقی پہلو سے جامع ترین کتابوں میں سے ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی "کتاب العلل" اور اِمام دارقطنی رحمہ اللہ کی "العلل الواردة فی الأحادیث النبویة" کا کوئی مقابلہ نہیں۔ آج بھی علم العلل کے طالب علم اور باحثین ان دو کتابوں کے حاشیہ بردار نظر آتے ہیں اور علم العلل کے "تطبیقی پہلو" سے بحث و تحقیق کرنے والا کوئی بھی باحث ان دو کتابوں سے کسی بھی درجہ میں اپنے آپ کو مستغنی قرار نہیں دے سکتا۔

علم العلل کی اہمیت اس بات سے بخوبی واضح ہوتی ہے کہ اس علم کی معرفت کی بدولت کوئی بھی باحث و محقق اس علم کے ماہرین علماء و محدثین کرام کے اُس منہج اور اسلوب کے پہچاننے پر قادر ہو جاتا ہے جس کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ کسی بھی روایت کی تعلیل کرتے ہیں، اسی طرح مذکورہ علم کے قواعد و ضوابط کے ساتھ مکمل ممارست کے بعد کسی بھی روایت کے متعدّد طرق کے مابین اختلاف کی صورت میں متقدمین علماء کے ان طرق کے بارے میں ذکر کئے گئے اقوال میں ترجیح دینا آسان ہوتا ہے۔ جب کہ اگر کسی بھی روایت کے بارے میں متقدمین علماء میں سے کسی کا قول نہ پایا جائے تو ایسی روایت کو أصول و ضوابط کی روشنی میں پرکھنے کے بعد اس میں اگر کسی قسم کی کوئی علت پائی جائے تو اس پر مطلع ہونا سہل ہو جاتا ہے۔

اس اہمیت کے پیش نظر کسی بھی طالب علم کے لئے "علل" کو سمجھنا اس وقت تک ناممکن تصور ہوتا ہے جب تک وہ ان کے قواعد و ضوابط پر مکمل قدرت نہ رکھتا ہو، علم الجرح والتعدیل کی مباحث کا گہرائی

سے مطالعہ نہ کیا ہو، اور علل کی ان کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کیا ہو جن میں علل کے تطبیقی پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے اور جن کی تفصیل اوپر گزر چکی۔

نشأۃ موضوع:

اس علم کی ابتداء ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے سے ملتی ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ابتداء ہی سے روایات کے سننے کے بعد ان پر علل کے قواعد وضوابط کا اطلاق کیا کرتے تھے، خصوصاً عائشہ رضی اللہ عنہا کا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذکر کی گئی مختلف روایات پر اعتراضات کرنا کتب حدیثیہ میں موجود ہے جب کہ امام زرکشی رحمہ اللہ نے اس مقصد کے لئے ایک مستقل تصنیف کی بنیاد رکھی جس میں انہوں نے صرف وہ روایات جمع کی ہیں جن روایات پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے اعتراضات اٹھائے تھے، اور ان کے جوابات دینے کی کوشش کی ہے جس کا نام انہوں نے "الإجابة فيما استدركته عائشة على الصحابة" رکھا۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ کے بعد تابعین نے اس فن کی بہترین خدمت کی لیکن اس علم کے معروف ومشہور منہج کی ابتداء بصرہ سے ہوئی جہاں تابعین کے مشہور امام "مُحمَّد بن سيرين" رحمہ اللہ نے اس فن کو رواج دیا، جن کے بعد أيوب السختياني رحمہ اللہ اور شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اس میدان میں کافی مشہور ہوئے۔

بلکہ شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کی شخصیت اس فن کے امام کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔ پھر ان کے بعد يحيىٰ بن سعيد القطان رحمہ اللہ، علي ابن المديني رحمہ اللہ، عبد الرحمٰن بن مهدي رحمہ اللہ اور يحيىٰ بن معين رحمہ اللہ نے اس فن کو عروج بخشا۔ جب کہ بعد کے ادوار میں یہ فن ترقی کرتے ہوئے امام دارقطنی رحمہ اللہ کے زمانے تک پہنچا اور پھر ماہرین علل کے بقول ان ہی پر "علل کا علم تکمیل تک پہنچا، اور اپنی کتاب "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" کے ذریعے بعد میں آنے والے باحثین کو اس علم کی دقیق اور مشکل مباحث سے بے نیاز کر دیا۔

خريطة علوم الحديث
أبرز أقسام علم الحديث وأهم كتبه
علوم السند
علوم المتن
الجرح والتعديل
تخرج الحديث
المصطلح
العلل
السقط والاتصال
مناهج المحدثين
المتون فقط
المتون مع شرحها
علم يبحث عن أحوال الرجال من حيث القبول أو الرد، وهو المعول عليه في قبول ورد الحديث، وينقسم إلى عدة أقسام:
استخراج طرق الحديث، ثم نقدها، للوصول إلى حكم على الحديث
كتب نظرية
كتب تطبيقية
تعتني بكيفية التخريج، وأغلبها معاصرة
الممارسة العملية لعلم الحديث
طرق تخريج الحديث لسعد الحميد
عامة
خاصة
أشملها
مصطلحات علماء الحديث التي يعبرون بها عن أحوال الرواية، ويسمى (علوم الحديث)
من أقدم الكتب
معرفة علوم الحديث للحاكم
أكثر الكتب عناية عند العلماء
مقدمة ابن الصلاح
معاصر
العلم الذي يبحث في وجوه الطعن الخفية في الأسانيد والمتون. وتعتبر مرحلة متقدمة في علم الحديث. والعالمون به قلة، منهم:
شعبة بن الحجاج، عبدالرحمن بن مهدي، يحيى القطان، يحيى بن معين، أحمد بن حنبل، علي بن المديني، البخاري، أبو زرعة الرازي، أبو حاتم الرازي، النسائي، أبو داود.
نظرية
تطبيقية
العلم الذي يعتني بحالة الاتصال والانقطاع في الإسناد وتسمى: (كتب المراسيل)
المراسيل لابن أبي حاتم، تحفة التحصيل لابن العراقي
معرفة طرق المصنفين في السنة النبوية، كشرط البخاري ومسلم، أو منهج البخاري في الجرح والتعديل. وهذه قد توجد في الكتب الحديث عامة، ومن الكتب الخاصة بذلك:
شروط الأئمة الخمسة للحازمي، ومن المعاصرين: مناهج المحدثين لسعد الحميد
ألفاظه
رجاله
قواعده
تمييز الرواة
نقد الرواة
مصطلحات النقاد في الحكم على الرواة
كقولهم: (ثقة، لا بأس به، ليس بحجة، يكتب حديثه...) إلخ. وتفسيرها موجود في بعض كتب المصطلح
هم المحدثون المشتغلون بنقد الرواة، من أبرزهم:
شعبة بن الحجاج، عبدالرحمن بن مهدي، يحيى القطان، يحيى بن معين، أحمد بن حنبل، علي بن المديني، البخاري، أبو زرعة الرازي، أبو حاتم الرازي، النسائي، أبو داود.
وهي القواعد التي وضعت في معرفة أحوال الرجال
من أمثلتها: (إذا تعارض الجرح والتعديل فما الذي يقدم؟)، (إذا كان الراوي لم يوثق ولم يضعف، وروى عنه اثنان، فهل تكفي رواة اثنين في توثيقه؟)...إلخ.
تحديد الراوي نفسه، فلا يتشابه مع راو آخر
مثل: الرواة غير المنسوبين، أو يذكر لقبه دون اسمه!
الكنى والأسماء للإمام مسلم، الإصابة لابن حجر
معرفة هل الراوي ثقة أم لا؟
وهو أكبر قسم وثمرة علم الجرح والتعديل
كتب هذين النوعين
شمولية
خاصة
تشمل الثقات والضعفاء
اختصت بالثقات أو الضعفاء
عامة
خاصة
الثقات
الضعفاء
مسندة
غير مسندة
للنبي ﷺ
للنبي ﷺ والصحابة والتابعين
صحيح البخاري ومسلم
مصنف ابن أبي شيبة، وعبدالرزاق
باعتبار الصحة وعدمها
اشترطت الصحة
لم تشترط الصحة
صحيح البخاري ومسلم وابن خزيمة
مسند الإمام أحمد، وأبو داود، والترمذي
باعتبار نوع الجمع
المسانيد رتبت على الصحابة
السنن رتبت على أبواب الفقه
الجوامع جمعت فنون متعددة
مسند الإمام أحمد
سنن أبي داود، وابن ماجه
صحيح البخاري
المستخرجات وهي الكتب التي يروي مؤلفها أحاديث كتاب معين من سنده هو لا من سند الكتاب، وقد يكون فيها زيادات
مستخرج الإسماعيلي وأبو نعيم على صحيح البخاري، ومستخرج أبي عوانة على صحيح مسلم
كتب جمعت فنون شتى
اختصت بأحاديث الرقائق والآداب
اختصت بأحاديث الأحكام
مصابيح السنة للبغوي
الأربعون النووية، والترغيب والترهيب للمنذري
المنتقى للمجد، وعمدة الأحكام للمقدسي
وتسمى فقه السنة
شروح الأحاديث
مسندة
غير مسندة
التمهيد لابن عبدالبر، فتح الباري لابن حجر
شرح عمدة الأحكام لابن الملقن، وسبل السلام
غريب الحديث
تعتني بشرح ألفاظ الأحاديث
غريب الحديث لأبي عبيد القاسم بن سلام، والنهاية لابن الأثير
مختلف الحديث
تعتني بتوجيه الأحاديث التي يُرى أنها متعارضة
اختلاف الحديث للشافعي، شرح مشكل الآثار للطحاوي، وهو أشملها
الناسخ والمنسوخ
الاعتبار في الناسخ والمنسوخ للحازمي

تمهید

مبحث اول : علت کی تعریف

مبحث ثانی : اختلاف أسانید و متون کی معرفت کی اہمیت

مبحث ثالث: علتِ حدیث (اختلافِ أسانید و متون) کی معرفت کے طرق

تمهید

مبحثِ اوّل : علت کی تعریف

لغت میں علت کا اطلاق کئی معانی پر ہوتا ہے، جن میں سے علم مصطلح الحدیث کے ساتھ مناسب ترین معنٰی "بیماری/مرض، کمزور یا مسترد کیا گیا" کے ہیں[1]، جبکہ محدثین کے ہاں اس کی اصطلاحی تعریف "عِبَارَةٌ عَنْ سَبَبٍ خَفِيٍّ غَامِضٍ يقدح فِي صحة الْحَدِيثِ الذي ظَاهِرَهُ السَّلَامَةُ مِنْهَا" کی جاتی ہے[2]۔ جبکہ حدیث معلول سے مراد "هُوَ الْحَدِيثُ الَّذِي اطُّلِعَ فِيهِ عَلَى عِلَّةٍ تَقْدَحُ فِي صِحَّتِهِ، مَعَ أَنَّ ظَاهِرَهُ السَّلَامَةُ مِنْهَا" ہے[3]۔

ان دونوں تعریفات کا مفہوم یہ ہے کہ معلل حدیث اس روایت کو کہتے ہیں کہ جس میں کسی چھپی ہوئی خامی کی وجہ سے اس کی صحت میں تردّد واقع ہو جائے، اگرچہ ظاہری لحاظ سے وہ روایت صحیح حدیث کی تمام شرائط پر پورا اتر رہی ہو، مذکورہ دونوں تعریفات کے بغور مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی روایت کو معلّل ثابت کرنے کے لئے اس میں دو صفات کا ہونا ضروری ہے جس میں سے ایک کی بھی عدم موجودگی کی وجہ سے اسے معلل روایت نہیں گردانا جائے گا:

1: (سبب خفي غامض) وہ صفت پوشیدہ ہو، یعنی ظاہر نہ ہو لہٰذا اس شرط کے ساتھ وہ تعلیل حدیث اس تعریف سے خارج ہو گئی جو کہ راوی کے عدالت یا ضبط میں کسی قسم کے طعن کی بناء پر مذکورہ حدیث میں در آئی ہو۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معجم مقاييس اللغة لابن فارس 4/12-15، اسی طرح علوم الحدیث میں سے امام ابن الصلاح کی معرفة أنواع علوم الحديث: 79. اور امام نووی کی التقريب 1/251.

[2] دیکھئے: معرفة علوم الحديث ص112-113، النكت لابن حجر ص226، فتح المغيث 1/210، توضيح الأفكار 2/26-27، الباعث الحثيث ص65.

[3] منهج النقد في علوم الحديث ص447.

2: (يقدح في صحة الحديث) اس کے نتیجے میں حدیث کی صحت مشکوک ہوجائے، یعنی اس علت کی وجہ سے اس روایت کی سند یا متن میں کسی قسم کا عیب پیدا ہوجائے، اس شرط کی بناء پر وہ تعلیل اس تعریف سے خارج ہوجاتی ہے جس کی موجودگی کے باوجود سند یا متن میں کسی قسم کا عیب پیدا نہ ہو۔

اسی دوسری شرط کو دیکھتے ہوئے اِمام ذہبی فرماتے ہیں کہ اگر کسی حدیث میں علت غیر مؤثر ہو تو اسے معلّل روایت نہیں کہا جائے گا[1]، جبکہ پہلی شرط کو ملحوظ رکھتے ہوئے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ہر ضعیف حدیث "معلّل" کی تعریف میں داخل نہیں ہوگی[2]۔

یہ تو علت کی اصطلاحی لحاظ سے تعریف میں شامل خصوصیات و صفات ہیں، تاہم عمومی طور پر محدثین کے نزدیک علت کا اطلاق ہر اس حدیث پر ہوتا ہے جس میں کسی بھی قسم کا الزام پایا گیا ہو۔ چاہے وہ راوی کے عدالت یا ضبط میں طعن کی وجہ سے ہو[3]، یا ایسی حدیث بھی ہو جس میں اگرچہ علت موجود ہو لیکن صحتِ حدیث پر اثرانداز نہ ہوتی ہو، مثلاً کوئی بھی حدیث جسے روایت کرتے ہوئے ثقہ راوی موصول بیان کرے جبکہ دوسرا کوئی راوی اسے مرسل روایت کرے[4]۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ علت صرف انہی روایات میں تلاش کی جاتی ہے جن میں بظاہر "صحیح حدیث" کی تمام شرائط پائی جاتی ہوں، اور وہ ثقہ راویوں کی ذکر کردہ روایات ہوں۔ اور یہی ثقہ راوی عموماً اَوہام واغلاط میں مبتلا ہوکر متّصل سند والی روایت کو مرسل، اور موقوف روایت کو مرفوع ذکر کردیتے ہیں۔

جب کہ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ظاہری اَسبابِ جرح کی بنیاد پر ضعیف روایت کسی بھی طور

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: الموقظة ص50.

[2] ملاحظہ ہو: النكت على كتاب ابن الصلاح 2/710.

[3] علوم الحديث ص84.

[4] ملاحظہ ہو: علوم الحديث ص84 فتح المغيث 1/218، تدريب الراوي 1/258

سے "معلّل حدیث" کے عنوان کے تحت مندرج نہیں ہو سکتی، جیسا کہ اِمام حاکم اپنی کتاب میں اس بات کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں: " وَإِنَّمَا يُعَلَّلُ الْحَدِيثُ مِنْ أَوْجُهٍ لَيْسَ لِلْجَرْحِ فِيهَا مَدْخَلٌ، فَإِنَّ حَدِيثَ الْمَجْرُوحِ سَاقِطٌ وَاهٍ، وَعِلَّةُ الْحَدِيثِ، يَكْثُرُ فِي أَحَادِيثِ الثِّقَاتِ أَنْ يُحَدِّثُوا بِحَدِيثٍ لَهُ عِلَّةٌ، فَيَخْفَى عَلَيْهِمْ عِلْمُهُ، فَيَصِيرُ الْحَدِيثُ مَعْلُولًا"[1]، تو جب ظاہری اَسباب کی بناء پر ضعیف اَحادیث اس سے خارج ہوگئیں تو حقیقتاً "معلل اَحادیث" صرف ان روایات کو کہا جائے گا جس میں رجالِ حدیث کے مابین روایت کی سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف واقع ہوا ہو، کیونکہ اس اختلاف کی وجہ "ظاہری اسباب" میں سے نہیں ہو گا جس کو ہر کوئی شخص محض پہلی نظر میں ہی جان سکے اور اس پر مطلع ہو سکے، بلکہ اس اختلاف کی وجہ کوئی خفیہ سبب ہو گا جس کا اِدراک انتہائی عرق ریزی اور باریک بینی کے ساتھ ممکن ہو گا اور صرف ماہرین فن ہی اس پر مطلع ہو سکیں گے خصوصاً جن کو اَحادیث اور اس فن کے ساتھ خصوصی ممارست ہوگی[2]۔

علم العلل کی مباحث کے بغور مطالعہ اور استقصاء سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ علتِ خفیہ کا سبب رجالِ حدیث کے مابین "اختلاف اَسانید و متون" ہی ہوتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک اس اختلاف اَسانید و متون کے مختلف اَسباب ہو سکتے ہیں جس کا بیان اِن شاءاللہ آگے آئے گا۔ اختلافِ اَسانید و متون کی اسی اہمیت کے پیش نظر ہم نے اس کتاب میں "علم العلل" کو صرف اسی نوع یعنی "متون و اَسانید میں اختلاف" میں منحصر رکھا ہے۔

اور اس بات کی تائید حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تعریف سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں: " الوَهَمُ يَقدَحُ

---

[1] دیکھئے: اِمام حاکم کی "معرفة علوم الحديث" ص:112

[2] اگرچہ ڈاکٹر حمزة المليباری اس ضمن میں ایک الگ موقف اختیار فرماتے ہیں جس کے مطابق کسی بھی روایت میں اگرچہ ظاہری اسباب کی بناء پر بھی کسی قسم کا نقصان ہو تو اسے بھی "معلل اَحادیث" کی فہرست میں سے شمار کیا جائے گا، اور اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے انہوں نے تفصیل کے ساتھ دلائل دیئے ہیں جب کہ مثالوں کے ذریعے اسے واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے. تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر حمزة عبد الله المليباری کی کتاب " الحديث المعلول قواعد وضوابط" ص:15، دار ابن حزم-لبنان.

فِي الخَبَر يطَّلعُ عَليهِ بِالقَرائِنِ وبكثرةِ التَّتبُّعِ، وجَمْعِ الطُّرُقِ"[1]، بنظر غائر دیکھا جائے تو پہلا جملہ ہی "حدیث معلّل" کی تعریف ہے، جوکہ "الوَهَمُ يَقدَحُ فِي الخَبَر" ہے، جبکہ اگلے کلمات میں ابن حجر رحمہ اللہ علت کی معرفت کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔

الغرض "الوَهَمُ" ہی کی وجہ سے راوی سے حدیث کی سند یا متن میں اختلاف کا وقوع ہوتا ہے جو کہ علت کا سببِ کبیر ہے۔ اس بحث سے ضمنی طور سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ علت کا میدان حقیقت میں "ثقہ رواۃ" کی روایات ہی ہوتی ہیں۔

ان تعریفات اور ان کے تجزیہ سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ معلل حدیث دراصل علت خفیہ کے سبب سے دَر آنے والی **تعلیل** سے عبارت ہے، اور علت خفیہ درحقیقت رواۃِ حدیث کے مابین "اختلافِ اَسانید ومتون" سے عبارت ہے۔ لہٰذا علت فقط "اختلاف اَسانید ومتون" ہی کو کہا جائے گا۔ اس کے علاوہ جتنے بھی ظاہری اَسباب کے ذریعہ حدیث میں ضعف کا احتمال ہوگا اس پر "علة" یا "علم العلل" کا اطلاق نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] ملاحظہ ہو: شرح نخبة الفكر (نزهة النظر) ص99.

مبحث ثانی

اختلافِ اَسانید و متون کی معرفت کی اہمیت

رواۃ کے مابین متون واسانید میں اختلافات اور ان کی معرفت کی اہمیت اس بات سے بخوبی آشکارا ہوتی ہے کہ اسی کی وجہ سے باحث کو کسی بھی حدیث کی صحت وسقم کا اندازہ ہوتا ہے۔اور احادیث نبویہ علی صاحبہا افضل الصلوات والتسلیمات کا مرتبہ شریعت مطہرہ میں کسی سے بھی ڈھکا چھپا نہیں۔ پھر اس فن کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ اس فن کا براہ راست تعلق علم علل الحدیث کے ساتھ ہے جو کہ علم اصول الحدیث کی مشکل ترین مباحث میں سے ہے۔اور اس پر عبور صرف اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو ذہانت و فطانت میں یکتا ہونے کے ساتھ ساتھ احادیث نبویہ اور قواعد مصطلح الحدیث پر وسیع دسترس رکھتا ہو۔

لہٰذا ان اختلافات کی معرفت اور ان کے درمیان قرائنِ ترجیح ایسے امور ہیں کہ جنہیں احادیث نبویہ کے ساتھ ممارست تامّہ اور وسیع تجربہ کے بغیر احاطہء علم میں لانا ممکن نہیں۔ لہٰذا جو کوئی بھی علم حدیث کے ساتھ خصوصی شغف رکھتا ہو، کثیر تعداد میں روایات کا حافظ ہو اور اسانید و متون اور ان کی مشکلات کا مکمل ادراک رکھتا ہو تو اسکے لئے ایسے امور پر عالم ہونا اور مختلف فیہ روایات میں سے صحیح کا الگ کرنا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ ایسے علماء کے لئے احادیثِ صحیحہ دن کی روشنی کی مانند چمکتی ہوئی ہوتی ہیں جبکہ احادیث ضعیفہ کی مثال رات کی تاریکی جیسے ہوتی ہے۔

علل کی معرفت اور اسانید و متون کے مابین اختلافات علوم الحدیث کے اہم، بنیادی اور دقیق مسائل میں سے ہیں۔اسی واسطے محدثین علماء اور نقاد نے مختلف قواعد ترتیب دئے ہیں تاکہ رجال احادیث کے اوہام اور غلطیوں سے روایات کو محفوظ رکھا جاسکے۔ جبکہ متون واسانید کے اختلافات کا علم ہرکس وناکس کو نہیں ہوسکتا۔ جب تک کہ ذخیرہ اَحادیث پر گہرا اور عمیق مطالعہ نہ ہو۔ لہٰذا یہی تجربہ، پے

در پے مذاکرے، انتہادرجے کا ضبط اور ہر حدیث کے مختلف ابواب پر عبور ہی باحث کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اسانید و متون کے مابین اختلافات کو جان سکیں، اور ان میں سے جو صائب ہو اسکو متعیّن اصول وقواعدِ ترجیح کی روشنی میں راجح ٹھہرا سکے۔

لہٰذا اصول حدیث کے طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی حدیث کی تعلیل سے پہلے اس روایت کے تمام طرق کا کتب حدیثیہ کے ذخیرہ سے استقصاء کرتے ہوئے رواۃ کے احوال کو احاطہ علم میں لائے [1]، اور انکے درمیان اس روایت میں پائے گئے اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے انکے حفظ و ضبط اور عدالت کی جانچ کرے۔ اسکے بعد قرائن ترجیح کو سامنے رکھتے ہوئے اور متقدمین ائمہ حدیث کے اس مذکورہ حدیث کے مابین اختلافات کے بارے میں اقوال کی مدد سے باحث اس درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ ان اختلافات کی نوعیت کو جان سکے کہ کیا یہ موصول حدیث، اِرسال سے معلّل ہے یا مرفوع حدیث، موقوف سے معلّل ہے [2]۔ یا اسکے علاوہ مختلف نوعیت کی تعلیلات بھی ہوسکتی ہیں۔ مختصر یہ کہ متون و اَسانید میں اختلاف علم العلل کا سب سے بڑا میدان ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اختلافِ اَسانید و متون دراصل علم العلل کا ہی دوسرا نام ہے تو یقیناً اس میں کسی قسم کا مبالغہ نہ ہوگا۔

علوم الحدیث اور خصوصاً علم علل الحدیث کے ماہرین اور نقاد اختلافات اسانید و متون کی معرفت کی طرف توجہ دلاتے ہیں اور اسکی اہمیت وضرورت پر ابھارتے ہوئے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"إِنَّ الْعَالِمَ إِذَا لَمْ يَعْرِفِ الصَّحِيحَ وَالسَّقِيمَ وَالنَّاسِخَ وَالْمَنْسُوخَ مِنَ الْحَدِيثِ لَا يُسَمَّى عَالِمًا"، یعنی عالم کو جب تک صحیح اور ضعیف کی پہچان نہ ہو اور ناسخ و منسوخ کا علم نہ رکھتا ہو تو اسے عالم تصور نہ کیا جائے گا" [3]، اسی بات کو بڑھاتے ہوئے امام قتادۃ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مَنْ لَمْ يَعْرِفِ

---

[1] جیسا کہ علت کی معرفت کے طرق کے تحت مبحث میں تفصیل آرہی ہے.

[2] اس کی تفصیل متون و اَسانید میں اختلاف کے اَسباب کے تحت آرہی ہے.

[3] دیکھئے: اِمام حاکم کی "معرفة علوم الحديث" ص60.

الا ختِلَافَ لَمْ يَشُمَّ رَائِحَةَ الْفِقْهِ بِأَنْفِهِ"، "جسے اختلافات کی معرفت حاصل نہیں اس نے گویافقہ کی بو بھی نہیں پائی"[1]، سعید بن اَبی عروبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مَنْ لَمْ يَسْمَعِ الِاخْتِلَافَ فَلَا تَعُدُّوهُ عَالِمًا"، "جس کسی نے اختلافات کو نہ سنا اور سیکھا تو اسے علماء میں سے نہ شمار کرو"[2]۔

عطاء بن اَبی رباح رحمہ اللہ کا قول ہے: "لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ أَنْ يُفْتِيَ النَّاسَ، حَتَّى يَكُونَ عَالِمًا بِاخْتِلَافِ النَّاسِ"، "کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ فتوی کی ذمہ داری سنبھال لے یہاں تک کہ وہ رواۃ کے اختلافات کو جان نہ لے"[3]، اسکے علاوہ بھی ائمہ محدثین کے اقوال اس فن کی اہمیت کو اجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں، تاکہ طالب علم کو فقہ اور حدیث دونوں کے ساتھ بیک وقت ممارست رہے جب کہ عصر اوّل کے اہلِ علم نے اس کی اہمیت کو فقیہ اور محدث دونوں کے لئے محسوس کر لیا تھا، اسی لئے وہ اختلافات اسانید و متون کی معرفت کو محدث اور فقیہ دونوں کے لئے یکساں اہمیت دیتے تھے، اسی بات کی طرف امام حاکم نیساپوری رحمہ اللہ نے بھی اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ علم الفقہ دراصل علم الحدیث کی ہی شاخ ہے کیونکہ حدیث ہی سے ان تمام علوم کا چشمہ پھوٹتا ہے[4]۔

اسی چیز کو مزید تاکید کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے امام کتانی رحمہ اللہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "لَوْ كَانَ أحدنا قاضياً لضربنا بالجريد فقيهاً لا يتعلم الْحَدِيْث ومحدّثاً لا يتعلم الفقه"، یعنی "اگر ہم میں سے کوئی قاضی ایسا ہوتا کہ فقہ کے ساتھ اسے حدیث کا علم نہ ہوتا یا حدیث کے ساتھ اسے فقہ کا شعور نہ ہوتا تو اسے ہم کوڑے سے مارتے"[5]، یہی وجہ ہے کہ فقہ و حدیث کے کبار اہل علم کو ہم نے اس خاص موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے پایا ہے، اور اس میدان میں

[1] ملاحظہ ہو: جامع بيان العلم وفضله 2/46.

[2] جامع بيان العلم وفضله 2/46.

[3] جامع بيان العلم وفضله 2/46.

[4] معرفة علوم الحديث ص63.

[5] ملاحظہ ہو: نظم المتناثر من الحديث المتواتر: ص8.

گرانقدر کتب کا اضافہ کر گئے ہیں، جن میں امام شافعی رحمہ اللہ کی ”اختلاف الحدیث“ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی ”تاویل مختلف الحدیث“ أبو یحیی زکریا الساجی رحمہ اللہ کی ”اختلاف العلماء“ اور امام طحاوی رحمہ اللہ کی ”اختلاف العلماء“ شامل ہیں۔ ان تمام مذکورہ کتب میں متون وأسانید کے اختلافات کو بیان کرکے ان پر قائم مسائل فقہیہ کی وضاحت کی گئی ہے۔ جس سے محدثین کا ان دونوں علوم کے ساتھ خصوصی اہتمام کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

الغرض اختلافاتِ متون وأسانید کی معرفت، علم العلل کی نہایت اہم مباحث میں سے ہے۔ جسکی وجہ سے حدیث قبولیت کے دائرے سے نکل کر ضعف کے دائرے میں داخل ہو جاتی ہے۔

زیر نظر کتاب میں انہی مباحث کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کو ترتیب دی گئی ہے، جس میں علت کی تعریف، علت حدیث کی معرفت کے طرق، متون وأسانید میں اختلاف کے أسباب اور متون وأسانید میں اختلاف کی صورت میں قرائن ترجیح شامل ہیں۔

مبحث ثالث

علتِ حدیث (اختلافِ أسانید ومتون) کی معرفت کے طرق

علم العلل میں یہ انتہائی اِہم مباحث میں سے ہے، کیونکہ اسی کے ذریعہ سے طالب علم کو حدیث میں علت کا اِدراک ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہم ہونے کے ساتھ ساتھ یہ انتہائی مشکل اور دقیق مباحث میں سے بھی ہے۔ محدثین کے ہاں "غرابت" کسی بھی حدیث میں غرابت کے وقوع کے لئے اہم ترین اسباب میں سے ہے، چاہے وہ غرابتِ متن ہو یا غرابتِ سند ہو، اور غرابت دو ہی اسباب میں منحصر ہے، یا تو مخالفتِ راوی کی وجہ سے متن یا سند میں غرابت پائی جائے گی اور یا تفرد راوی اس کا سب سے بڑا سبب ہو سکتا ہے۔ اسی بناء پر محدثین نے غرابت پر اعتماد کرنے والوں کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کئے ہیں [1]۔ اور جس سند یا متن میں کسی قسم کے تفرد یا غرابت کا معمولی سا بھی اشتباہ ہوتا ہو تو اسے پہلی فرصت میں ہی معلل روایات کی فہرست میں ڈال دیا جاتا ہے، تاہم اسکے باوجود کہ "علل حدیث ایک لدنی علم ہے اور سالہا سال کی ممارست اور تجربات کے بعد ہی کوئی طالب حدیث اس بات پر قادر ہو سکتا ہے کہ وہ کسی بھی روایت کے بارے میں یہ دعویٰ کر سکے کہ یہ معلل حدیث ہے"، آئمہ علل اور محدثین عظام نے کچھ قواعد وأصول مرتب کئے ہیں جن کو مد نظر رکھتے ہوئے کوئی بھی باحث کسی بھی روایت کے بارے میں بحث وتفتیش کر سکتا ہے کہ کیا اس میں علت پائی جاتی ہے، یا یہ روایت کسی بھی قسم کی غلطی اور علت سے سالم ہے؟

ابتدائی طور پر کسی بھی روایت کے بارے میں علت کی معرفت حاصل کرنا اور اس کے بعد اس حدیث پر کسی بھی قسم کا حکم لگانے کے لئے ہر باحث کو چار مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:

(1): پہلا مرحلہ:

اس روایت کے جملہ طرق کو جمع کرنے کے لئے تمام کتب حدیثیہ کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا اور اس روایت کے تمام طرق وأسانید کو ایک جگہ اکٹھا کرنا۔ اگر ہم متقدمین کی کتابوں کا بنظرِ غائر مطالعہ کریں تو

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: خطیب بغدادی کی "الكفاية في علم الرواية ص172" اور اِمام ابن معین کی تاریخ "رواية الدوري" 541.

اس مرحلہ کے بارے میں انہوں نے متعدّد مقامات پر بحث کی ہے، جیسا کہ اِمام اَحمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب تک کسی بھی روایت کے تمام طرق اکٹھے نہ کر دئے جائیں اور تمام اَسانید ایک جگہ جمع نہ کر دی جائیں تو اس کا مکمل فہم حاصل نہیں کیا جاسکتا[1]۔ اِمام علی ابن المدینی رحمہ اللہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فہم تو در کنار، اگر روایت کے تمام طرق نظر کے سامنے نہ ہوں تو اس روایت میں موجود کسی بھی قسم کی غلطی یا وَہم پر علم حاصل نہیں ہوسکتا[2]۔ اِمام ابن معین رحمہ اللہ اس اُصول کے بارے میں اپنا عمل اور تجربہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں حدیث کے پچاس طرق لکھتا ہوں تو تب کہیں جاکر اس پر مطمئن ہوتا ہوں کیونکہ کسی بھی روایت کی آفات وبلیّات اسی وقت واضح ہوتی ہیں جب تک اس کے تمام طرق کا استقصاء نہ کرلیا جائے[3]۔ جب کہ اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ تو اس معاملے میں اِمام ابن معین سے بھی زیادہ احتیاط اور دقت نظر کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، کیونکہ وہ کسی بھی روایت کے ساٹھ (60) تک طرق کو جمع کرنے کا کہتے ہیں[4]۔

اَیوب سختیانی رحمہ اللہ اسی معاملہ کو ایک دوسرے انداز سے دیکھتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی طالب علم حدیث کے بارے میں یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس کے شیخ نے کہاں غلطی کی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے شیخ کے علاوہ بھی محدثین کی صحبت اختیار کرے[5]۔ کیونکہ جب تک یہی روایت دوسرے کسی محدث سے سنی نہیں جائے گی تو اس میں موجود اَخطاء اور اَغلاط کا اِدراک ممکن نہیں ہوسکے گا۔

لہٰذا محدثین کے ان اَقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کسی بھی روایت میں موجود خفیہ علل کی نشاندہی کے لئے سب سے پہلا مرحلہ اور قدم یہ ہے کہ اس روایت کے تمام طرق کا استقصاء کیا جائے اور اسے ایک جگہ جمع کیا جائے، تاکہ سند یا متن میں کسی بھی قسم کی کجی و درستگی اور سُقم و صحت کا ادراک ہو

[1] دیکھئے: المجروحین 1/33 اور اِمام خطیب کی "الجامع" 2/315.

[2] ملاحظہ ہو: الجامع 2/316.

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: المجروحین 1/33 الجامع 2/315.

[4] فتح المغيث 2/370.

[5] دیکھئے: سنن الدارمي حدیث نمبر 649

سکے۔اور یہ بات واضح ہو سکے کہ کونسا راوی کس مقام پر کس راوی سے اختلاف کا مرتکب ہو رہا ہے۔

(2): دوسرا مرحلہ:

مذکورہ روایت کے تمام طرق کو دیکھتے ہوئے اس میں مدارِ سند کو متعیّن کرنا اور اَحوالِ رجال کی کتب میں سے اس کے حالات کی بحث وتمحیص کرنا۔اس دوسرے مرحلے کا اہم ترین کام "مدارِ سند" کی تعیین ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ مدارِ سند کے تلامذہ کا ذکر اور اُن تلامذہ میں سے وہ اصحاب الگ کرنا جن کا مدارِ سند کے ساتھ قوی رابطہ رہا ہو اور طویل صحبت میسر رہی ہو، ان تمام اُمور کی معلومات اس دوسرے مرحلہ کے اہم ترین کام ہیں جن کا فائدہ آگے چل کر چوتھے مرحلہ پر ان مختلف فیہ طرق کے درمیان قرائنِ ترجیح کورُوبعمل لاتے وقت سامنے آتا ہے۔اس ضمن میں أحوال الرجال کے متعلق کتب باحث کو تمام جوانب سے بے نیاز کر دیتی ہیں، ان کتب میں اِمام بخاری رحمہ اللہ کی التاریخ الکبیر، ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی الجرح و التعدیل، اِمام ابن معین رحمہ اللہ کی تاریخ اور سؤالات (جو ان کے تلامذہ سے مختلف طرق سے مروی ہیں)، اِمام دارقطنی رحمہ اللہ کی "العلل الواردة فی الأحادیث النبویة"، ابن أبي حاتم رحمہ اللہ کی علل الحدیث، اِمام مزی رحمہ اللہ کی تھذیب الکمال، اِمام ذہبی رحمہ اللہ کی سیر أعلام النبلاء اور میزان الاعتدال اور ابن حجر رحمہ اللہ کی تھذیب التھذیب قابل ذکر ہیں۔ چونکہ یہ تمام کتب تقریبًا مصادرِ اصلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں تو ان کی طرف رجوع کرنے سے اکثر اوقات رواۃ کے احوال و تراجم میں کسی قسم کے وَہم کا امکان انتہائی حد تک کم ہو کر بالکل نہ ہونے کے برابر رہ جاتا ہے۔اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اگر مدار سند مشہور و معروف شخصیت ہو تو اس کے ترجمہ میں زیادہ توسع کی ضرورت نہیں رہتی، لیکن اگر مدارِ سند غیر معروف شخصیت ہو تو پھر اس کے بارے میں علماء جرح و تعدیل کے اَقوال کو مکمل گہرائی و گیرائی سے زیرِ بحث لانا انتہائی ضروری ہوتا ہے کیونکہ اس بات کا غالب امکان رہتا ہے کہ علت اسی مدارِ سند کی وجہ سے مذکورہ روایت میں دَر آئی ہو۔

راوی کے احوال کی پرکھ میں یہ امور خصوصی طور سے مد نظر رکھنے چاہئیں کہ کیا یہ راوی علماءِ جرح و تعدیل کے نزدیک ثقہ ہے یا ضعیف، اور یا اس کے بارے میں علماء کے اَقوال مختلف فیہ ہیں؟۔اسی

طرح مدارِ سند کی تمام روایات اس کے جملہ تمام شیوخ سے اور ہر جگہ پر ایک ہی حکم رکھتی ہیں، یا کسی خاص شیخ سے روایت کرتے وقت یا کسی خاص مقام پر روایت کرتے وقت اس کی روایت پر صحت کا حکم لگتا ہو اور اس کے علاوہ حالات میں ضعف کا احتمال رہتا ہو؟ بعینہ یہی حال تلامذہ کے متعلق بھی ہوگا۔

یہ بات بھی مد نظر رہنی چاہئے کہ "مدارِ سند" کی روایات تمام عمر ایک ہی درجہ میں رہی ہیں یا عمر کے آخری حصہ میں ان میں اختلاط، فقدِ بصر یا ضیاعِ کتب وغیرہ جیسے اُمور کے سبب کسی قسم کا ضُعف دَر آیا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس مدار سند راوی میں تدلیس یا ارسال کا مرض پایا جاتا تھا یا نہیں، اور اگر تھا تو کس درجہ کی تدلیس اور کس قسم کے ارسال کا صدور ہوتا تھا۔ غرض اس دوسرے مرحلہ میں ان تمام باتوں کا خیال رکھنا انتہائی ضروری ہے، ان تمام امور کا ذکر امام معلمی نے اپنی کتاب میں نہایت تفصیل کے ساتھ کیا ہے، اس باب میں اس کا مطالعہ مفید رہے گا[1]۔

(3): تیسرا مرحلہ:

مذکورہ روایت میں مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین سند و متن کے تمام اختلافات کو سامنے رکھنا، اور اس مدارِ سند کے شاگردوں کے احوال اور ان کا مدارِ سند کے ساتھ ملازمت و مصاحبت کو مد نظر رکھنا۔ اس ضمن میں اس بات کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے کہ مدارِ سند کے شاگردوں کے مابین جو سند یا متن میں اختلاف واقع ہو رہا ہے وہ کس نوعیت کا ہے اور رواۃ کی کتنی تعداد اس سند یا متن کی روایت میں متفق ہے اور کون کون اختلاف کر رہے ہیں۔ حقیقت میں یہی بیانِ اختلاف ہی دراصل علتِ حدیث ہوتی ہے[2]، اس معاملے میں کچھ امور انتہائی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، مثلاً:

- مذکورہ سند میں مدارِ سند سے مذکورہ راوی تک اس روایت کے پہنچنے کا حتمی ثبوت مہیا ہونا۔
- اختلاف کرنے والے راوی کے تمام حالات کو مد نظر رکھنا اور اس مذکورہ روایت میں اس کی حیثیت، مقام و مرتبہ کو جانچنا۔

---

[1] ملاحظہ ہو: التنکیل 1/62-72.

[2] ملاحظہ ہو ابن حجر کی: النکت 2/711.

- اختلافِ سند یا متن کی صورت میں طریق راجح کو متعیّن کرنے کے لئے تحقیق کرنا۔

کبھی یہ بھی ممکن ہوتا ہے کہ اختلاف کا اصل سبب مدارِ سند ہی ہوتا ہے جب کہ غالب اوقات میں اس اختلاف کا اصل مرجع اور سبب مدارِ سند سے روایت کرنے والے اس کے تلامذہ ہوتے ہیں۔ مدارِ سند سے روایت کرتے ہوئے اس کے تلامذہ کے مابین روایات اور طرق میں جو اختلاف واقع ہو رہا ہو ان اختلافات کو ایک ترتیب سے سامنے رکھنا انتہائی ضروری ہوتا ہے جس کی بدولت سند یا متن میں اختلاف بخوبی واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے جب کہ اس بات پر مطلع ہونا بھی نہایت ہی ضروری ہوتا ہے کہ سند میں کہاں کہاں کس قسم کا اختلاف واقع ہوا ہے اور کون سا راوی اس اختلاف میں باقی رواۃ کی مخالفت کر رہا ہے، مثلاً کسی بھی روایت میں اگر مدارِ سند امام "قتادة بن دعامه رحمہ اللہ" ہو اور اس روایت کے متعدّد طرق موجود ہوں جن کی سند یا متن میں کہیں اختلاف پایا گیا ہو تو کتب حدیثیہ سے اس روایت کے تمام طرق کو مرتب انداز میں ذکر کرنا، مذکورہ روایت کی علت کو ظاہر کرنے میں انتہائی ممد و معاون ثابت ہوتا ہے، اگر باحث کو علوم حدیث اور رجالِ احادیث سے ممارست و مناسبت ہو تو اس ترتیب کو دیکھنے سے ہی وہ فوراً سمجھ جاتا ہے کہ کہاں کس راوی سے غلطی یا وَہم کا صدور ہوا ہے۔ الغرض یہ مرحلہ علت حدیث کو ظاہر کرنے کے لئے انتہائی طور سے مفید و قابل عمل ہے۔

(4): چوتھا مرحلہ :

کسی بھی روایت کے تمام طرق کو کتبِ حدیثیہ سے ڈھونڈ نکالنے، مدار سند کی تعیین اور اس کے تلامذہ کے احوال پر ادراک، ان تمام طرق کا مقارنہ اور اسبابِ اختلاف کے مطالعہ کے بعد کا مرحلہ " مذکورہ روایت کے راجح طریق کا قرائنِ ترجیح کی روشنی میں تعیین" کا ہوتا ہے۔

محدثین کے ہاں ان تمام قواعد و قرائنِ ترجیح کا ذکر عام طور سے ملتا ہے، اگرچہ ان تمام قواعد پر محدثین کے ہاں کلی طور سے اتفاق نہیں پایا جاتا، تاہم کسی بھی محدث یا حافظ کا ان قواعد سے اختلاف کی صورت میں اس کے اسباب کو جاننا اور پھر مذکورہ قاعدہ یا قرینہء ترجیح کی طرف رجوع کرنا ہی باحث کی

اولین ذمہ داری ہے۔اور اس فن کے لئے بھی اللہ جل شانہ نے نقادِ حدیث اور ماہرینِ روایات ہر زمانے میں پیدا فرمائے ہیں جنہیں کثرتِ ممارست اور معرفتِ تامہ کے بعد یہ صلاحیت ودیعت ہوتی ہے کہ وہ کسی بھی روایت کے مختلف طرق کے درمیان ترجیح کے بارے میں فیصلہ کرسکیں [1]۔

ان تمام مراحل کے مکمل ہونے کے بعد جب باحث پر یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ مذکورہ روایت کے فلان طریق کو ترجیح حاصل ہے اور ائمہ علل اور حفاظ حدیث سے اس کی تائید بھی ہوتی ہواور اس بارے میں کسی بھی قسم کا اختلاف نہ پایا جاتا ہو تو ایسی صورت میں اسی قول اور طریق پر عمل کرنا لازم قرار پاتا ہے، جبکہ اس کے علاوہ باقی طُرُق کو مرجوح ٹھہراتے ہوئے انہیں قابل عمل نہیں گردانا جائے گا[2]۔اسی بات کو ابن حجر واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسی بھی روایت کی تعلیل کے بارے میں أئمہ کے اقوال منقول ہوں تو ان کی طرف رجوع ہی اُولیٰ ومناسب طریقہ ہوگا، جیسے کسی بھی محدث کا حدیث کے بارے میں صحت کے حکم کی طرف ہی رجوع کیا جاتا ہے اور اسے قابل التفات سمجھا جاتا ہے۔کیونکہ متقدمین کی اس باب میں دقتِ نظر، گہرائی اور گیرائی میں بحث وتفتیش، تصحیح وتعلیلِ حدیث کی تمام جوانب کو مدنظر رکھنا انتہائی قابل رشک وتقلید ہیں [3]۔

چونکہ انہوں نے اس باب میں اپنی زندگیاں وقف کی ہیں اور أحادیث کی علل اور دقیق مباحث کو سیکھنے کے لئے اسفار فرمائے ہیں، اپنے شیوخ کے ساتھ طویل صحبتیں اختیار کی ہیں تب کہیں جاکر انہیں اس چیز پر عبور حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی روایت کی صحت وسقم کے بارے میں اپنی رائے کو حتمی انداز سے پیش کرسکیں۔یہی وجہ ہے کہ اِمام بخاری ومسلم رحمہما اللہ تعالیٰ جب کسی ثقہ راوی سے روایت کو ترک کرتے ہیں، تو ضرور اس کی روایت میں کسی قسم کی علت کی وجہ سے اسے چھوڑتے ہیں، اور گزشتہ اسباق

[1] ملاحظہ ہو: ابن رجب کی شرح علل الترمذي 2/757-758.

[2] تفصیل کے لئے دیکھئے: ابن أبی حاتم کی المراسیل ص307.

[3] ملاحظہ ہو: ابن حجر کی "النکت" 2/711.

سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ علت کا میدان ثقہ رواۃ کی ہی روایات ہوتی ہیں [1]۔ لہٰذا اس صورت میں ان ائمہ کی اتباع ہی بہترین عمل ٹھہرتی ہے۔

الغرض ان تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اور مذکورہ تمام مراحل سے گزرنے کے بعد باحث کسی بھی روایت میں موجود اختلاف (علت) پر خبردار ہو سکتا ہے، اور آگے چل کر ان کے درمیان کسی بھی طریق کو راجح قرار دے سکتا ہے۔ اس لحاظ سے کسی بھی روایت میں علت کو جانچنے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کے لئے ان مراحل کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ کتب حدیثیہ میں متقدمین علماء و محدثین ان تمام مراحل کو استعمال کرتے پائے جاتے ہیں۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد باحث کے سامنے کوئی بھی روایت مندرجہ ذیل صورتوں میں وضاحت کے ساتھ سامنے آئے گی:

1: یا تو کسی بھی روایت کے تمام طُرُق صحیح ہونگے اور ان میں سے کسی بھی طریق میں کسی قسم کا وَہم یا غلطی نہیں پائی جائے گی۔

2: یا تو ان تمام طُرُق میں سے ایک ہی طریق صحیح ٹھہرایا جائے گا اور باقی طُرُق کو رواۃ کی اغلاط پر محمول کیا جائے گا۔

3: یا تو ان میں سے کچھ طُرُق صحیح ہوں گے اور کچھ غلط ہوں گے۔

4: یا تو ان کے درمیان اضطراب و اختلاف اس درجہ کا ہو گا کہ ان میں کسی قسم کی تمیز ممکن نہیں ہو گی جسے علم مصطلح الحدیث میں "حدیث مضطرب" کہا جاتا ہے۔

5: یا تو ان کے درمیان اختلاف اس حیثیت کا ہو گا کہ ان میں قرائن ترجیح کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی ایک طریق کو راجح قرار دینا سہل ہو گا۔

---

[1] تفصیل کے لئے: مجموع الفتاوی 18/42.

یہاں قرائنِ ترجیح کو استعمال کرنے کے بعد مزید ایک قدم آگے بڑھ کر یہ دیکھنا لازمی ٹھہرے گا کہ متقدمین محدثین اور ماہرین علل نے اس روایت کے کس طریق کو راجح قرار دیا ہے، اگر تو ان کا آپس میں کسی ایک طریق کی ترجیح پر اتفاق پایا گیا تو پھر باحث کے لئے اس بات کی گنجائش ہی نہیں رہتی کہ ان میں سے کسی کی مخالفت کرے اِلا یہ کہ اس کے سامنے کوئی واضح سبب موجود ہو جو اسے باقی ائمہ کی مخالفت کرنے پر مجبور کرے جو کہ تحقیق کا عین تقاضا ہے۔

لیکن اگر متقدمین علماءِ علل کا آپس میں اختلاف پایا جائے تو جو ماہرِ فن اس بات کی اہلیت رکھتا ہو کہ وہ ان تمام طُرُق میں سے کسی ایک طریق کو راجح قرار دے سکے تو اسی کی متابعت کی جائے گی۔ لیکن اس کے لئے بھی تحقیق کے اصولوں کے مطابق اس کی ترجیح دینے کا لازمی طور سے کوئی قرینہ یا سبب ضرور موجود ہو گا، ورنہ وہی قرائنِ ترجیح زیر بحث لائے جائیں گے جن کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔
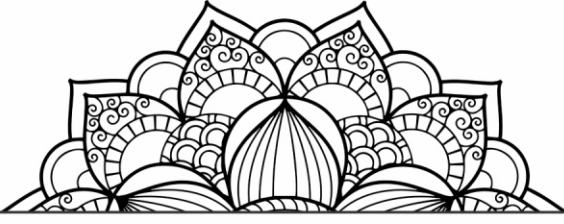
باب أول: متون وأسانید میں اختلاف کی أنواع

فصل أول: راویان حدیث کے مابین سند حدیث میں اختلاف

فصل ثانی: راویانِ حدیث کے مابین متن حدیث میں اختلاف

باب ثانی: متون وأسانید میں اختلاف کے اسباب

فصل أول: ضبطِ راوی میں خلل کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

فصل ثانی: سقوطِ راوی کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

فصل ثالث: دیگر أمور کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

باب ثالث: قرائنِ ترجیح

فصل أول: مدارِ سند سے متعلق قرائن

فصل ثانی: مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن
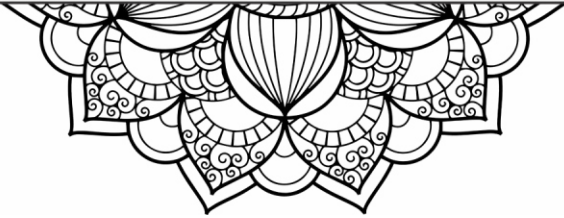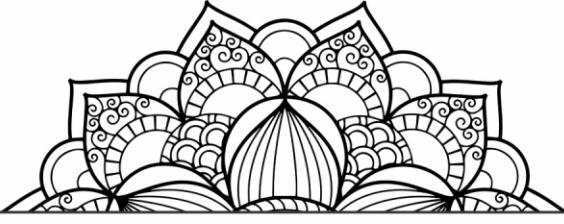
فصل أول:

راویان حدیث کے مابین سند حدیث میں اختلاف

مبحث اول: نوع أول:

وصل وإرسال کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

مبحث ثانی: نوع ثانی:

رفع ووقف کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

مبحث ثالث: نوع ثالث :

راوی کے سقوط وذکر کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

مبحث رابع: نوع رابع:

اِبدالِ راوی کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف
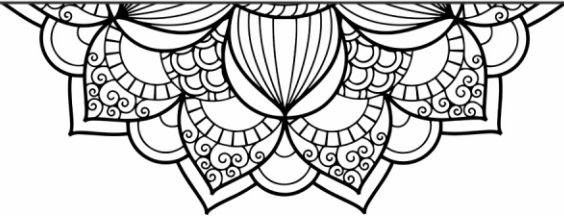
باب اَول

متون واَسانید میں اختلاف کی اَنواع

یہ حقیقت ہے کہ انسانوں میں ودیعت شدہ بشری خصوصیات کے درمیان کافی تفاوت پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم کتبِ رجال کا مطالعہ کرتے ہیں اور کسی بھی راوی کے احوال کو زیرِ بحث لاتے ہیں تو ان کی مختلف صفات جیسے راوی کا صدق، ضبط و اتقان، اپنے استاد کے ساتھ صحبت و ملازمت، کتابتِ حدیث اور اسے محفوظ کرنے کا طریقہ، اَداءِ حدیث میں الفاظ کی رعایت رکھنا اور اسکے علاوہ مختلف دیگر صفات میں تفاوت اور کمی بیشی کا وقتاََ فوقتاََ واضح طور سے مشاہدہ سامنے آتا ہے، جس کے نتیجے میں رواۃِ حدیث ایک دوسرے سے روایاتِ حدیث میں اختلاف کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔

اسکے علاوہ رجال حدیث کے احوال کے مطالعہ سے یہ بات بھی بخوبی معلوم ہوتی ہے کہ کوئی بھی راوی کسی روایت کو نقل کرتے وقت مختلف حالات کے زیرِ اثر ہوتا ہے، جیسے کبھی علمی نشاط کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے وہ روایت کو مفصّل سند کے ساتھ متّصل ذکر کرتا ہے، جب کہ کبھی اختصار کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے اسے مرسل ذکر کردیتا ہے، کبھی تو روایت کی سند میں اس کے شیوخ میں سے بہترین نام موجود ہوتے ہیں تو تمام کے نام ذکر کرتا ہے اور کبھی اُن میں سے کچھ کا نام لے کر باقی کو حذف کردیتا ہے۔ جب کہ کبھی یہ تمام کام راوی سے بطریقِ سہو اور خطا کے صادر ہوتے ہیں۔

ان افعال کے نتیجے میں رواۃ حدیث کے مابین احادیث کی روایت میں اختلاف واقع ہوتا ہے، جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ کتب حدیثیہ میں اس قسم کے اختلافات کا وقوع بکثرت موجود ہے۔

تحقیق اور مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اَحادیث کی بہت ہی قلیل مقدار ایسی ہے جن کی اسانید و متون کے مابین کسی قسم کا اختلاف نہیں پایا گیا، ورنہ روایات کی ایک کثیر مقدار اس قسم کے اختلافات

سے بھری ہوئی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاف سے مراد یہ ہے کہ کچھ راوی احادیث کی روایت کرتے وقت اپنے شیخ (جو کہ غالب اوقات میں مدارِ سند ہوتا ہے) سے اس روایت کی سند یا متن میں اختلاف کرتے پائے جاتے ہیں۔ کتب حدیثیہ کے تتبع و استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے اختلاف کی کئی انواع ہیں جن میں سے کچھ انتہائی اہم اور کثیر الوقوع ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

راویانِ حدیث کے مابین واقع اختلافات کو دو بنیادی اور اساسی اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، جن کے تحت مزید کئی انواع مندرج ہوتی ہیں۔

فصل أول :

راویانِ حدیث کے مابین سندِ حدیث میں اختلاف

مبحث أول : نوع أول : وصل وإرسال کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

اس کا مطلب ہے کہ مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اسکے شاگردوں کے مابین سندِ حدیث کے وصل وارسال میں اختلاف واقع ہو جائے، جس کی وجہ سے اس مدارِ سند کے کچھ شاگرد مذکورہ سند کو مرسل روایت کرتے پائے جائیں جب کہ کچھ دیگر شاگرد اسی سند کو موصول ذکر کریں، جس کی وجہ سے ان کے مابین وصل وارسال میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 1:

أبو داؤد ح1114، ابن ماجہ ح1222، ابن خزیمہ ح1019، دار قطنی (سنن) ح 587، مستدرکِ حاکم ح655، ح656، ابن حبان ح2238

بیہقی 3/ 316، أبو داؤد 1/ 291، دار قطنی (العلل) 14/ 160
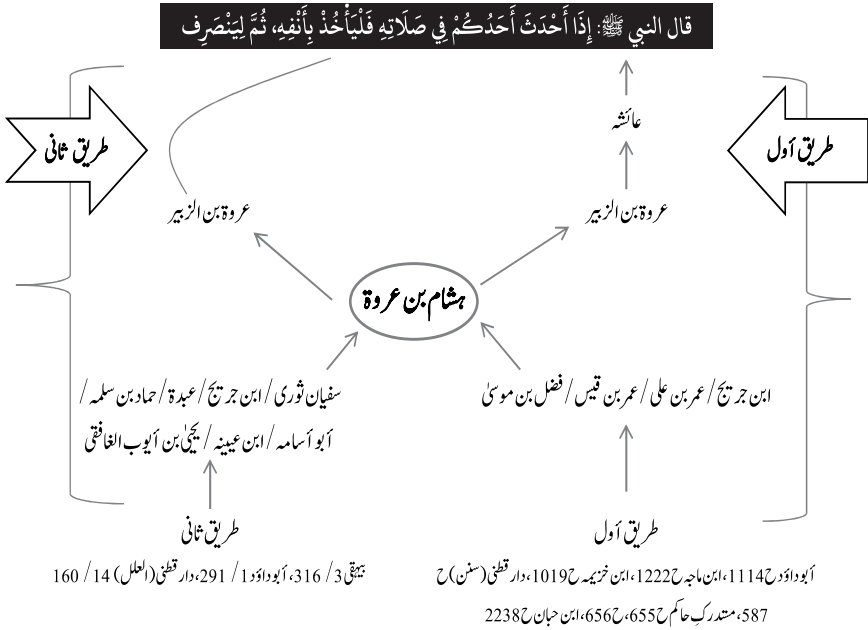
ڈایاگرام نمبر 1

درج بالا مثال میں مدارِ سند ”ھشام بن عروۃ“ ہیں، جن سے روایت کرتے ہوئے انکے

شاگردوں کا مذکورہ روایت کی سند کے بارے میں وصل وارسال کا اختلاف واقع ہوا ہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ مذکورہ روایت کی سند کے تتبع واستقراء کے لئے جب ہم نے کتب حدیثیہ کا مطالعہ کیا تو ہمیں اس مذکورہ روایت ''إِذَا أَحْدَثَ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلْيَأْخُذْ بِأَنْفِهِ، ثُمَّ لِيَنْصَرِفْ'' کے دو طرق ملے، نقشہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق اول میں اصحابِ ہشام کی ایک جماعت مذکورہ روایت کو عائشہ رضی اللہ عنہا سے ''موصول'' روایت کرتی ہے جب کہ طریق ثانی میں اصحاب ہشام کی ایک دوسری جماعت اسے عروۃ بن زبیر سے ''مرسل'' نقل کرتی ہے۔ لہٰذا یہاں مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین روایت کی سند کے وصل وارسال میں اختلاف واقع ہوا ہے، ان دونوں طُرق میں سے کون سا طریق راجح اوراقرب الی الصواب ہوگا، اس کے لئے محدثین نے الگ اصول وضوابط وضع کئے ہیں جن کا تذکرہ ان شاء اللہ باب ثالث میں کیا جائے گا۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر2:
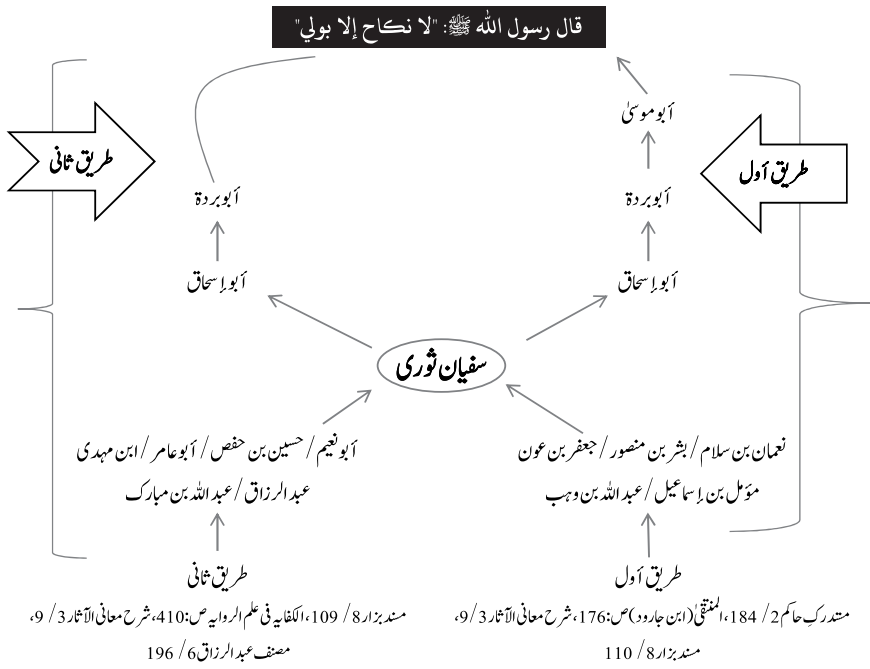
اختلاف سند کی مذکورہ نوع کی مزید وضاحت مذکورہ بالا مثال سے بھی ہوتی ہے جس میں مدارِ سند امام "سفيان بن سعيد بن مسروق ثوري" رحمہ اللہ ہیں، جب کہ ان سے روایت کرنے والے دو فریق ہیں، جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہے، طریق اَول میں اصحاب ثوری کی ایک پوری جماعت روایتِ مذکورہ کو اَبو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے موصول ذکر کرتی ہے جب کہ انہی امام ثوری رحمہ اللہ کے باقی تلامذہ طریق ثانی میں اسی روایت کو اُن سے اَبو بردۃ کے واسطے سے مرسل روایت کرتے ہیں، جس کی وجہ سے رجالِ حدیث کا آپس میں سند کے اتصال وارسال کی بابت اختلاف واقع ہوا۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 3:

سَلَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ رَكْعَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الشِّمَالَيْنِ، مِنْ خُزَاعَةَ حَلِيفُ لِبَنِي زُهْرَةَ: أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: كُلٌّ لَمْ يَكُنْ فَأَقْبَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ؟ قَالُوا: نَعَمْ، فَأَتَمَّ مَا بَقِيَ مِنْ صَلَاتِهِ، وَلَمْ يَسْجُدْ سَجْدَتَيِ السَّهْوِ حِينَ يَقَّنَهُ النَّاسُ

ڈایاگرام نمبر3
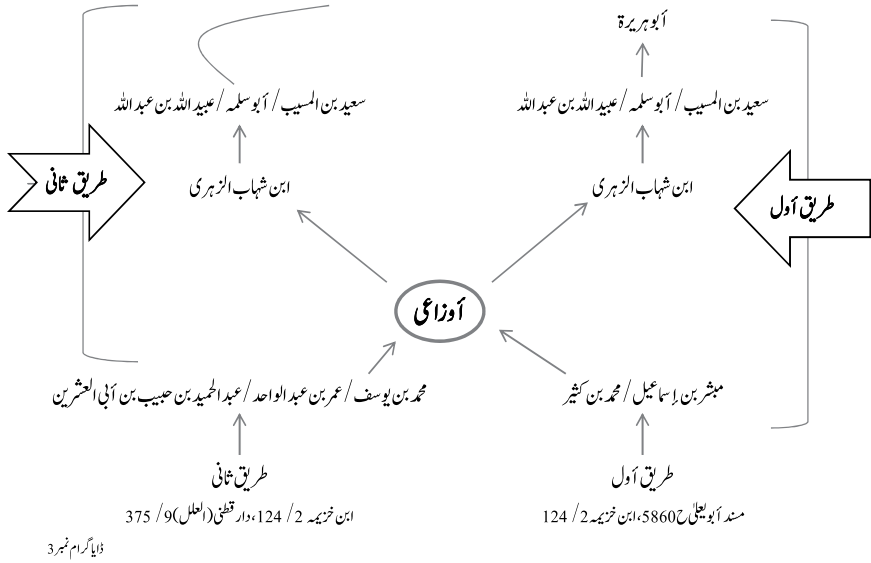
تیسری مثال جس سے مذکورہ بالا اختلاف کی نوعیت مزید وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے، وہ

أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ، جس کے مدار سند امام "عبد الرحمٰن أوزاعی" رحمہ اللہ ہیں، حسب سابق انکے شاگردوں میں روایت کے وصل وإرسال کے متعلق اختلاف واقع ہوا ہے، لہٰذا طریق اول میں امام اوزاعی کے شاگرد اسے أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے موصول روایت کرتے ہیں جب کہ طریق ثانی میں امام أوزاعی کے باقی شاگرد اسے سعید بن المسیب، أبو سلمہ اور عبید اللہ بن عبد اللہ کے واسطے سے مرسل ذکر کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مدار سند کے شاگردوں کے مابین اختلاف کی وجہ سے روایات کی اسانید و متون میں وصل و ارسال کا اختلاف واقع ہونا بدیہی امر ہے جب کہ مذکورہ بالا تینوں مثالوں سے نوع أول کی بخوبی وضاحت ہوتی ہے کہ رجالِ حدیث کے مابین کیسے کسی بھی سند کے وصل و ارسال میں اختلاف واقع ہوتا ہے۔

مبحث ثانی : نوع ثانی : رفع ووقف کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

کسی بھی مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اسکے شاگردوں کا مذکورہ روایت کی سند میں اس طریقے سے اختلاف کرنا کہ اُس مدارِ سند کے کچھ تلامذہ اس روایت کو مرفوع نقل کر رہے ہوں جب کہ دیگر تلامذہ اسے موقوف روایت کرتے پائے گئے ہوں، تو اسے "رفع ووقف" کے اعتبار سے اختلاف کی نوع میں رکھا جاتا ہے، اس کی مزید وضاحت درج ذیل مثال کے ڈایاگرام سے بخوبی ممکن ہے: ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر4:
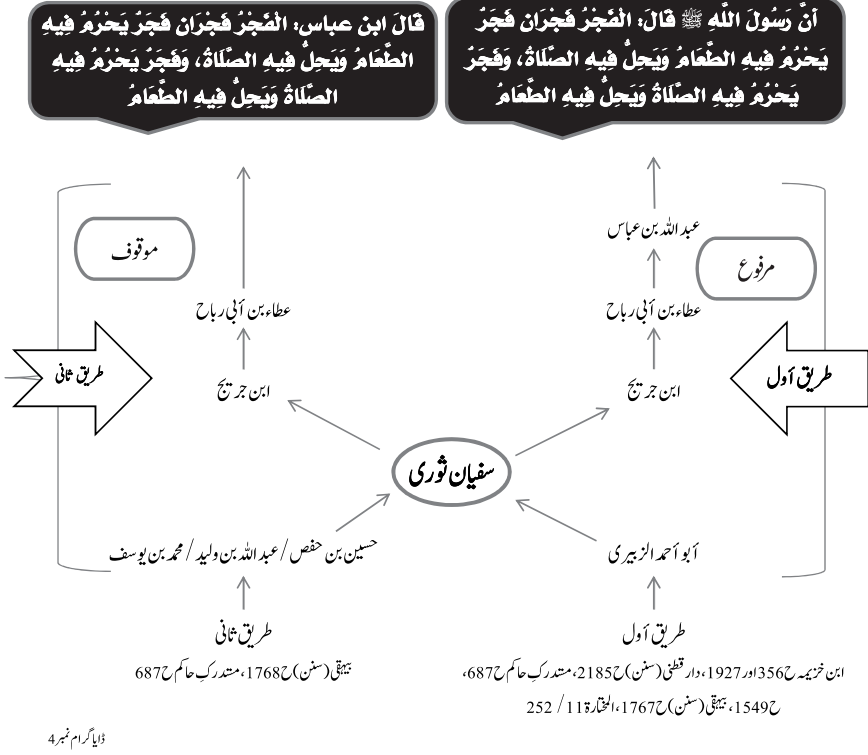
درج بالا روایت، رجالِ حدیث کے مابین سند میں رفع ووقف کی حیثیت سے اختلاف کی مثال ہے، نقشہ سے واضح ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ اس روایت کے "مدارِ سند" ہیں جب کہ ان کے

شاگردوں کی ایک جماعت مذکورہ روایت کوامام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف نقل کرتے ہیں جیسا کہ نقشہ میں طریق ثانی سے بخوبی واضح ہے جہاں انہوں نے روایت کوابن عباس کا قول ٹھہرایا ہے، جب کہ امام ثوری کے ایک دوسرے شاگرد "أبوأحمد زبیری" اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے مرفوع نقل کرتے ہیں، تو ابوسفیان کے تلامذہ کا آپس میں مذکورہ روایت کی سند میں رفعاًووقفاً اختلاف واقع ہوا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 5:

قال رسول الله ﷺ: من بنى لله مسجدا ولو مفحص قطاة بنى الله له بيتا في الجنة

قال أبو ذر رضي الله عنه: من بنى لله مسجدا ولو مفحص قطاة بنى الله له بيتا في الجنة

مسند بزار 9/ 412، المعجم الصغیر 2/ 246، شرح مشکل الآثار 4/ 209
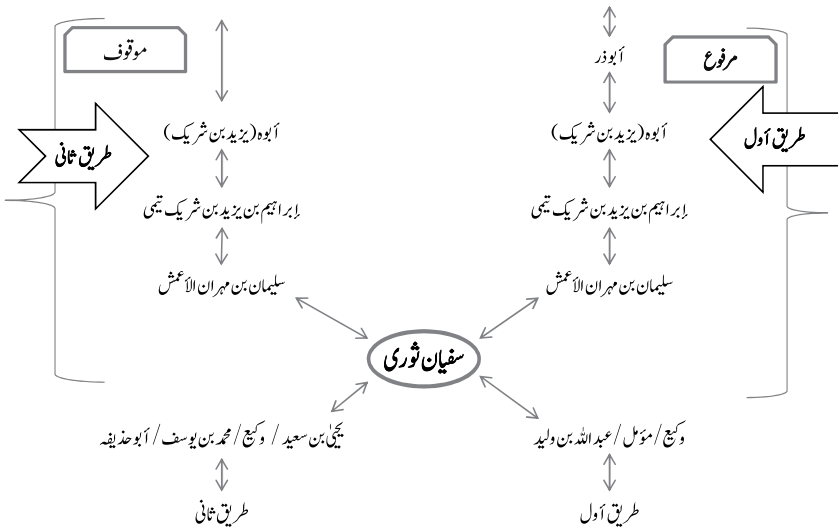
حلية الأولياء وطبقات الأصفياء 4/ 217، دار قطنی (العلل) 6/ 274

ڈایاگرام نمبر 5

مذکورہ روایت رجال حدیث کے مابین رفعاًووقفاً اختلاف کی دوسری مثال ہے، جس میں مدارِ سند "امام سفیان ثوری" رحمہ اللہ سے حدیث کے دو طرق مروی ہیں، طریق أول میں انکے تلامذہ روایت کو رسول اکرم ﷺ کا قول بیان کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں انہی امام ثوری کے دیگر تلامذہ کا ایک

گروہ جو کہ ان کے قریب ترین شاگردوں پر مشتمل ہے، اس روایت کو ابوذر رضی اللہ عنہ کا قول بتاتے ہیں، اور اسے موقوف ٹھہراتے ہیں۔ مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کے رجالِ حدیث کے مابین روایت کے مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف کا وقوع ہوا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 6:
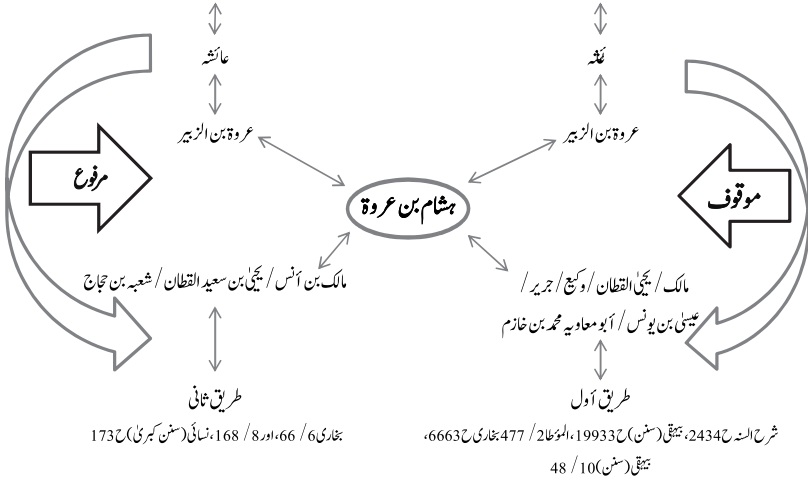
ڈایاگرام نمبر6

درج بالا روایت مدار سند "ہشام بن عروۃ" رحمہ اللہ سے دو طرق کے ساتھ منقول ہے، طریق اول کے روایت کرنے والے امام ہشام بن عروۃ رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے ایک کثیر تعداد پر مشتمل جماعت ہے، جو کہ درج بالا روایت کو عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ٹھہراتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں ان کے تلامذہ دیگر رجالِ حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول قرار دیتے ہیں، یہاں سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ مدارِ سند امام ہشام بن عروۃ رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے دونوں گروہ آپس میں روایت کی سند کے مرفوع یا موقوف ہونے میں مختلف ہیں۔

مبحث ثالث : نوع ثالث : راوی کے اسقاط وذکر کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

اس سے مراد یہ ہے کہ مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اسکے شاگردوں کے مابین سند میں کسی بھی راوی کے ذکر یا عدمِ ذکر کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوتا ہے، لہٰذا اس کے کچھ شاگرد سند میں کسی راوی کو ذکر کرتے ہیں اور کچھ دوسرے شاگرد اسی سند کو مدار سند سے روایت کرتے وقت درمیان میں سے کسی راوی کو حذف کردیتے ہیں۔

مزید وضاحت درج ذیل مثال سے ہوتی ہے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 7:
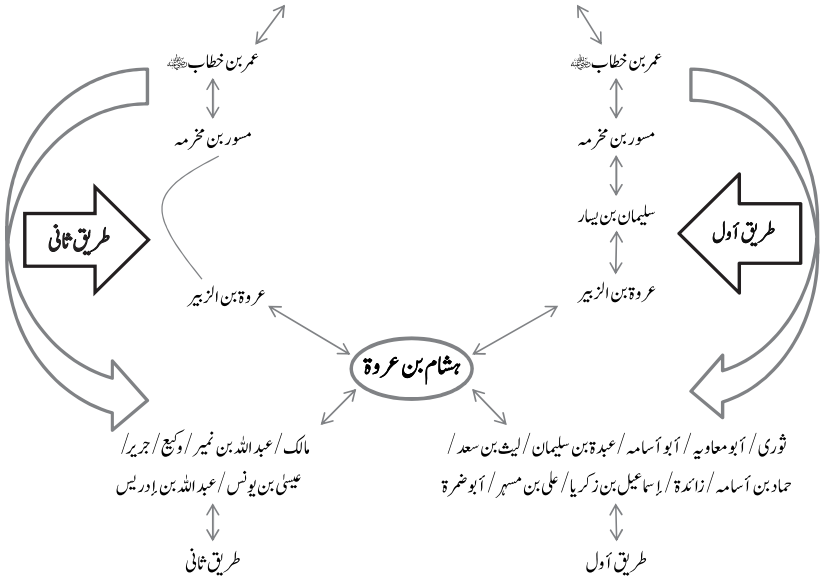
ڈایاگرام نمبر 7

درج بالا روایت میں مدارِ سند امام "ہشام بن عروۃ" رحمہ اللہ سے اُن کے شاگردوں کی کثیر تعداد آپس میں اختلاف کرتے ہوئے سند میں راوی کے ذکر یا اسقاط کے مرتکب ہوئے ہیں، طریق اول میں ان کے شاگردوں کا ایک گروہ اسے "سلیمان بن یسار" کے واسطے سے نقل کرتے ہیں، جب کہ طریق

ثانی میں یہی روایت ہشام بن عروۃ کے شاگردوں کی دوسری جماعت "سلیمان بن یسار" کو ساقط کرتے ہوئے انقطاع کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ جو کہ مدارِ سند کے شاگردوں کے مابین سند میں راوی کے ذکر یا اسقاط کی بابت اختلاف کی واضح مثال ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 8:

ڈایاگرام نمبر 8
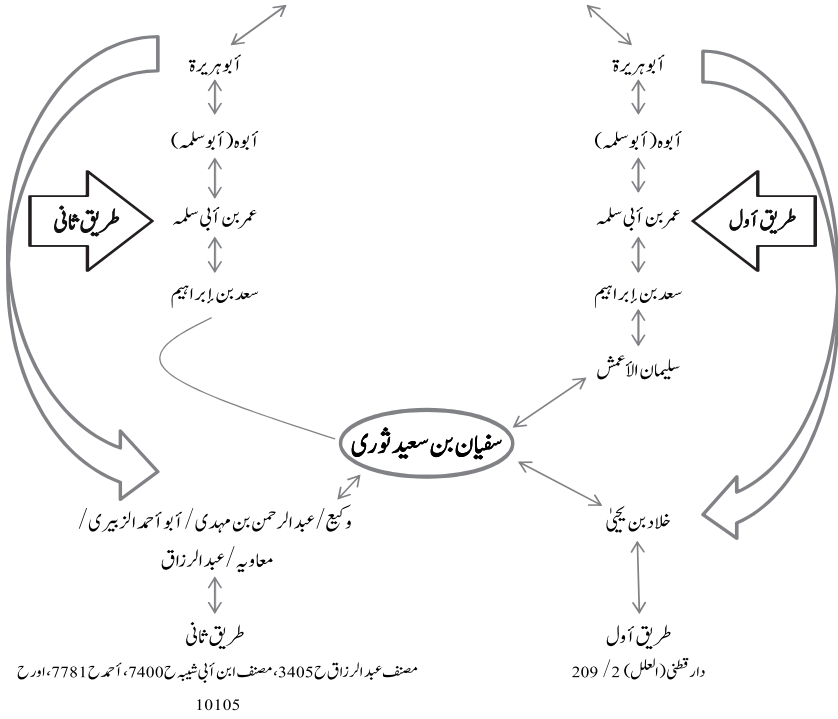
مذکورہ مثال میں امام "سفیان ثوری" رحمہ اللہ جو کہ مدار سند ہیں، اُن سے یہ روایت انکے شاگرد دو طُرق سے نقل کرتے ہیں، طریق اول میں انکا شاگرد تفرد اختیار کرتے ہوئے سند میں "سلیمان الأعمش" کا نام ذکر کرتا ہے، جب کہ طریق ثانی میں انکے دیگر تلامذہ کی ایک جماعت اسے "سلیمان الأعمش" کا نام ذکر کئے بغیر نقل کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدارِ سند "امام ثوری" کے شاگردوں کے مابین

مذکورہ روایت کی سند میں راوی کے ذکر یا عدمِ ذکر میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس مسئلہ کی مزید وضاحت درج ذیل مثال سے ممکن ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 9:

مذکورہ روایت جو کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، اس میں مدارِ سند "داؤد بن أبی هند" سے روایت کرتے ہوئے انکے تلامذہ آپس میں اختلاف کا شکار ہوئے ہیں، طریق اول میں ان کے

فَرَضَ صَلَاةِ السَّفَرِ وَالْحَضَرِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا أَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِالْمَدِينَةِ زِيدَ فِي صَلَاةِ الْحَضَرِ رَكْعَتَانِ رَكْعَتَانِ، وَتُرِكَتْ صَلَاةُ الْفَجْرِ لِطُولِ الْقِرَاءَةِ، وَصَلَاةُ الْمَغْرِبِ لِأَنَّهَا وِتْرُ النَّهَارِ

محبوب بن الحسن / مرجی بن رجاء / عبد اللہ بن صباح / علی بن عاصم / بکار بن عبد اللہ بن محمد بن سیرین

طریق اول

ابن خزیمہ ح305 اور 944، شرح مشکل الآثار ح4260، اور شرح معانی الآثار ح1096، ابن حبان ح2738، بیہقی (سنن) ح255 اور سنن کبریٰ ح1698

ابن أبی عدی / عبد الوہاب / أبو معاویہ / أبو خالد الأحمر / سفیان ثوری / زفر بن الہذیل / وہیب بن خالد / زہیر بن إسحاق

طریق ثانی

مسند أحمد 6/ 241 اور 6/ 265، مسند إسحاق بن راہویہ ح1635، بیہقی (سنن) ح5443، مصنف ابن أبی شیبہ ح6710، دار قطنی (العلل) 5/ 67

ڈایاگرام نمبر 9

شاگردوں کی ایک بڑی تعداد اس روایت کو مشہور راوی "مسروق" رحمہ اللہ کے ساتھ نقل کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں ایک دوسری جماعت سند میں "مسروق" کو بالکل ذکر ہی نہیں کرتی بلکہ روایت میں انقطاع کا احتمال محسوس ہوتا نظر آتا ہے۔ جو کہ رواۃ حدیث کے مابین سند میں إسقاطِ راوی یا عدمِ ذکرِ راوی پر مبنی اختلاف کی مثال ہے۔

مبحث رابع : نوع رابع : ابدالِ راوی کے اعتبار سے راویانِ حدیث کے مابین اختلاف

مراد اس سے یہ ہے کہ شیخ سے روایت کرتے وقت اسکے تلامذہ اور اصحاب کے مابین راوی کے تعیّن میں اختلاف واقع ہو جائے، یعنی مدارِ سند کے کچھ شاگرد اُس سے روایت کرتے وقت سند میں کچھ رواۃ کا ذکر کریں جب کہ اسی مدارِ سند کے کچھ دیگر شاگرد یہی سند اُس سے روایت کرتے وقت کوئی اور ہی سند ذکر کریں جو کہ پچھلی سند سے یکسر مختلف ہو، بالفاظ دیگر مدارِ سند کے بعد کے طرق ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوں، وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر10:
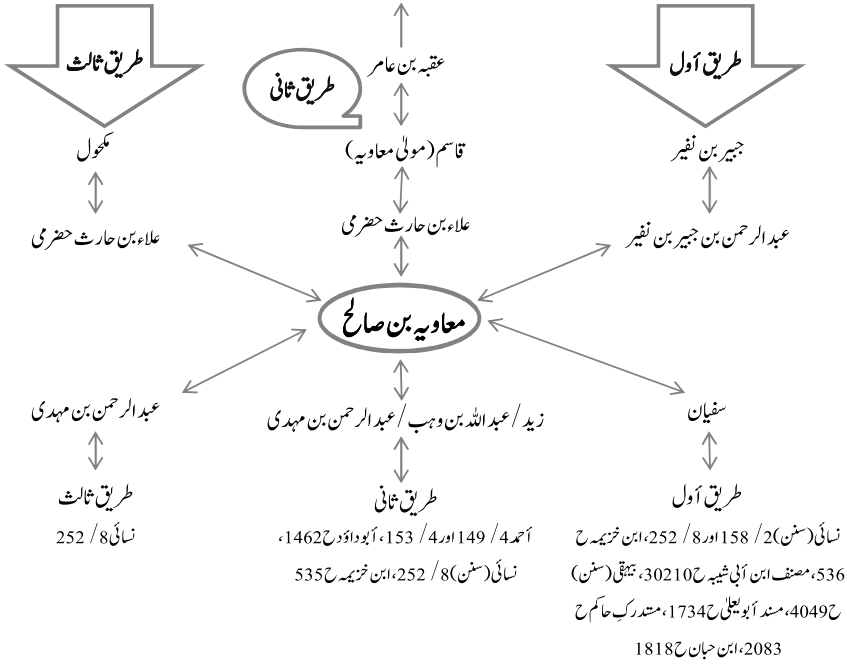
ڈایاگرام نمبر10

مذکورہ بالا روایت میں مدارِ سند "معاویه بن صالح" رحمہ اللہ سے حدیث کے تین طُرُق مروی ہیں، تینوں طرق میں مختلف شاگرد انہی "مدارِ سند" سے روایت کرتے ہیں اور تینوں طرق میں مدارِ سند کے بعد رواۃ ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں جیسا کہ نقشہ نمبر 10 سے بخوبی واضح ہے، اختلاف اسانید

کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

1. کچھ "اصحاب معاویہ بن صالح" اسے "عبد الرحمٰن بن جبیر" **بواسطہ** "جبیر بن نفیر" سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ طریق اول میں سفیان کی روایت سے واضح ہے۔
2. جب کہ کچھ دوسرے رواۃ اسے "العلاء بن حارث" سے **بواسطہ** "قاسم" کے نقل کرتے ہیں جیسا کہ طریق ثانی سے ظاہر ہے۔
3. جب کہ طریق ثالث میں "عبد الرحمٰن بن مهدي" اسے **بطریق** "العلاء بن حارث" بواسطہ "مکحول" نقل کرتے ہیں۔

تو مدارِ سند کے شاگردوں کے مابین مذکورہ حدیث کی روایت کرتے ہوئے سند میں رواۃ کی تعیین کے اعتبار سے اختلاف پایا گیا ہے، تینوں طرق میں رواۃ ایک دوسرے سے مختلف نظر آ رہے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 11:

ڈایاگرام نمبر 11

مذکورہ بالا مثال میں امام "سفیان ثوری" رحمہ اللہ مدارِ سند ہیں اور کتب حدیثیہ میں مذکورہ روایت ان سے دو طرق سے مروی ہے:

1۔ طریق اول میں اِمام ثوری کے شاگرد اُن کے استاد کا نام "عمرو بن دینار" نقل کرتے ہیں۔

2۔ جب کہ طریق ثانی میں انکے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد راوی کو بدلتے ہوئے "عبد اللہ بن دینار" کا نام ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راویانِ حدیث کے مابین سند میں ابدال راوی کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 12:

أمر النبي ﷺ أن يأخذ العفو من أخلاق الناس

ڈایاگرام نمبر 12
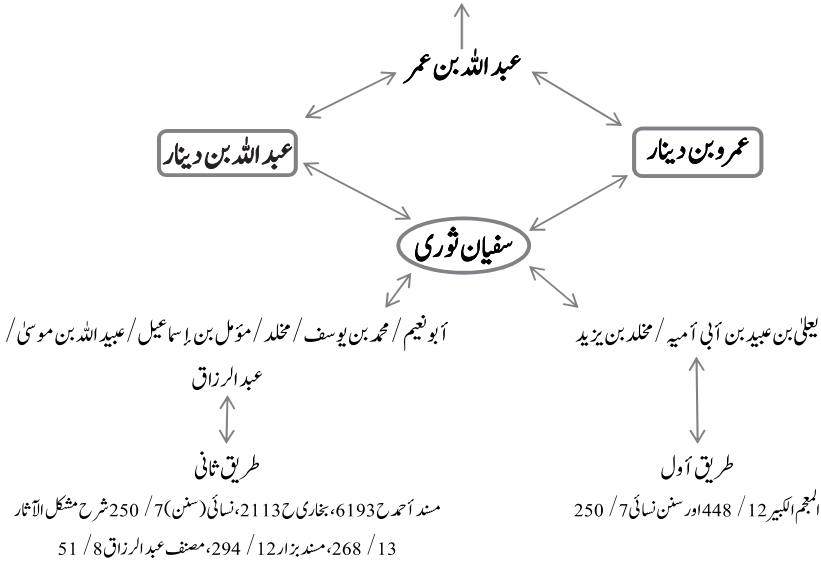
مدارِ سند "هشام بن عروة" رحمہ اللہ سے مذکورہ روایت کے تین طرق مروی ہیں:

1۔ طریق اَول میں انکے شاگرد "محمّد بن عبد الرحمٰن "مخرجِ حدیث کو عبداللہ بن عمر مانتے ہیں۔

2۔ جب کہ طریق ثانی میں انکے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد، جن میں بڑے بڑے ثقہ رواۃ کے نام شامل ہیں، مخرجِ حدیث "عبد الله بن زبير "کو قرار دیتے ہیں۔

3۔ اسی طرح مزید تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق ثالث میں "أبو معاويه محمّد بن خازم" اسی روایت کو "عبد الله بن زبير" سے بواسطہ "وهب بن كيسان" کے نقل کرتے ہیں، تینوں طرق کے تفصیلی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت میں راویانِ حدیث کے مابین سند میں ابدال راوی کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوا ہے۔

فصل ثانی
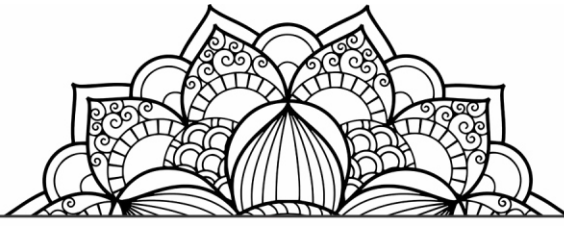
راویانِ حدیث کے مابین متن حدیث میں اختلاف

مبحث اوّل:

نوع اَول: راویانِ حدیث کے مابین قول وفعل کے اعتبار سے اختلاف

مبحث ثانی:

نوع ثانی: راویانِ حدیث کے مابین قلبِ متن کے اعتبار سے اختلاف

مبحث ثالث:

نوع ثالث: راویانِ حدیث کے مابین حدیث کے معانی میں تغییر کے لحاظ سے اختلاف

مبحث رابع:

نوع رابع: راویانِ حدیث کے مابین متن میں زیادت وکمی کے اعتبار سے اختلاف
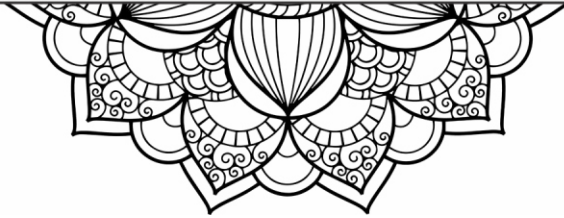
فصل ثانی :

راویانِ حدیث کے مابین متن حدیث میں اختلاف

متنِ حدیث میں اختلاف کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے روایت بالمعنیٰ یا روایت کا کسی بھی سبب سے اختصار کے ساتھ ذکر کرنا سرِ فہرست ہیں، اس کے تحت متعدّد انواع ہیں:

مبحث اول : نوع أول : راویانِ حدیث کے مابین قول وفعل کے اعتبار سے اختلاف

اس سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی حدیث کے مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اسکے شاگرد، روایت کے قولی یا فعلی ہونے میں اختلاف کرتے پائے گئے ہوں، اس نوع کے اختلاف کی مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر13:

ڈایاگرام نمبر13
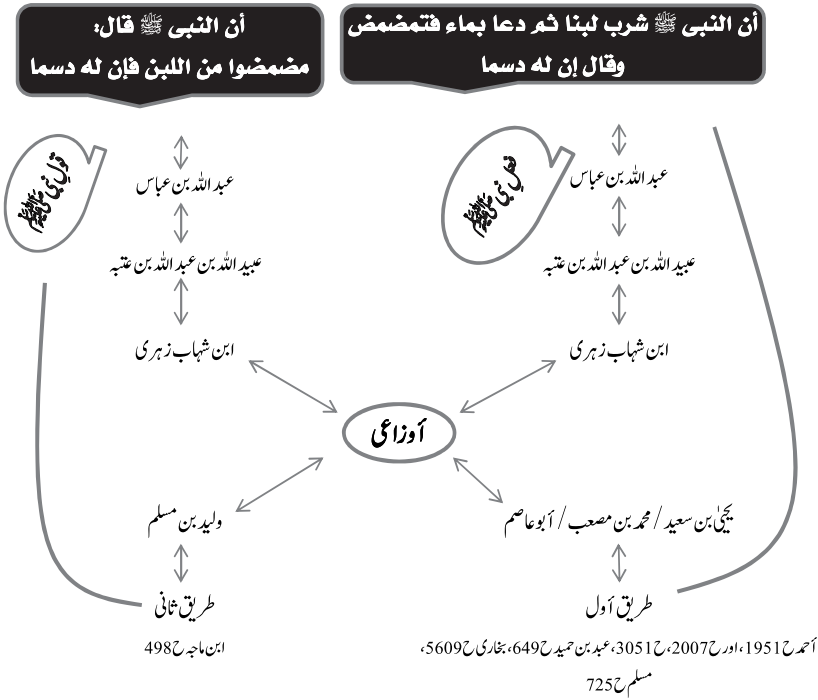
مذکورہ روایت کے متن پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مدارِ سند "إمام أوزاعی" رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے انکے تلامذہ کے مابین متن کے قولی وفعلی ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، طریق أول کے روایت کرنے والے جوکہ ثقات کی ایک جماعت ہے وہ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مانتی ہے جب کہ طریق ثانی میں اِمام اوزاعی رحمہ اللہ کے دیگر شاگرد اسے حدیث قولی میں شمار کرتے ہیں۔
تو یہاں ان کے مابین اختلاف کی وجہ سے روایت کے قولی اور فعلی ہونے میں تعارض پایا گیا ہے۔

مبحث ثانی : نوع ثانی : راویانِ حدیث کے مابین قلبِ متن کے اعتبار سے اختلاف

اس قسم کے اختلاف سے مراد یہ ہے کہ "مدار سند" سے روایت کرتے وقت اسکے تلامذہ کے مابین اختلاف واقع ہوا ہو، جسکے نتیجے میں کچھ راوی روایت کا ایک متن ذکر کریں جب کہ کچھ دوسرے راوی اسی روایت کا مفہوم دوسرے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے قلبِ متن کے مرتکب ہوں، اس کی مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 14:

اَحمد ح3625، ح4038، مسند اَبو یعلیٰ ح5198

اَحمد ح3552، ح3811، ح3865، ح4043، ح4230اور 4231، ح4406، ح4425، بخاری ح1238، ح4497، ح6683، مسلم ح181، مسند اَبو یعلیٰ ح 5090، ابن حبان ح 251

ڈایاگرام نمبر 14

متن میں رواۃِ حدیث کے مابین اختلاف کی یہ دوسری نوع ہے، جس میں مدارِ سند "شقیق بن سلمة" رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے ان کے شاگرد اور راویانِ حدیث کی ایک بڑی جماعت مذکورہ متن میں ذکر شدہ "وعید" کو رسول کریم ﷺ کا قول مانتے ہیں جب کہ "وعد" کو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول ٹھہراتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں اسی "شقیق بن سلمة" کے دوسرے شاگرد "سلیمان الأعمش" "قلبِ متن کرتے ہوئے "وعد" کو رسول کریم ﷺ کا قول قرار دیتے ہیں جب کہ "وعید" کو ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول گردانتے ہیں۔ جسکی وجہ سے دونوں جماعتوں کے مابین روایت میں قلب متن

کے اعتبار سے اختلاف واقع ہوا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 15:
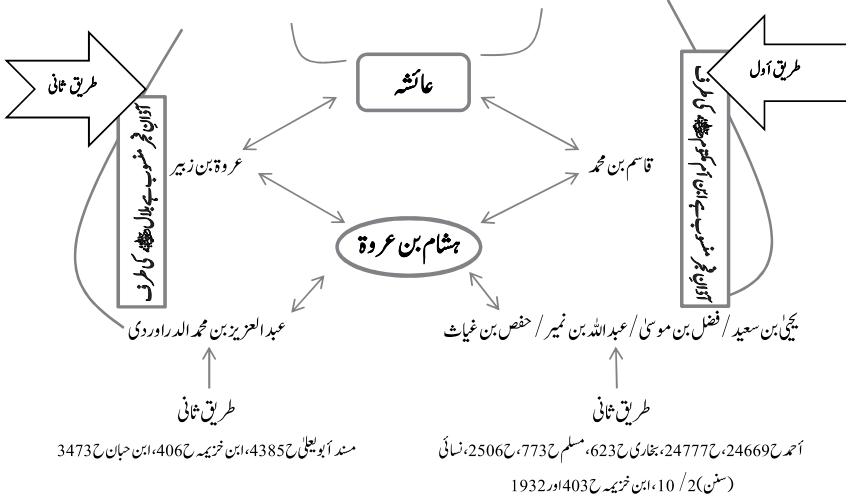
ڈایاگرام نمبر 15

مذکورہ روایت میں مدارِ سند امام "ھشام بن عروۃ" رحمہ اللہ سے انکے شاگرد روایت کرتے ہوئے متن کے ذکر کرنے میں آپس میں اختلاف کا شکار ہوئے ہیں، ان کے شاگردوں کی ایک جماعت جو کہ ثقات رواۃ پر مشتمل ہے، ھشام بن عروۃ سے روایت کرتے ہوئے "آذان فجر" کو "عبد اللہ بن اُم مکتوم" رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں جب کہ انہی ھشام بن عروۃ کے دوسرے شاگرد "عبد العزیز بن مُحَمَّد" "آذان فجر کو "سیدنا بلال" رضی اللہ عنہ سے منسوب کرتے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ حدیث "مدار سند" سے روایت کرتے ہوئے ان کے شاگردوں کے مابین قلبِ متن کے لحاظ سے اختلاف کے وقوع کی واضح مثال ہے۔

مبحث ثالث

نوع ثالث : راویانِ حدیث کے مابین حدیث کے معانی میں تغییر کے لحاظ سے اختلاف

اس قسم کے اختلاف کا بنیادی اور اہم سبب یہ ہوتا ہے کہ راوی اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی حدیث کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کرے یا اسے روایت مکمل طور سے یاد نہ ہو اور روایت بالمعنیٰ کرے جس کی وجہ سے روایت کے معانی و مفاہیم میں ایسا تغیر و تبدل واقع ہو جائے کہ جو ایک ہی روایت کے دو مختلف متون پر دلالت کرے، اگرچہ مآل و مرجع دونوں کا ایک ہی ہو لیکن ایک روایت اختصار کی وجہ سے دوسری روایت سے بالکل علیٰحدہ اور مستقل معلوم ہوتی ہو، وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 15.1 :
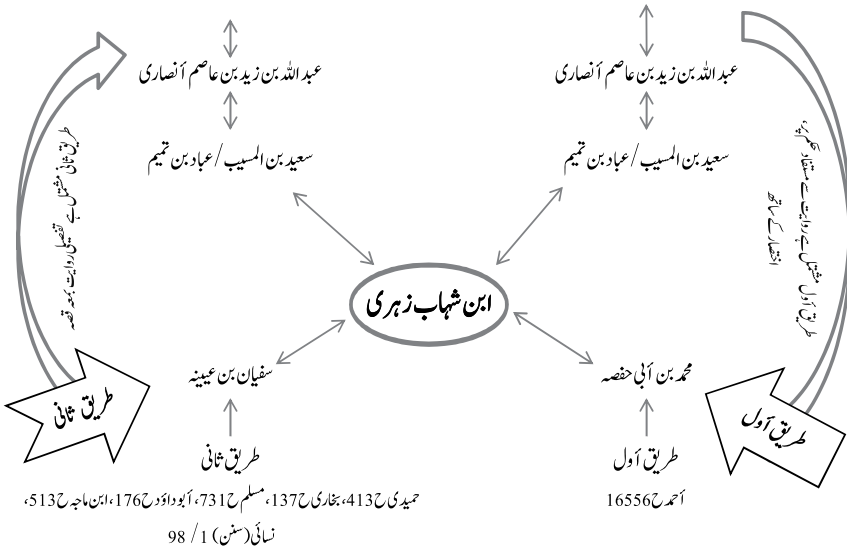
ڈایاگرام نمبر 15.1

درج بالا مثال میں مدارِ سند "ابن شهاب زهري" رحمہ اللہ سے انکے تلامذہ روایت کرتے وقت

اختلاف کا شکار ہوئے ہیں، دونوں متون بظاہر مستقل الگ متون محسوس ہو رہے ہیں، جیسا کہ نقشہ سے واضح ہو رہا ہے۔ جب کہ حقیقت میں دونوں ایک ہی روایت کے حصے ہیں، طریق اول میں مدارِ سند "ابن شهاب زهري" رحمہ اللہ سے ان کے شاگرد "محمّد بن أبی حفصة" رحمہ اللہ روایت کرتے ہوئے اختصار کرتے ہیں اور مفصل روایت ذکر نہیں کرتے، جب کہ طریقِ ثانی میں انہی امام زہری رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد "إمام ابن عيينة" رحمہ اللہ تفصیل ذکر کرتے ہوئے روایت کو مکمل قصہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ دونوں روایات مختلف واقعات کے رد عمل میں وارد ہوئی ہیں جب کہ در حقیقت دونوں ایک ہی روایت ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 16:

قربت للنبي ﷺ خبزا ولحما، فأكل، ثم دعا بوضوء، فتوضأ، ثم صلى الظهر، ثم دعا بفضل طعامه، فأكل، ثم قام إلى الصلاة ولم يتوضأ

كان آخر الأمرين من رسول الله ﷺ، ترک الوضوء مما مست النار

أبو داؤد ح 192، نسائی (سنن) 1 / 108، ابن خزیمہ ح 43 ابن حبان ح 1134

مصنف عبد الرواق ح 639 اور 640، مصنف ابن أبی شیبہ ح 525، أحمد ح 14313، ح 14507، أبو داؤد ح 191، أبو یعلیٰ ح 1963 اور 2098 اور 2160، ابن حبان ح 1130 اور 1132 اور 1136
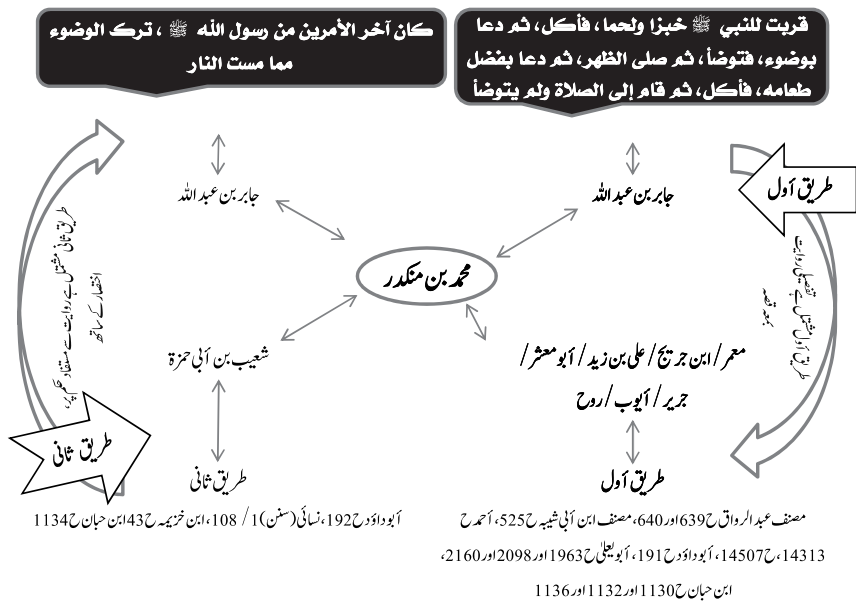
ڈایاگرام نمبر 16

مذکورہ بالا مثال زیادہ وضاحت کے ساتھ اس امر کو بیان کر رہی ہے، جس میں مدارِ سند "محمّد بن المنكدر" سے روایت کرتے وقت انکے شاگردوں کے مابین متن میں "تفصیل و اختصار" کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوا ہے، محدثین کی ایک جماعت اسے مفصل قصہ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے ذاتی فعل

سے **منسوب کرتے ہوئے روایت کرتے ہیں جب کہ** "شعيب بن أبي حمزة" **اس قصہ سے مستفاد حکم کو اپنے الفاظ کا جامہ پہنا کر اسے مختصر متن کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے روایت کی صورت ایسی نظر آتی ہے گویا کہ دونوں الگ الگ متون ہوں۔**

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 17:

ڈایاگرام نمبر 17

مذکورہ بالا روایت بھی اسی نوع کی ایک بہترین مثال ہے، طریق أول میں يحيىٰ بن سعيد القطان رحمہ اللہ **مدارِ سند** "يزيد بن كيسان" **سے روایت کو تفصیل کے ساتھ بمعہ مکمل قصہ کے نقل کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں انہی کے دوسرے شاگرد** "مروان بن معاوية" **اس قصہ سے مستنبَط حکم کو اپنے الفاظ میں اختصار کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایک ہی روایت دو مختلف احادیث کے متن کے طور پر سامنے آ رہی ہے، جو کہ راویانِ حدیث کے مابین متن کے تغیر کے لحاظ سے اختلاف کی عمدہ مثال ہے۔**

مبحث رابع : نوع رابع : راویانِ حدیث کے مابین متن میں زیادت وکمی کے اعتبار سے اختلاف

اس سے مراد یہ ہے کہ مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اسکے شاگردوں اور اصحاب کے مابین اس حدیث کے متن کے الفاظ میں اختلاف واقع ہو جائے، جسکے نتیجے میں بعض راوی متن میں کچھ الفاظ کا اضافہ کریں جب کہ بعض دوسرے راوی اسی متن کو کچھ الفاظ کی کمی کے ساتھ ذکر کریں جسکی وجہ سے حدیث کے کلمات اور اس پر منتج مسائل فقہیہ پر گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر18:
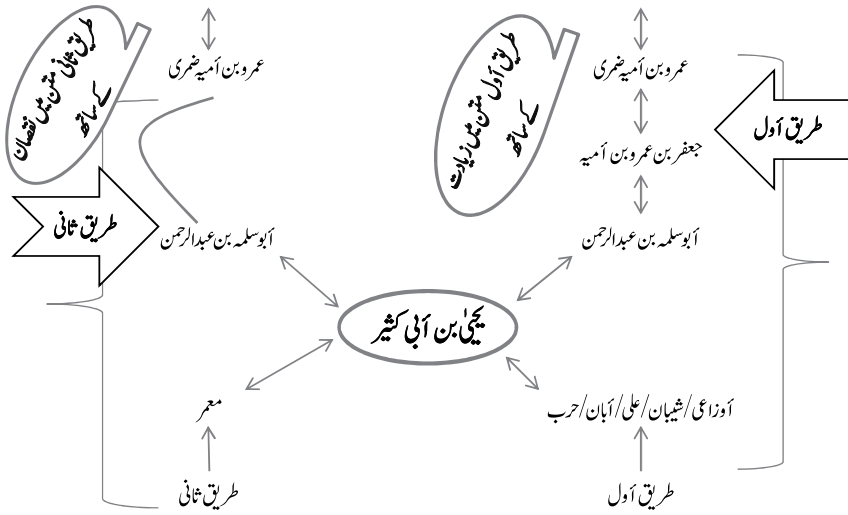
مصنف ابن أبی شیبہ ح 231، ح1886 اور 1887، أحمد ح 17377، ح22849، ح 17378، ح 22853، دارمی ح 755، بخاری ح 204، اور 205، ابن ماجہ ح 562، نسائی (سنن) 1/ 81، ابن خزیمہ ح 151، ابن حبان ح 1343

مصنف عبد الرزاق ح 746، أحمد ح 17759

ڈایاگرام نمبر18

اختلافاتِ أسانید و متون کی تمام أنواع میں سے یہ انتہائی اہم نوع ہے، جس کے نتیجے میں عموماً فقہاء کے مابین مسائل فقہیہ میں اختلافات سامنے آتے ہیں، جس کی تفصیل مناسب مقام پر ان شاء اللہ ذکر کی جائیگی۔

سرِ دست مذکورہ بالا مثال کی طرف آتے ہیں جس میں مدارِ سند "یحییٰ بن أبی کثیر" رحمہ اللہ سے دو جماعتیں اس روایت کو نقل کرتی ہیں، طریق اول میں محدثین کی ایک جماعت اس روایت کو نقل کرتے ہوئے متن میں کچھ الفاظ کی زیادتی ذکر کرتے ہیں، اور مسح میں خفین کے ساتھ ساتھ "عمامہ" کو بھی شامل کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں انہی "یحییٰ بن أبی کثیر" رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد "معمر" رحمہ اللہ تمام ثقات کی مخالفت کرتے ہوئے روایت میں صرف خفین کا تذکرہ کرتے ہیں اور "عمامہ" کا ذکر بالکل بھی نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایانِ حدیث کے مابین اس روایت میں متن کے الفاظ کی زیادت ونقصان کے لحاظ سے اختلاف واقع ہوا ہے، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 19:

أن النبي ﷺ كان إذا اغتسل من الجنابة بدأ فغسل يديه، ثم توضأ كما يتوضأ للصلاة. ثم يدخل أصابعه الماء فيخلل بها أصول شعره. ثم يصب على رأسه ثلاث غرف. ثم يفيض الماء على جسده كله.

كان رسول الله - ﷺ - إذا اغتسل من الجنابة، يبدأ فيغسل يديه، ثم يفرغ بيمينه على شماله فيغسل فرجه، ثم يتوضأ وضوءه للصلاة، ثم ياخذ الماء فيدخل أصابعه في أصول الشعر، حتى إذا رأى أن قد استبرأ، حفن على راسه ثلاث حفنات، ثم أفاض على سائر جسده، ثم غسل رجليه

طریق اول متن میں "غسل رجلین" کلمات کے حذف کے ساتھ

طریق ثانی متن میں "غسل رجلین" کی زیادت کے ساتھ

طریق اول

طریق ثانی

عائشہ

عروۃ بن زبیر

عائشہ

عروۃ بن زبیر

ہشام بن عروۃ

ابو معاویہ

مالک / ابن عیینہ / یحییٰ القطان / وکیع / حماد بن سلمہ / جعفر بن عون / حماد بن زید / عبد اللہ بن مبارک / جریر بن عبد الحمید / علی بن مسہر / عبد اللہ بن نمیر / زائدۃ بن قدامہ / زہیر بن معاویہ

طریق اول

مؤطا مالک ص:52، حمیدی ص:163، أحمد 6 / 52 اور 101، دارمی ح 754، بخاری 1 / 72، اور 74، أبو داؤد ح 242، ترمذی ح 104، نسائی 1 / 134، ابن خزیمہ ح 242

طریق ثانی

مسلم 1 / 174

ڈایاگرام نمبر 19

مذکورہ بالا روایت اس سلسلے کی دوسری مثال ہے، جس میں مدارِ سند "ھشام بن عروۃ" رحمہ اللہ سے محدثین کی ایک بڑی جماعت، جس میں کثیر تعداد میں ثقات واعلام رواۃ شامل ہیں، اس روایت میں نبی

کریم ﷺ کا غسلِ جنابت میں طریقہ کار کو تفصیل سے بیان کرتے ہوئے آخر میں پاؤں کے دھونے کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا کسی قسم کا کوئی حکم یا عمل بیان نہیں کرتے۔

جب کہ اسی روایت میں تفرد اختیار کرتے ہوئے انہی "هشام بن عروة" کے ایک شاگرد "أبو معاوية" اس روایت کے آخر میں نبی کریم ﷺ سے پاؤں کے دھونے کا طریقہ بھی بیان کرتے ہیں، جس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ راویانِ حدیث کے مابین اس روایت کے متن میں الفاظ کی زیادت و نقصان کے اعتبار سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

متون میں زیادت و نقصان کا انحصار راوی کے ضبط و حفظ کی قوت و ضعف پر ہوتا ہے، کیونکہ راوی عموماً اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے روایت بالمعنیٰ کرتا ہے تو ایسی صورت میں وہ تقطیعِ حدیث کو بروئے کار لاتا ہے، جس کی رو سے روایت کا صرف وہ جملہ نقل کیا جاتا ہے جو کہ موضع استشہاد ہوتا ہے اور باقی روایت سے کسی قسم کا سروکار نہیں رکھا جاتا، یا اگر حدیث متفرق جملوں سے عبارت ہو اور ہر جملہ الگ مستقل حدیث بننے کی صلاحیت رکھتا ہو، تو ایک راوی ایک جملہ روایت کرتا ہے جب کہ دوسرا راوی دوسرے جملے کو اپنی روایت میں ذکر کرتا ہے۔

راویانِ حدیث کا أسانید و متون میں اختلافات کے واقع ہونے کی یہی معروف أنواع ہیں جو کہ اوپر تفصیل کے ساتھ معہ امثلہ بیان کردی گئی ہیں، اب اسکے بعد اہم ترین مسئلہ یہ درپیش ہوتا ہے کہ اختلافات کی مذکورہ بالا أنواع میں واقع ہونے کے بنیادی اسباب کیا ہیں، جس کی وجہ سے رجال حدیث کے مابین کسی قسم کا اختلاف پیدا ہوا، اور وہ کون سے عوامل ہیں جس کی وجہ سے کوئی بھی راوی کسی بھی سند یا متن میں غلطی کا مرتکب ٹھہرتے ہوئے باقی رجالِ احادیث سے بالکل الگ اور مختلف روایت ذکر کرتا ہے۔ اگلے باب میں ہم ان شاءاللہ ان اسباب سے بحث کریں گے۔
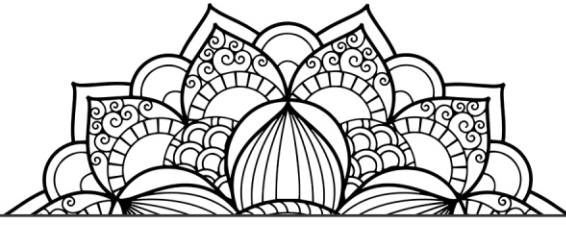
باب ثانی : متون وأسانید میں اختلاف کے اسباب

فصل أول: ضبطِ راوی میں خلل کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

مبحث اول: راوی کا وہم اور غلطی میں مبتلا ہونا

مبحث ثانی: اضطراری حالت کا طاری ہونا

نوع أول: عارضی امور کا طاری ہونا

نوع ثانی: اختلاط اور اس کے اسباب

أ۔ بدنی بیماری کی صورت میں حافظہ کا کمزور ہونا

- بینائی کے چلے جانے سے حافظہ پر اثر ہونا
- عقل کے زائل ہونے سے حافظہ پر اثر ہونا

ب۔ کتب کے ضائع ہونے کی صورت میں اختلاط کا آنا اور ضبط کا کمزور ہونا

نوع ثالث: راوی یا شیخ کے مخصوص أحوال کی وجہ سے ضبط میں نقصان

أ. راوی کے اختلافِ مکان کی وجہ سے ضبط میں نقصان

ب. راوی کے شیوخ کے أماکن/بلدان میں اختلاف کی وجہ سے ضبط میں نقصان

- شاگرد کے علاقہ کے تبدیل ہونے کی وجہ سے ضبط میں نقصان
- شیخ کے علاقہ کے تبدیل ہونے کی وجہ سے ضبط میں نقصان

ت. کسی خاص شیخ سے روایت کی وجہ سے ضبط میں نقصان

فصل ثانی

سقوطِ راوی کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

مبحث اول: تدلیس

فصل ثالث: دیگر اُمور کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

مبحث اُول: اَحادیث کے علم سے عدم توجہی

اَ. مسند قضاء کا حاصل ہونا

ب. مسائل فقہیہ میں مشغول ہونا

ت. عبادت میں مشغولیت

مبحث ثانی: راوی کا شیخ کے صحیفہ سے بغیر سماع کے روایت حاصل کرنا

مبحث ثالث: مذاکرہ

مبحث رابع: راوی/محدث کا شدت احتیاط

مبحث خامس: تلقین

مبحث سادس: اِدخال علی الشیخ
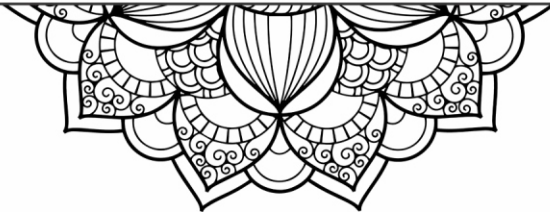
باب ثانی

متون وأسانید میں اختلاف کے اسباب

کسی بھی روایت میں علت کا ہونا ایک بدیہی امر ہے کیونکہ رواۃ کے حفظ و ضبط میں تفاوت کا پایا جانا یقینی امر ہے تو جیسے ضعفاء کی روایات میں وہم اور خطا کا احتمال یقینی ہے اسی طرح ثقات کی روایات میں بھی وَہَم کا ہونا کچھ بعید نہیں۔

یہی وہم، خطا اور اس جیسے دیگر عوامل کسی بھی روایت میں علتِ قادحہ کا سبب بنتے ہیں۔ اور انہی کی بدولت کسی بھی روایت کے اسانید و متون میں رواۃ کے مابین اختلاف کا وقوع ہوتا ہے۔ کبھی یہ اختلاف وصل و ارسال کی صورت میں ہوتا ہے تو کبھی رفع و وقف کی شکل میں۔ کبھی سند کے اتصال وانقطاع کی صورت میں سامنے آتا ہے تو کبھی اسمیں رواۃ کی تبدیلی سامنے آتی ہے۔ اور کبھی متون میں کسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ باب اول میں تفصیل کے ساتھ ان تمام انواع کا تذکرہ ہو چکا، ان تمام انواع کے جاننے کے بعد اب اس بات کا جاننا انتہائی ضروری ہے کہ وہ کون سے عوامل یا اسباب ہیں جن کی وجہ سے کسی بھی روایت کی سند یا متن میں اختلاف کا وقوع ہوتا ہے، تو اس باب میں ان اسباب کا جائزہ لیا جائے گا جن کی وجہ سے رواۃ کے مابین کسی بھی روایت کی سند یا متن میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔

در حقیقت اختلافِ اسانید و متون کے متعدّد اسباب ہو سکتے ہیں:

- کبھی تو راوی کے ضبط میں کسی قسم کے نقصان اور خلل کی بدولت اختلاف واقع ہوتا ہے۔
- کبھی سند میں کسی قسم کے انقطاع کی بدولت متون و اسانید میں اختلاف پایا جاتا ہے۔
- یا دیگر خارجی امور کے باعث متون و اسانید میں اختلاف کا مظاہرہ سامنے آتا ہے۔

ذیل میں ہم ان تینوں امور کو الگ الگ مستقل فصول میں بیان کریں گے۔

فصل أول

ضبطِ راوی میں خلل کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

مبحث اول: راوی کا وہم اور غلطی میں مبتلا ہونا

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو مختلف صلاحیتوں کے ساتھ پیدا فرمایا ہے، کوئی انسان حفظ وضبط میں اعلیٰ درجہ کی صلاحیت رکھتا ہے تو کوئی دوسرا اس صلاحیت میں کم یابی سے متّصف ہوتا ہے، کوئی شخص کسی روایت کو یاد کرنے کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اسے دوسروں کو بیان کرنے کی مکمل قدرت رکھتا ہے تو کوئی اس صفت سے نابلد پایا جائے گا۔ جسکے نتیجے میں روایات میں وَہم کا سرایت کرجانا بدیہی امر ہے، جو آگے چل کر اختلافاتِ اسانید ومتون کا موجب ہوسکتا ہے۔ اور وہم وغلطی کا صدور کوئی اچھنبے کی بات نہیں بلکہ فطری اور بشری تقاضے کے مطابق ہر انسان اس میں مبتلا ہوسکتا ہے، اگرچہ وہ تعدیل وتوثیق کے اونچے معیار پر ہی کیوں نہ ہو، اور ضبط کے اعلیٰ درجے پر ہی کیوں فائز نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ امام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "لستُ أعجَبُ ممَّن يحدِّث فيخطئ، إنما العَجَبُ ممَّن يحدِّث فيصيب"[1]، یعنی امام ابن معین رحمہ اللہ کسی راوی کا روایت حدیث میں غلطی نہ کرنے کو قابل تعجب قرار دیتے ہیں جب کہ روایت حدیث میں غلطی کو ایک بشری تقاضہ سمجھتے ہوئے اسے معیوب نہیں گردانتے، لہٰذا ایسی صورتحال میں رواۃ حدیث کا آپس میں کسی روایت کے نقل کرنے میں سند یا متن کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔ متقدمین ائمہ محدثین کے اقوال اس بات پر صراحتًا دلالت کرتے ہیں، مثال کے طور پر امام احمد رحمہ اللہ اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ومَنْ يَعْرَى من الخطأ والتصحيف"[2]، یعنی ان کے مطابق کوئی راوی بھی اس صفت سے مامون نہیں ہے، جب کہ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فَلَيْسَ من ناقل خبر و حامل أثر من السّلف الماضين الى

[1] دیکھئے: تاریخ ابن معین (برواية الدوري) 3/13.

[2] دیکھئے: إمام ابن الصلاح کی "معرفة أنواع علوم الحديث" ص:252.

زَمَاننَا وان كَانَ من أحفظ النَّاس وأشدهم توقيا واتقانا لما يحفظ وينقل الا الْغَلَط والسهو مُمكن فِي حفظه وَنَقله "[1]، یعنی اگرچہ حدیث کا راوی حفظ و ضبط میں اور نقل کرنے میں اعلیٰ درجے کی صلاحیت سے مالامال ہو لیکن غلطی اور سہو کا صدور اس سے بھی ممکن ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: "وإنما تفاضَلَ أهلُ العلم بالحِفْظِ والإتقانِ والتثبيتِ عند السماع، مع أنه لم يَسْلَمْ من الخطأ والغلط كبيرُ أحدٍ من الأئمَّة، مع حفظهم "[2]، یعنی غلطی اور خطا سے کوئی بڑے سے بڑا امام اپنی جلالتِ شان کے باوجود بچ نہیں سکتا۔

چونکہ یہ ایک فطری امر ہے اور اس سے کوئی انسان بچ نہیں سکتا لہٰذا ہم اکابرین کا طرز عمل دیکھتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی غلطیوں کی نشاندہی اپنا فریضہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں، جیسے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اَوہام کو واضح فرمایا، جسے امام زرکشی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں جمع فرمایا[3]۔ اور اس کی طرف امام ابن المبارک رحمہ اللہ نے بھی اشارہ فرمایا ہے[4]۔ لہٰذا کسی بھی راوی کے وہم اور خطا کو محدثین نے اَسانید و متون کے مابین اختلاف کا بہت بڑا سبب قرار دیا ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ جس طرح ضعفاء کی روایات میں یہ سبب موجود ہوتا ہے اسی طرح ثقات کی روایات میں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ راوی اگر ثقہ ہو تو اسکی تمام روایات صحیح ہوں، پس راوی اگرچہ تعدیل و توثیق کے اعلیٰ مراتب پر براجمان ہو لیکن اسکی روایت میں غلطی کا امکان بہر حال موجود رہے گا لیکن اس غلطی کا ادراک ہر شخص کو ہرگز نہیں ہو سکتا سوائے ان محدثین کرام اور ائمہ عظام کے، جنہوں نے اَحادیث اور اسانید و متون کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہو، لیکن یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ یہ معرفت ان کی بھی خواہشات کے تابع نہیں ہوتی بلکہ ان کے سامنے اصول و قواعد موجود ہوتے ہیں اور تمام اسانید و متون پر ان کی گرفت مکمل طور سے مضبوط ہوتی ہے تب کہیں جا کر انہیں

---

[1] ملاحظہ ہو: امام مسلم کی "التمييز" ص: 124.

[2] ملاحظہ ہو: امام ترمذی کی "العلل الصغير" 6/240.

[3] تفصیل کے لئے دیکھئے: امام زرکشی کی "الإجابة لما استدركت عائشة على الصحابة".

[4] دیکھئے: "شرح علل ترمذی 1/436، (دکتور همام عبد الرحيم سعيد کی تحقیق کے ساتھ).

اس چیز پر ملکہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ کسی سند یا متن پر خطا یا غلطی کا حکم صادر فرما سکیں۔

کتبِ حدیثیہ کے ذخیرہ کا استقصاء کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر بڑے بڑے نام بھی غلطی کرتے پائے گئے ہیں اور ان کے اوہام واغلاط کی باقاعدہ تحقیق کی گئی ہے اور انہیں کتابی شکل میں مدون کیا گیا ہے۔ جیسے امام زرکشی رحمہ اللہ کا کام جس کا ابھی تذکرہ ہوا، اسی طرح جلیل القدر راوی شعبہ بن الحجاج رحمہ اللہ اور امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے اوہام وغیرہ۔

اختلاف اسانید ومتون کے اس اہم سبب کی مزید وضاحت ہم مثالوں سے کریں گے، مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 20: عائشہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں:
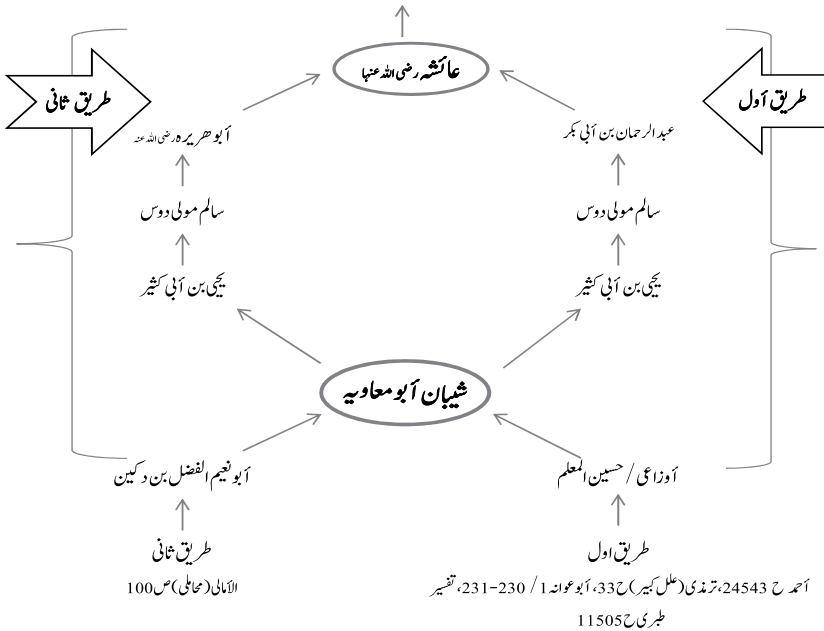
ڈایاگرام نمبر 20

مذکورہ روایت کا مدارِ سند "شيبان أبو معاوية" رحمہ اللہ ہے، جن سے اس روایت کے دو طرق کتب حدیثیہ میں ذکر ہیں، طریق اوّل جو کہ امام أوزاعی رحمہ اللہ اور حسين المعلم رحمہ اللہ سے مروی ہے اس میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں کیا گیا جب کہ طریق ثانی جو کہ امام أبو نعيم الفضل بن دكين رحمہ اللہ سے مروی

ہے انہوں نے اس میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو ذکر کیا ہے۔

مذکورہ روایت کی سند میں ایک ہی مدارِ سند سے دو مختلف قسم کی اسانید منقول ہیں، اور مدارِ سند کے شاگردوں کا آپس میں اختلاف واقع ہوا ہے، کتب رجال کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ "شيبان أبو معاوية" سے مذکور روایت کے دونوں طرق کے راوی محدثین کے نزدیک قابل اعتماد اور ثقہ ہیں، تاہم اس مخالفت کو دیکھتے ہوئے اس بات کا شدید امکان ہے کہ ضرور کسی نہ کسی راوی سے بھول چوک ہوئی ہے، تتبع واستقراء کے بعد معلوم ہوا کہ طریق ثانی میں أبو نعيم الفضل بن دكين کو باوجود ان کے ثقہ و معتبر ہونے کے، وَہَم لاحق ہوا، ماہرین علم علل میں سے إمام أبو زرعة رحمہ اللہ اور إمام دراقطني رحمہ اللہ نے بھی مذکورہ روایت کے تمام طرق نقل کرنے کے بعد أبو نعيم الفضل بن دكين کے اس وہم اور خطا کی طرف اشارہ فرمایا[1]۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 21، خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" شكونا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الرمضاء، فلم يشكنا "،

خباب بن الأرت

طریق أول

طریق ثانی

سعید بن وھب

حارثہ

أبو إسحاق

سلیمان بن مہران الأعمش

وکیع بن الجراح

شعبہ وسفیان

طریق اول

طریق ثانی

أحمد ح 21366 اور 21377

حمیدی ص: 153، ابن ماجہ ح 675
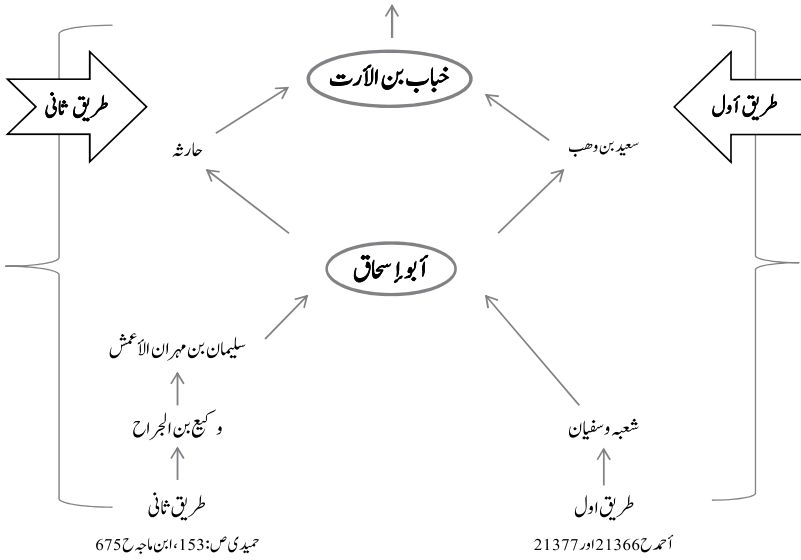
ڈایاگرام نمبر 21

---

[1] دیکھئے: إمام ابن أبی حاتم کی "علل الحديث" 1/618، اور إمام دار قطنی کی "العلل الواردة فی الأحاديث النبوية" 14/333.

مذکورہ روایت میں مدارِ سند "أبو اسحاق" ہیں جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہے، اس میں طریق اول کے نقل کرنے والے امام "شعبة و سفیان" ہیں جنھوں نے مدارِ سند کے شیخ "سعید بن وهب" سے روایت نقل کی ہے جب کہ طریق ثانی "سلیمان بن مهران الأعمش" سے مروی ہے جس میں وہ مدارِ سند کے شیخ "حارثة" کو ٹھہراتے ہیں، یہاں بھی گزشتہ سند کی طرح ایک ہی شیخ کے شاگرد آپس میں اختلاف کرتے پائے گئے ہیں، اگرچہ سلیمان بن مهران رحمہ اللہ ثقات میں سے شمار کئے جاتے ہیں، تاہم اس روایت کی سند ذکر کرتے وقت انہیں وہم لاحق ہوا اور انہوں نے سند میں غلطی کر دی، کتب علل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کی سند میں اختلاف کی اس صورت میں سلیمان بن مہران کی سند کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ اسی کی طرف امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے بھی اشارہ فرمایا[1]۔

مثال نمبر 3: جو کہ "امام شعبة بن الحجاج" رحمہ اللہ جیسے اہل علم سے کسی بھی روایت میں غلطی کے صدور پر صراحتًا دلیل ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 22:
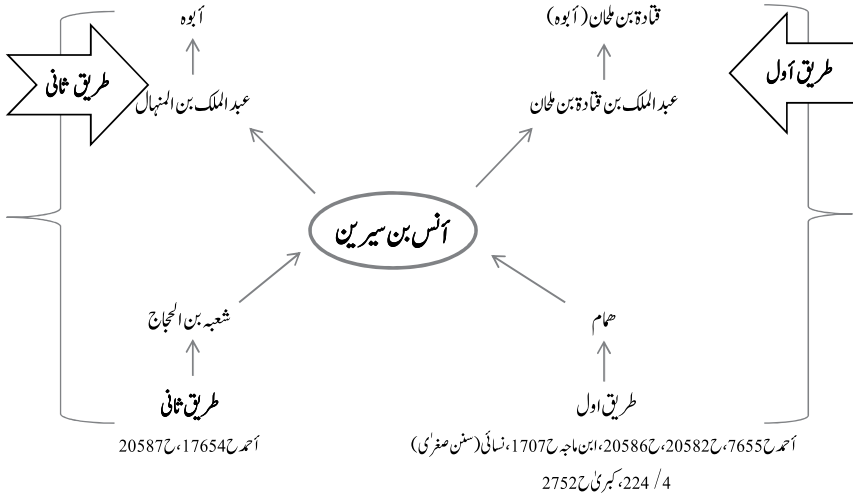
ڈایاگرام نمبر 22

[1] دیکھئے: امام ابن أبي حاتم کی "علل الحدیث" 2/ 121 اور 2/ 284.

مذکورہ سند میں "مدارِ سند" أنس بن سیرین رحمہ اللہ ہے، جس سے اس روایت کے دو طرق کتبِ حدیثیہ میں منقول ہیں، طریق اول میں مدارِ سند کا ایک شاگرد "همام" اسے "عبد الملك بن قتادة بن ملحان" سے روایت کرتا ہے جب کہ طریق ثانی میں اسی مدارِ سند سے مذکورہ روایت اس کے ایک دوسرے شاگرد "شعبه بن الحجاج" رحمہ اللہ سے مروی ہے، جو کہ أمیر المؤمنین فی الحدیث کہلاتے ہیں، اور وہ سند میں "عبد الملك بن المنهال" کو ذکر کرتے ہیں، دونوں طرق کے تتبع اور استقراء اور قرائنِ ترجیح کے انطباق کے بعد معلوم ہوا کہ امام شعبه بن الحجاج کو اس طریق میں وَہم لاحق ہوا اور انہوں نے عبد الملک کے نام میں غلطی کر ڈالی جب کہ ان کا پورا نام عبد الملك بن قتادة بن ملحان ہے، جو کہ ھمام رحمہ اللہ کا روایت کردہ طریق ہے اور یہی راجح ہے۔

امام ابن ماجہ نے اس طریق کو نقل کرنے کے بعد وضاحت فرمائی کہ شعبۃ بن الحجاج اس میں غلطی پر ہیں اور ھمام کی روایت صحیح ہے [1]۔

ان تینوں مثالوں سے ثابت ہوا کہ راوی چاہے کتنا ہی توثیق و تعدیل کے اعلیٰ مراتب پر ہی کیوں فائز نہ ہو ان سے بھی غلطی کا وقوع ممکن ہے، مذکورہ مثالوں میں ابو نعیم رحمہ اللہ، وکیع رحمہ اللہ، اور شعبة رحمہ اللہ تینوں اگرچہ جرح و تعدیل کے ائمہ میں شمار ہوتے ہیں، اور باقی ائمہ کے نزدیک ان کی انتہا درجہ کی توثیق کی گئی ہے بلکہ رواۃ کی جرح و تعدیل میں ان کے اقوال کو سند کی حیثیت حاصل ہے، لیکن روایت کے طرق میں خود ان سے غلطی واقع ہوئی اور یہی غلطی اسانید و متون میں اختلاف کا موجب بنی، جیسا کہ مثالوں سے واضح ہوا، لہٰذا متون و اسانید کے مابین اختلاف کا پہلا سبب کسی بھی راوی کا "غلطی، وہم اور خطا میں مبتلا" ہونا ہے۔ واللہ أعلم

[1] سنن ابن ماجة، كتاب الصيام، باب ما جاء في صيام ثلاثة أيام من كل شهر 1/544 حدیث نمبر 1707.

مبحث ثانی: اضطراری حالت کا طاری ہونا

متون و اَسانید میں اختلاف کا دوسرا اہم سبب کچھ ایسے امور ہیں جو پیدائشی لحاظ سے راوی میں موجود نہیں ہوتے اور نہ ہی مستقلاً اس راوی میں ان امور کی موجودگی پائی جاتی ہے لیکن کبھی کبھار راوی پر کچھ ایسے حالات حادثاتی طور پر طاری ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مذکورہ راوی اپنے بہترین ضبط و حفظ اور توثیق کی شہرت کے باوجود روایات کے نقل کرنے میں کسی قسم کے وَہم کا شکار ہو جاتا ہے اور اسی روایت کی سند و متن میں باقی ثقات رواۃ سے اختلاف کرتا ہوا پایا جاتا ہے، محدثین کے مطابق ان امور میں اختلاط (چاہے وہ نابینا ہونے کی صورت میں ہو یا کتابوں کے گم ہونے کی صورت میں ہو) اور اختلاف اماکن/بلدان و شیوخ شامل ہیں۔

ایسے حادثاتی امور کے سبب کبھی تو روایات میں اوہام و اغلاط مستقلاً اس راوی کی صفات و عادات بن جاتے ہیں جس کے سبب مذکورہ راوی کی روایات میں اسانید و متون کا اختلاف دائمی طور سے موجود رہتا ہے جیسے کسی بھی قسم کی وجوہات کے سبب راوی کے حافظہ میں خلل اور اختلاط کا آجانا، تاہم کبھی اختلاف عارضی ہوتا ہے یعنی راوی کی کوئی ایسی خصوصی حالت اس پر جب بھی طاری ہو تو اس کی روایت میں اسانید و متون کا اختلاف پایا جانا یقینی ہو، بصورت دیگر اس کی روایت ہر قسم کے عیوب و اغلاط سے سلامت پائی جائے، جیسے جگہ، وقت، حالات یا شیخ کے بدل جانے سے راوی کے حافظہ و ضبط میں فرق اور خلل کا آجانا۔

ذیل میں ان تمام امور کا مختصراً تذکرہ بمعہ امثلہ سکیا جاتا ہے۔

نوع اَول: عارضی امور کا طاری ہونا

ایسے عارضی امور جن کی وجہ سے راوی کی اَداءِ روایت میں فرق آجائے اور اس کے سبب اَسانید و متون میں اختلاف کا وقوع ہو، اس کی بہترین مثال امام هشيم بن بشير رحمہ اللہ کی امام مُحَمَّد ابن شهاب زهري رحمہ اللہ سے روایات ہیں، هشيم بن بشير اگرچہ ثقہ راوی ہیں لیکن امام مُحَمَّد ابن شهاب زهري رحمہ اللہ سے وہ جب بھی روایات کرتے ہیں تو ان کی روایات میں خلل پایا جاتا ہے، جس کی وجہ محدثین یہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے مکہ میں مُحَمَّد ابن شهاب زهري رحمہ اللہ سے تین سو (300) اَحادیث سن کر لکھیں، واپسی کے راستے میں وہ سمجھتے رہے کہ صحیفہ سامان میں موجود ہے جب کہ راستے میں تیز ہوا کے

چلنے سے وہ اوراق بکھر گئے تھے، اور جب وہ منزل پر اترے تو صحیفہ غائب تھا، جس میں سے انہیں صرف نو(9)روایات یاد تھیں۔ جب کہ امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ جب انہوں (هشيم بن بشير) نے امام زهري رحمہ اللہ سے احادیث کا صحیفہ حاصل کیا اور واپس ہوئے تو راستے میں ایک شخص سے ملاقات ہوئی جس نے امام هشيم بن بشير سے ان کے وہ اوراق دیکھنے کی فرمائش کی جو انہوں نے امام زهري رحمہ اللہ سے حاصل کئے تھے، اس وقت شدید تیز ہوا چل رہی تھی جسکی وجہ سے وہ اوراق اس آدمی کے ہاتھ سے اڑ گئے۔ اس کے نتیجے میں امام هشيم کو وہ روایات اپنے حافظے سے بیان کرنا پڑیں جو کہ زبانی یاد نہ ہونے کی وجہ سے انہیں اس میں اوہام واغلاط کا سامنا کرنا پڑا۔

تو یہ عارضی سبب تھا جو امام هشيم کی روایات پر اثر انداز ہوا اور ان کی امام زهري سے کی گئی روایات میں ضعف کا سبب بنا، اگرچہ امام هشيم ائمہ جرح و تعدیل کے نزدیک انتہائی طور سے ثقہ ہیں اور کبار ثقات میں گنے جاتے ہیں [1]۔ لیکن اس مخصوص واقعہ کی وجہ سے ان کی روایات میں خلل واقع ہوا یہاں تک کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے انہیں امام زهري رحمہ اللہ سے روایت میں کمزور بتایا، جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے حکم صادر فرمایا کہ صحیحین میں ان کی امام زهري سے کوئی روایت مروی نہیں [2]۔ مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 23:
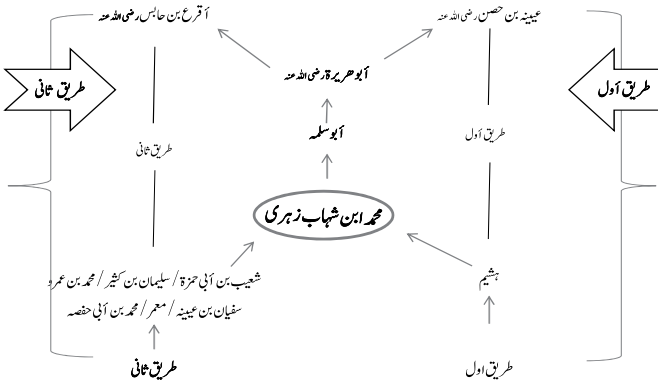
ڈایاگرام نمبر 23

[1] یہ قصہ امام خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے 14/ 87-88. اور ذہبی نے میزان الاعتدال میں 4/308-309.

[2] دیکھئے: ہدی الساری ص449-450.

مذکورہ روایت کا مدارِ سند مشہور و معروف راوی محمّد ابن شهاب زهري ہے، جب کہ امام زهري سے نقل کرنے والے ان کے کافی تعداد میں شاگرد موجود ہیں۔ جو اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اس میں مذکورہ شخصیت اور صحابي کا نام "أقرع بن حابس" رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں جیسا کہ طریق ثانی کے ڈایاگرام سے بخوبی واضح ہو رہا ہے۔ جب کہ انہی امام زهري کے دوسرے شاگرد جو کہ امام هشيم ہیں، اسی روایت کو ذکر کرتے وقت مخرجِ حدیث "عيينة بن حصن" رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں، اور امام زهري کے باقی شاگردوں کی مخالفت کرتے پائے گئے ہیں، اور اس کی وجہ وہی واقعہ ہے جو کہ امام هشيم کے ساتھ پیش آیا تھا جیسا کہ اوپر تفصیل گزر چکی، ثقات کی ایک پوری جماعت چونکہ امام زهري سے اس واقعہ کا مدار اور مخرجِ حدیث " أقرع بن حابس" رضی اللہ عنہ کو ٹھہراتی ہے، لہذا انہی کی روایت کو راجح قرار دیا جائے گا اور هشيم بن بشير کی امام زهري سے روایت، ان کے نسخہ کے گم ہونے کی وجہ سے ان کی غلطی پر محمول کی جائے گی اور اسی رائے کو شیخ شعيب الأرنؤوط نے بھی اپنی تحقیق میں اختیار کیا ہے [1]۔

معلوم ہوا کہ هشيم بن بشير کی امام زهري سے روایات میں ان کے نسخے کے ساتھ مذکورہ واقعہ ہونے کے بعد خلل واقع ہوا تھا اور اسی وجہ سے ان کی امام زهري سے کی گئی روایات اختلافِ اسانید و متون کا موجب بنتی تھیں۔

اسی طرح کا حادثہ مؤمل بن اسماعيل کے ساتھ بھی پیش آیا تھا جب ان کا ذخیرہ احادیث کہیں دفن ہو گیا تھا اس کے بعد جب وہ روایت کرتے تو اس میں انہیں وَہم کا سامنا کرنا پڑتا، جس کی وجہ سے ان کی روایات اکثر دیگر ثقات کی ذکر کردہ روایات کے خلاف ہوتیں [2]۔

---

[1] شيخ شعيب الأرنؤوط کی تحقیق کے لئے ملاحظہ ہو: مسند أحمد12/17 اور امام ابن بلبان الفارسی کی الإحسان فی تقريب صحيح ابن حبان 12/407.

[2] دیکھئے: تهذيب الكمال7/284.

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 24:
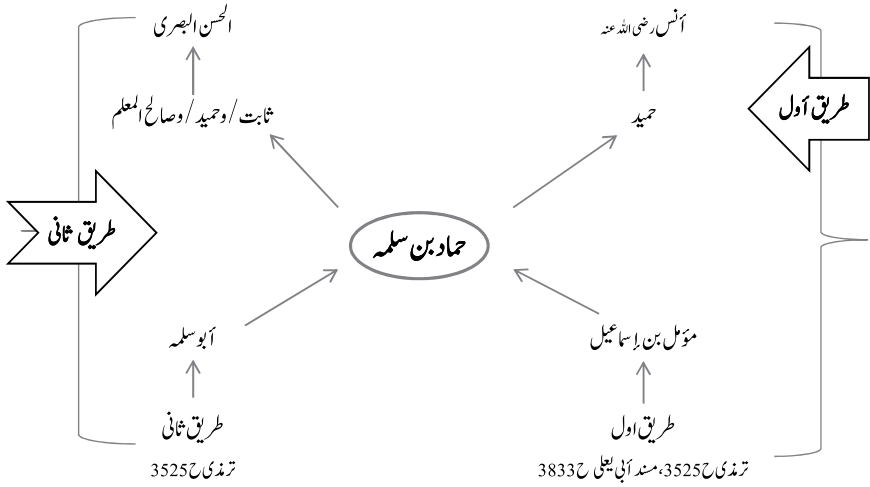
ڈایاگرام نمبر 24

اس روایت کا مدارِ سند "حماد بن سلمة" ہیں جب کہ اس سے روایت کرنے والے ان کے شاگرد مؤمل بن إسماعیل اور أبو سلمة ہیں، أبو سلمة اس روایت کو "مرسل حسن بصری" ٹھہراتے ہیں جب کہ مؤمل بن إسماعیل اسے "مسند أنس بن مالك" میں سے گردانتے ہیں۔

تحقیق سے اور علماء و محدثین کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں مؤمل بن إسماعیل سے غلطی کا صدور ہوا ہے اور صحیح سند وہی ہے جو أبو سلمة روایت کرتے ہیں جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اور امام أبو حاتم رحمہ اللہ کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے [1]، جب کہ مؤمل بن إسماعیل کے وہم اور خطا کا سبب ان کے صحیفہ کا گم ہونا بتایا جاتا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو بالترتیب: سنن ترمذی حدیث نمبر 3525، اور ابن أبی حاتم کی علل الحدیث 5/394.

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 25:
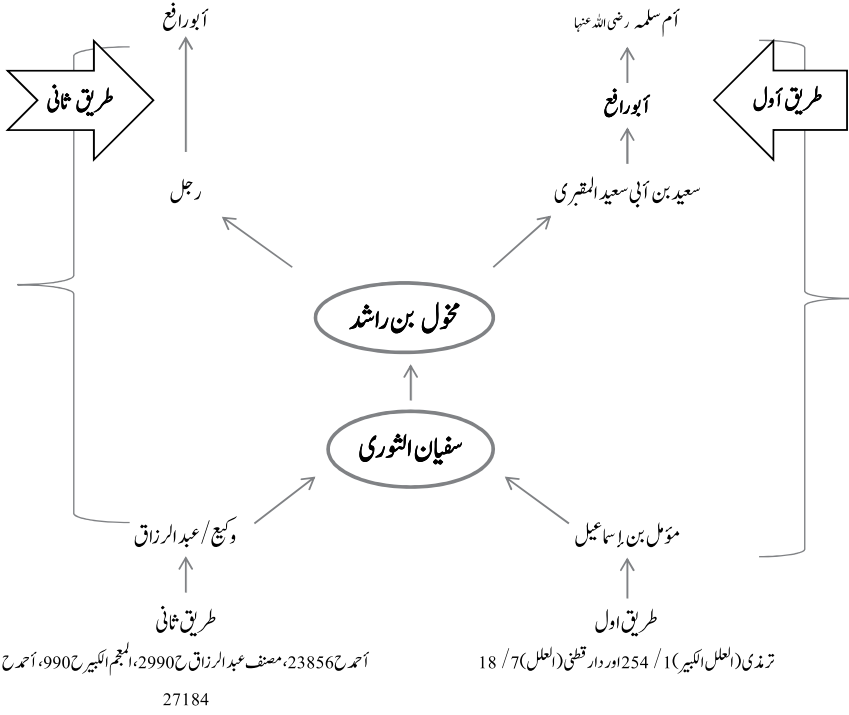
ڈایاگرام نمبر 25

اس روایت کا مدار امام سفیان ثوری رحمہ اللہ پر ہے جن سے اس کے روایت کرنے والے طریق اول میں مؤمل بن إسماعيل رحمہ اللہ ہیں جب کہ دوسرے طریق میں امام وکیع رحمہ اللہ اورعبد الرزاق بن همام الصنعاني رحمہ اللہ ہیں۔ حسبِ عادت مؤمل بن إسماعيل کو ان کی کتب کے دفن ہونے کے سبب اس روایت میں بھی وہم لاحق ہوا، اور یہی کتب کا فقدان ان کی روایت کی سند میں اختلاف کا سبب بنا۔ امام أبو حاتم رحمہ اللہ نے بھی مؤمل بن إسماعيل کی اسی غلطی کی طرف اپنی کتاب میں اشارہ فرمایا[1]۔

[1] ملاحظہ ہو: إمام ابن أبي حاتم کی علل الحديث 2/167.

نوع ثانی : اختلاط اور اس کے اسباب

محدثین کی اصطلاح میں کسی بھی راوی کی عقل میں فتور کا آجانا جس کے نتیجے میں اس کے اقوال و افعال کے منظّم و مرتب ہونے میں خلل واقع ہونا کو اختلاط سے تعبیر کیا جاتا ہے، عقل کا یہ فتور اور حافظہ کا نقصان چاہے کسی بیماری (بینائی کا چلے جانا) یا نقصان (جانی یا مالی) کے باعث ہو[1]، یا اس کے صحائف اور کتابوں کے ضائع ہونے کے سبب ہو[2]۔

لہٰذا اختلاط سے مراد ہر وہ مصیبت اور آفت ہے جسکی وجہ سے راوی کا حافظہ اور عقل متاثر ہو چاہے وہ عمر رسیدہ ہونے کے سبب ہو یا حادثاتی طور سے اس کے حافظے پر اثر انداز ہو جیسے کسی عزیز کا فوت ہو جانا یا مال و دولت کے ضائع ہو جانے سے عقل کا زائل ہونا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاط کے دو اسباب ہو سکتے ہیں:

أ. بدنی بیماری کی صورت میں حافظہ کا کمزور ہونا

ب. کتب کے ضائع ہونے کی صورت میں اختلاط کا آنا اور ضبط کا کمزور ہونا

اول الذکر سبب کی پھر دو صورتیں ممکن ہیں:

- **بینائی کے چلے جانے سے حافظہ پر اثر ہونا**
- **عقل کے زائل ہونے سے حافظہ پر اثر ہونا**

[1] دیکھئے: امام ذہبی کی میزان الاعتدال 2/574.

[2] دیکھئے: امام سخاوی کی "فتح المغيث بشرح ألفية الحديث للعراقی" 3/277.

یہاں ہم ترتیب وار ان اسباب سے بحث کریں گے:

أ. بدنی بیماری کی صورت میں حافظہ کا کمزور ہونا

جس کے تحت پہلی قسم "بینائی کے زائل ہو جانے سے حافظہ پر اثر ہونا" داخل ہے۔

جیسا کہ یہ بات علمِ حدیث کے طالب علم سے ڈھکی چھپی نہیں کہ حفظ و ضبط، صحتِ حدیث کی بنیادی اہم شرائط میں سے ہے۔ جب کہ ضبط سے مراد یہ ہے کہ راوی جو چیز بیان کر رہا ہے اس کے بارے میں مکمل ہوش و حواس رکھتا ہو یعنی:

1: اگر زبانی روایت کر رہا ہے تو اس روایت کو مکمل یاد رکھنے والا ہو۔

2: اور اگر کتاب سے بیان کر رہا ہے تو کتاب پر مکمل درک رکھتا ہو اور اس پر کامل عبور ہو۔

تاکہ جس چیز کو روایت کر رہا ہے اس کو بعینہ ادا کرنے کی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھا سکے۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے اگر روایت کے بیان کا تعلق کتاب سے ہو تو لا محالہ اس کے لئے راوی کا بینا ہونا اظہر من الشمس ہے تاکہ لکھے ہوئے کو بآسانی پڑھ سکے اور اسے آگے اسی طریقے سے نقل کر سکے۔ لہٰذا بینائی کا ہونا ضبط کے لئے اور روایت کو محفوظ رکھنے کے لئے انتہائی اہم ہے۔ تو جب بصارت زائل ہو گی تو اسکا اثر یقینی طور سے حافظہ پر ہو گا جو کہ آگے چل کر محدثین کے مطابق روایات میں وَہَم کا سبب ہو گا جس کا لازمی نتیجہ روایات کے مابین اختلاف کی صورت پر منتج ہو گا۔

ایسے لوگ جن کی بینائی کے چلے جانے کی وجہ سے ان کے حافظہ پر اثر پڑا ان میں مشہور نام "عبد الرزاق بن همام الصنعانی رحمہ اللہ" کا ہے۔ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "آخری عمر میں بینائی کے چلے جانے کی وجہ سے ان کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا"[1]۔ ایسے ہی اقوال "علی بن مسهر" کے بارے میں بھی ائمہ سے منقول ہیں[2]، مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 26:

[1] دیکھئے: تقریب التهذیب ترجمہ نمبر 4074.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تهذیب التهذیب 7/384.
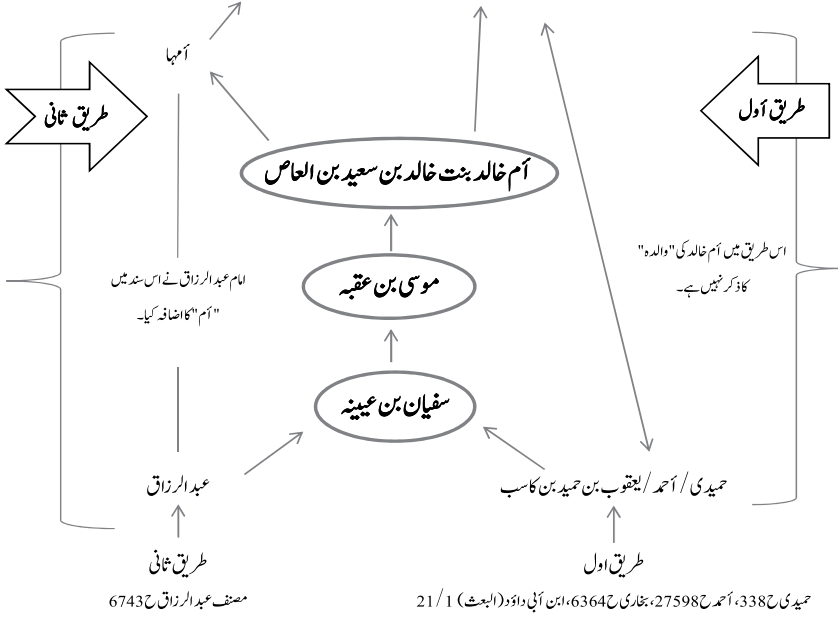
ڈایاگرام نمبر 26

کتبِ حدیثیہ میں سے اس روایت کے تمام طرق کا تتبع کرنے سے معلوم ہوا کہ مدارِ سند امام "سفیان بن عیینة" رحمہ اللہ ہیں۔ جب کہ ان سے روایت کرتے ہوئے "امام حمیدی، امام أحمد ویعقوب بن حمید" اس روایت کو مسند أم خالد میں سے ٹھہراتے ہیں جب کہ امام سفیان بن عیینة کے دوسرے شاگرد "عبد الرزاق بن همام الصنعاني" رحمہ اللہ نے اس سند میں تفرد اختیار کرتے ہوئے أم خالد کی والدہ کا اضافہ کیا اور مذکورہ روایت کو "أم خالد کی والدہ" کی مسند میں شمار کیا جو کہ واضح طور سے ان کے وَہم پر دلالت کر رہا ہے جو انکو بینائی کے زائل ہو جانے کے بعد لاحق ہوا، اسی وجہ سے امام بخاری نے یہ حدیث روایت کرتے ہوئے امام عبد الرزاق بن همام کی روایت سے اجتناب فرمایا، اور دیگر ائمہ کی روایت کو اپنی صحیح کے لئے منتخب فرمایا، جیسا کہ ڈایاگرام میں طریق اول کی تخریج سے واضح ہے، جب کہ شیخ شعیب أرنؤوط نے بھی اپنی تحقیق میں صراحتاً امام عبد الرزاق کی روایت کو انکا وَہم قرار دیا ہے[1]۔

[1] دیکھئے: مسند أحمد 44/612.
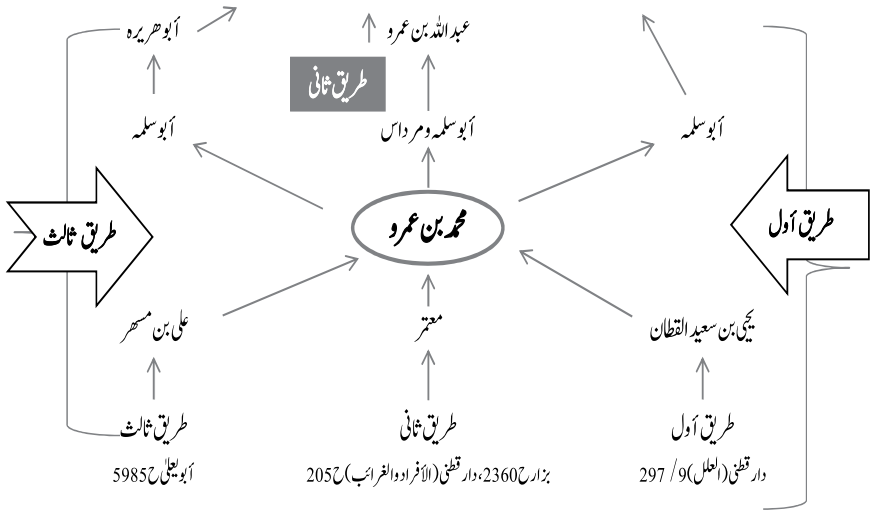
ڈایاگرام نمبر27

دیگر کتب حدیثیہ کا استقصاء کرنے سے معلوم ہوا کہ یہی امام عبد الرزاق، سفیان بن عیینۃ سے اسی روایت کو طریق اول کے ائمہ کی متابعت کرتے ہوئے أم خالد سے روایت کرتے ہیں اور ان کی والدہ کا ذکر سند میں نہیں فرماتے [1]۔

لہٰذا مثال سے واضح ہوا کہ بینائی کے چلے جانے کی وجہ سے انکو وَہَم لاحق ہوا تھا جو کہ متون وأسانید میں اختلاف کا موجب ہے۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر27:

حدیثِ مذکور میں مُحَمَّد بن عمرو مدارِ سند ہیں جب کہ ان سے روایت کرنے والے ان کے تین

[1] مذکورہ سند کے لئے ملاحظہ ہو امام طبرانی کی المعجم الکبیر 25/ 94.

شاگردوں میں سے ایک علی بن مسهر ہیں، جیساکہ ڈایاگرام میں طریق ثالث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، اور وہ اس روایت کو أبوهريرة رضی اللہ عنہ سے مرفوع ذکر کرتے ہیں۔ معتمر (طریق ثانی میں) بھی اگرچہ مرفوع ذکر کرتے ہیں لیکن وہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مرفوع لاتے ہیں۔ جب کہ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ (طریق اول) ان کی مخالفت کرتے ہوئے روایت کو أبو سلمة بن عبد الرحمٰن سے مرسل ذکر کرتے ہیں۔ اور اسی سند کو ائمہ حدیث صحیح قرار دیتے ہیں جیساکہ امام أبو حاتم رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ اسی طرف اشارہ کرتے پائے گئے ہیں [1]۔ اور علی بن مسهر کی روایت کو ان کا وہم شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ بینائی کے جانے کے بعد ان کی روایات میں غرائب در آئی تھیں [2]۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 28:

ڈایاگرام نمبر 28

---
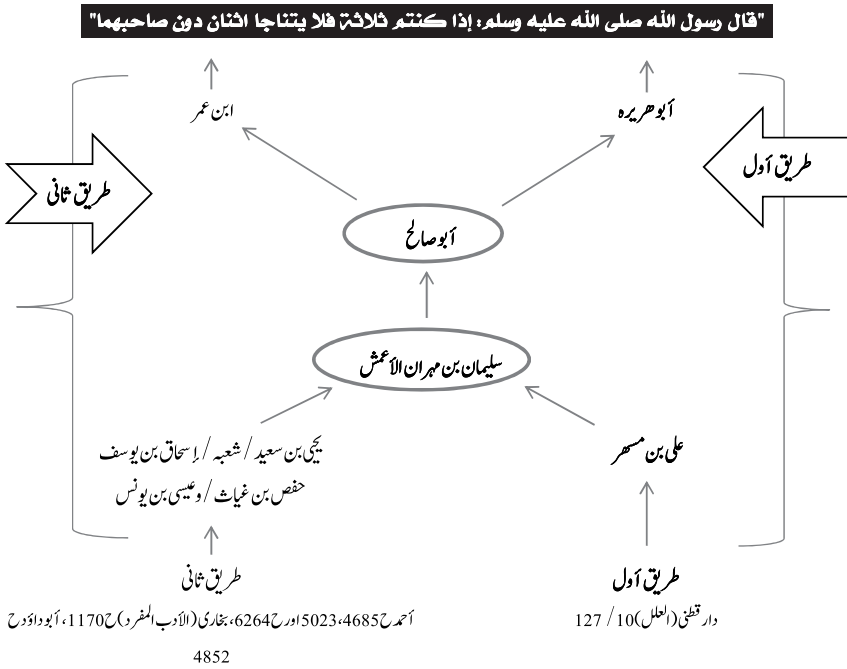
[1] دیکھئے: علل الحديث 2/212، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 9/297.

[2] تقريب التهذيب ص: 405.

مذکورہ روایت کا مدارِ سند إمام سلیمان بن مهران الأعمش ہیں جن سے روایت کرنے والے طریق اول میں علی بن مسهر ہیں جو اس روایت کو مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں سے ذکر کرتے ہیں، جب کہ ان کی مخالفت میں ثقات علماء کی ایک جماعت اس روایت کو مسند ابن عمر رضی اللہ عنہما میں سے ٹھہراتے ہیں، جیسا کہ طریق ثانی سے واضح ہے اور یہی طریق صحیح وراجح ہے۔ جب کہ علی بن مسهر کی سند کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے صراحتًا ان کا وہم قرار دیا، جو کہ سند میں اختلاف کا موجب بنا[1]۔

بدنی بیماری کی صورت میں حافظہ کے کمزور ہونے کے تحت دوسری قسم **"عقل کے زائل ہونے سے حافظہ پر اثر ہونا"** داخل ہے،

کسی بھی حادثہ کے نتیجے میں، چاہے وہ کسی عزیز و اقارب کی فوتگی کی شکل میں ہو یا کسی مالی نقصان کی شکل میں، جب راوی کی عقل کام کرنا چھوڑ دے تو اس سے بھی احادیث کے متون و اسانید میں اختلاف واقع ہو سکتا ہے۔ جیسے عبد الرحمٰن بن عبد الله المسعودي رحمہ اللہ کہ جب انہیں بیٹے کی وفات کی خبر کے ساتھ مال کے نقصان کی اطلاع ملی تو ان کے حافظہ میں خلل واقع ہو گیا[2]۔

پس اختلاط کی اس قسم کی وجہ سے اکثر اوقات احادیثِ نبویہ کے روایت کرنے میں رجال حدیث سے وَہَم اور غلطی کا صدور ہو جاتا ہے جو کہ آگے چل کر راویوں کے مابین سند یا متن میں اختلاف کا موجب بنتا ہے۔ تاہم اس مختلَط راوی کی روایت دوسرے ثقہ رواۃ کی روایت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، کیونکہ وہ خود ضعیف ہوتی ہے۔ اِلّا یہ کہ اسکی یہ روایت اختلاط کے طاری ہونے سے پہلے کے زمانے کی ہو۔

اختلاط کی معرفت بھی کوئی آسان اور سہل طریقہ نہیں ہے بلکہ اسکے لئے محدثین عظام نے اپنی زندگیاں صَرف کیں اور مختلف طرق اختیار کئے تاکہ کسی بھی راوی کے اختلاط کے بارے میں حتمی رائے

[1] العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 10/127.

[2] اِمام بخاری کی "التاریخ الکبیر" 5/314، تاریخ بغداد 10/218، اور میزان الاعتدال 2/574.

قائم کی جاسکے، اگر اس کے اختلاط کے بارے میں یقینی معلومات حاصل ہوجائیں تو پھر اس بات کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے کہ اِس راوی کی کون سی روایات اختلاط کے زمانے سے پہلے کی ہیں اور کونسی بعد کے زمانے سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی اختلاط کو معلوم کرنے کے لئے مروان بن الحکم نے حضرت أبوهريرة رضی اللہ عنہ کا امتحان لیا اور ان کی روایت شدہ احادیث کا ان ہی کی بیان کی گئی روایات کے ساتھ موازنہ کیا تاکہ ان کے حافظہ کی قوت معلوم ہوسکے اور اختلاط کے وقوع کو جانچا جاسکے [1]۔ ایسے ہی متعدّد طرق کو استعمال کرتے ہوئے محدثین عظام کسی بھی راوی کے بارے میں اختلاط کی معرفت حاصل کیا کرتے تھے [2]۔

باوجود ان تمام مساعی اور دقتِ نظر کے، چونکہ اختلاط ایک عقلی آفت ہے جوکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بڑھتی جاتی ہے، لہٰذا محدثین حتمی طور سے کسی بھی راوی کے اختلاط کی ابتداء کے بارے میں کسی قسم کا اظہار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ اختلاط کے وقوع اور ظہور کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس کے دوران اس مذکورہ راوی سے روایات نقل ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ آگے چل کر اس کا اختلاط واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے، اور اسی دورانیہ میں احادیث میں اختلافِ اسانید و متون کا دخول ممکن ہوتا ہے۔ الغرض مختلَط رواۃ کی کافی طویل مباحث ہیں جوکہ ائمہ حدیث نے اپنی اپنی کتب میں نقل کی ہیں [3]۔

بلکہ محدثین نے اس فن کی اہمیت کے پیش نظر مختلطین رواۃ پر مستقل تصانیف لکھیں جیسے صلاح الدين العلائی الكيكلدی رحمہ اللہ کی "المختلطين"، برهان الدين أبو الوفاء إبراهيم رحمہ اللہ کی "الاغتباط بمن رمي من الرواة بالاختلاط"، اور أبو البركات ابن الكيال رحمہ اللہ کی "الكواكب

[1] امام حاکم نے اس قصہ کو تفصیل کے ساتھ اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو: 3/510-511.

[2] تفصیل کے لئے "المحدث الفاصل بين الراوي والواعي": 398-400.

[3] معرفة أنواع علوم الحديث ص: 354، امام نووی کی إرشاد طلاب الحقائق إلى معرفة سنن خير الخلائق 2/788، ابن کثیر کی اختصار علوم الحديث ص: 244، امام سخاوی کی فتح المغيث 3/277، امام سیوطی کی "تدريب الراوی فی شرح تقريب النواوی" 2/372، امام عزالدین کی "توضيح الأفكار لمعانی تنقيح الأنظار" 2/502.

النيرات في معرفة من الرواة الثقات"کافی مشہور ہیں، اختلاط کی اس قسم کی مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 29:

ڈایاگرام نمبر 29
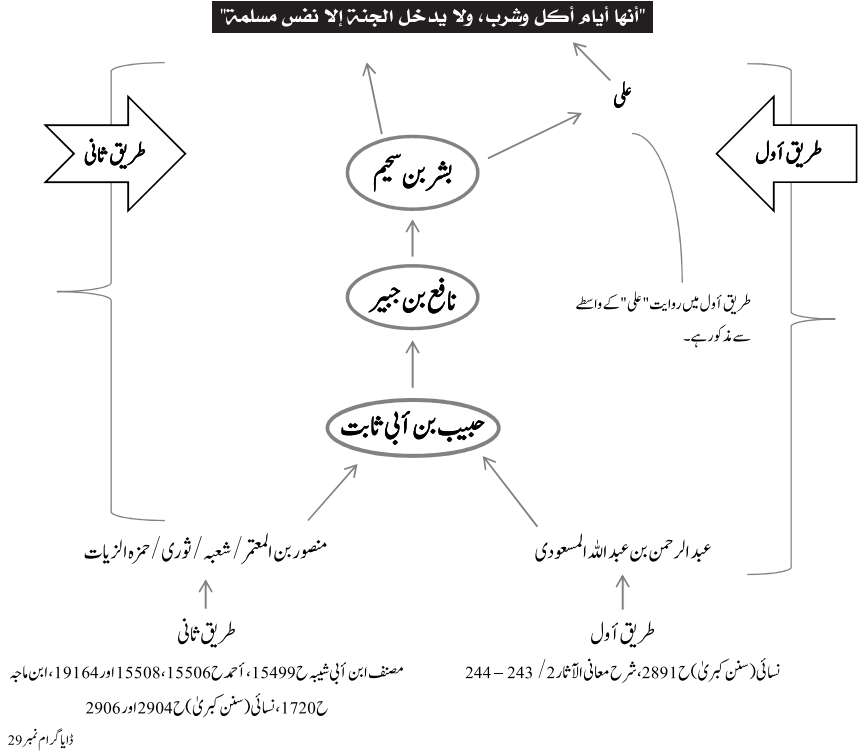
روایت میں مدارِ سند حبیب بن أبي ثابت ہیں جب کہ ان کے تلامذہ میں سے کبار ائمہ کرام اس روایت کو حبیب بن أبي ثابت سے مرسل روایت کر رہے ہیں جیسا کہ ڈایاگرام میں طریق ثانی سے واضح ہو رہا ہے جب کہ طریق اول میں اسی مدارِ سند" حبیب بن أبي ثابت"کے دوسرے شاگرد عبد الرحمٰن المسعودی ثقات کی مخالفت کرتے ہوئے اسے علی رضی اللہ عنہ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں۔ کتب رجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق اول میں مدارِ سند" حبیب بن أبي ثابت"کے شاگرد عبد الرحمٰن المسعودی محدثین کے نزدیک مختلط راوی ہیں[1]، کہ جب انہیں بیٹے کی وفات کی خبر کے

[1] دیکھئے: تهذيب التهذيب 6/210.

ساتھ مال کے نقصان کی اطلاع ملی توان کے حافظہ میں خلل واقع ہو گیا[1]، جو کہ آگے چل کر اختلاط کا باعث بنااور اسی اختلاط کے باعث ان کی روایات میں دیگر رواۃ کی مخالفت پائی جاتی ہے اور وہ اسانید و متون کے ذکر کرنے میں غلطی کرتے پائے جاتے ہیں یہاں بھی اسی سبب کی بدولت ان کو وَہم لاحق ہوا اور انہوں نے روایت بالواسطہ ذکر کردی، جب کہ حقیقت حال اس کے برعکس ہے۔اسی رائے کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی صائب قرار دیا ہے[2]۔مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر30:

" قال النبي صلى الله عليه وسلم: إن الله تجاوز لأمتي عما حدثت به أنفسها، مالم تكلم به، أو تعمل به "
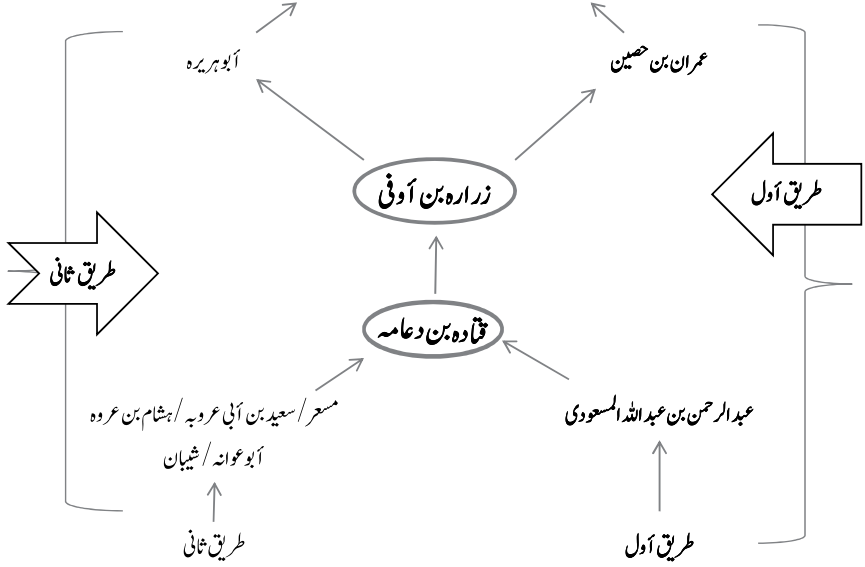
حمیدی ح1207، مصنف ابن أبی شیبہ ح18366، أحمد ح7464، ح9097، ح9494، ح10140، ح10243، ح10368، بخاری ح2528، ح5269، ح6664، مسلم ح246، اور 247، ح248، ابن ماجہ ح2040 اور 2044، أبو داؤد ح2209، ترمذی ح1183، نسائی 6/ 156، أبو یعلیٰ ح6389

الکامل فی ضعفاء الرجال 3/ 37

ڈایاگرام نمبر30

روایت کی تخریج اور تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ثقات کی ایک جماعت اس روایت کو قتادۃ بن

[1] اِمام بخاری کی "التاریخ الکبیر" 5/314، تاریخ بغداد 10/218، اور میزان الاعتدال 2/574.

[2] العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 3/133.

دعامہ رحمہ اللہ سے نقل کرتی ہے جو کہ اس روایت میں مدارِ سند ہیں، جیسا کہ نقشہ میں طریق ثانی کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے، اور اس روایت کو مسندِ أبوھریرۃ رضی اللہ عنہ میں سے قرار دیتے ہیں، جب کہ ان کی مخالفت میں عبد الرحمٰن بن عبد اللہ المسعودی اس روایت کا مخرجِ حدیث عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کو ٹھہراتے ہیں۔ مسعودی چونکہ روایات میں مختلَط واقع ہوئے ہیں جیسا کہ ابھی تفصیل گزر چکی اور حافظہ میں تغیر کی وجہ سے اکثر اوقات وہ ثقات کی مخالفت کر جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس سند میں بھی وہ غلطی کر گئے ہیں اور أبوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کو عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے تبدیل کر دیا۔ جو لازمی طور پر ان کے تغیّرِ حفظ اور وَہَم کا نتیجہ ہے۔ دیگر ائمہ محدثین جیسے امام أبو حاتم، دارقطنی اور امام بزار نے بھی مسعودی کی روایت کو ان کے اختلاط کی وجہ سے ان کی غلطی پر محمول کیا ہے [1]۔ جب کہ شیخین کے صنیع سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی ثقات کی روایت ہی کو معتبر مانا ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 31:

ڈایاگرام نمبر 31

[1] علل الحديث 4/124، العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 8/314، مسند بزار 17/31.
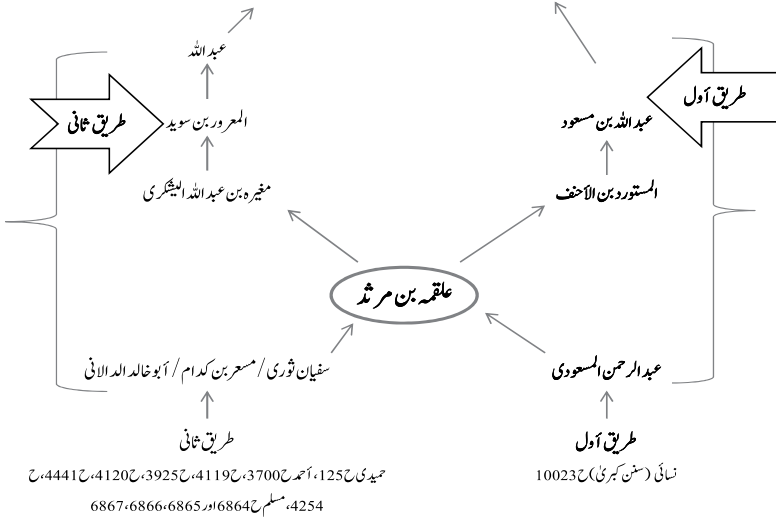
اس روایت میں مدارِ سند "علقمه بن مرثد" ہیں جن سے یہ روایت ان کے شاگرد سفیان ثوری، مسعر بن كدام اور أبو خالد، نقل کرتے ہوئے علقمه بن مرثد کے استاذ مغيرة بن عبد الله اور وہ المعرور بن سوید سے نقل فرماتے ہیں، جیسا کہ طریق ثانی سے بخوبی واضح ہے، جب کہ طریق اول کو دیکھا جائے تو عبد الرحمٰن المسعودی حسبِ عادت غلطی کا مرتکب ہوتے ہوئے اسے المستورد بن الأحنف کے واسطے سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے نقل فرماتے ہیں، لہٰذا ثقات کی ایک جماعت چونکہ مسعودی کی مخالفت کر رہی ہے اس وجہ سے اس بات میں کسی قسم کا کوئی ابہام نہیں رہ جاتا کہ اُن سے اس روایت کے نقل کرنے میں ان کے اختلاط کی وجہ سے غلطی لاحق ہوئی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام مسلم نے بھی ان سے یہ روایت لینے میں احتیاط کرتے ہوئے اجتناب فرمایا اور اپنی صحیح میں طریق ثانی کو ذکر کیا، جب کہ امام دارقطنی بھی اسے صراحتًا عبد الرحمٰن المسعودی کا وہم قرار دیتے ہیں [1]۔

ان اُوہام کا موجب ان کے بیٹے کی وفات تھی جس کی اطلاع ملنے کے بعد ان کے حافظہ میں تغیر واقع ہو گیا تھا اور انہیں روایاتِ حدیث میں اوہام لاحق ہوتے تھے، اور وہی آگے چل کر سند میں اختلاف کا موجب ٹھہرے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 32:

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 5/276.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم "إذا زوج الوليان، فهو للأول"،
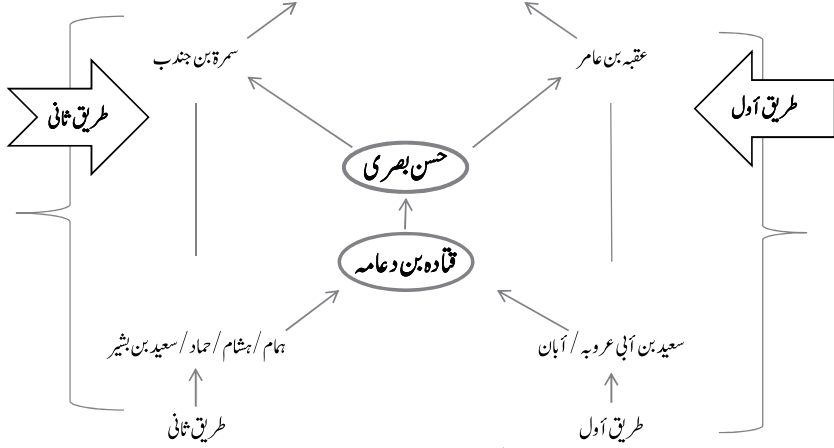
مسند شافعی ص:290-291، مصنف ابن أبی شیبہ ح15987، المعجم الکبیر ح959، مصنف عبد الرزاق ح10629، بیہقی (سنن کبریٰ)7/ 140، دارمی ح2239، ابن ماجہ ح2190، أحمد20085، ترمذی ح1110، مستدرکِ حاکم2/ 175

أحمد ح20090اور20121، ح20116، 20141، 20206، 20208، ح 20208اور20263، أبو داؤد ح2088، ابن ماجہ ح2344، ح2191، المعجم الکبیر ح6841۔ ح6839، ح6840، ح6843، مستدرکِ حاکم2/ 35و174، 2/ 135۔ بیہقی (سنن)7/ 141، دارمی ح2240، أبو نعیم (حلیہ الأولیاء)6/ 191

ڈایاگرام نمبر32

مذکورہ سند میں امام "قتادة بن دعامة" **مدارِ حدیث ہیں جب کہ ان سے روایت کرنے والے طریق اول میں** سعيد بن أبى عروبة **ہیں جب کہ طریق ثانی میں ثقات کی ایک جماعت ہے جو کہ ھشام، ھمام، حماد اور سعید بن بشیر پر مشتمل ہے۔ کتبِ رجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ** سعيد بن أبى عروبة **جو کہ مختلط راوی ہیں، انہوں نے اپنے اختلاط کی بناء پر دیگر راویوں کی مخالفت کی ہے**[1]**، اور اسی سبب سے ان کو روایات میں اوہام لاحق ہوتے تھے، چنانچہ انہوں نے سند میں** عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ **کو ذکر کیا جب کہ ان کی مخالفت کرنے والی جماعت نے مذکورہ روایت کو مسندِ** سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ **سے ٹھہرایا۔ ثابت ہوا کہ** سعيد بن أبي عروبة **کی روایت مرجوح ہے اگرچہ** أبان بن سعيد **نے اس سند کے نقل کرنے میں ان کی متابعت بھی کی ہے۔ لیکن یہ متابعت محدثین کے نزدیک غیر مقبول ہے، یہی وجہ ہے کہ امام** بيهقي رحمہ اللہ **نے اپنی سنن میں اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد امام** سعيد بن

---

[1] دیکھئے: تهذيب التهذيب 4/64.

أبي عروبة کے شک کی طرف بھی اشارہ کیا اور صراحتًا ان کی روایت کو مرجوح ٹھہراتے ہوئے سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح کہا[1]۔ جب کہ امام أبو زرعة اور أبو حاتم نے بھی اس روایت کو سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے صحیح گردانتے ہوئے ثقات کی جماعت کی روایت جو کہ سعید بن أبي عروبة کی مخالفت پر مبنی ہے، کو راجح قرار دیا ہے[2]۔

معلوم ہوا کہ سعید بن أبي عروبة کو جو اختلاط کی وجہ سے حافظہ میں تغیر لاحق ہوا تھا اس کی وجہ سے انہیں اسانید و متون میں اوہام پیش آتے تھے جو کہ اختلافِ اَسانید و متون پر منتج ہوتے۔ گذشتہ مثال اس پر واضح دلالت کر رہی ہے۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو مثال ڈایاگرام نمبر 33:
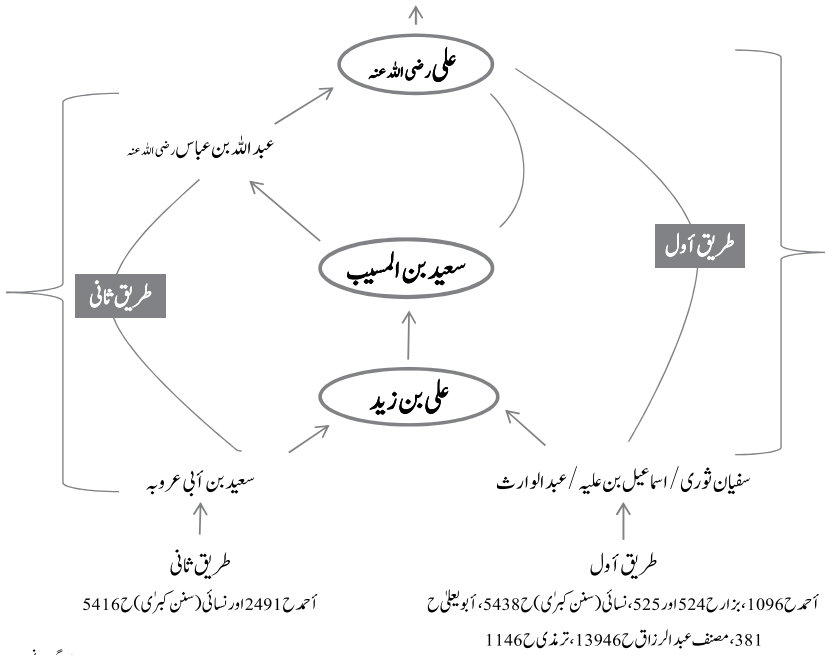
[1] اِمام بیہقی کی السنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب إنکاح الولیین 7/227 حدیث نمبر 13805.

[2] اِمام ابن اَبی حاتم کی علل الحدیث 4/9.

مذکورہ روایت کا مدار "علی بن زید" پر ہے، جب کہ ان سے یہ روایت کرتے ہوئے ان کے شاگرد سعید بن أبي عروبة،عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اضافہ فرماتے ہیں جیسا کہ طریق ثانی سے واضح ہے، لیکن یہی حدیث انہی راوی "علی بن زید" سے روایت کرتے ہوئے ثقات کی ایک جماعت جن میں امام ثوری، اسماعیل بن علیۃ اور عبدالوارث شامل ہیں، انہوں نے براہ راست سعید بن المسیب کے واسطے سے علی رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی ہے، اور درمیان میں کہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر نہیں کیا، کتب علل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی طریق اول ہی راجح ہے، جب کہ سعید بن أبی عروبة کو حسبِ عادت اس روایت میں اختلاط کی بناء پر وَہم لاحق ہوا اور انہوں نے راوی کا اضافہ کر دیا۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب میں اس روایت کا تذکرہ کرتے ہوئے ثوری رحمہ اللہ اور ان کے متابعین کی روایت کو صحیح قرار دیا[1]۔

ب. کتب کے ضائع ہونے کی صورت میں اختلاط کا آنا اور ضبط کا کمزور ہونا

اوپر گزر چکا کہ اختلاط کے دو بڑے اسباب ہیں جن میں سے اب تک پہلے سبب سے بحث ہوتی رہی اور تفصیل سے اسے بیان کیا جا چکا۔

ان اسباب میں سے دوسرا سبب "کتب کا ضائع ہونا" ہے جس کی وجہ سے کسی بھی راوی کے ضبط میں نقصان پیدا ہو سکتا ہے، جیسا کہ پیچھے گزر چکا کہ ضبط کی دو اقسام میں سے ایک ضبطِ کتاب ہے، لہٰذا راوی جس کے پاس اپنا صحیفہ موجود ہو وہ مکمل طور سے اپنے صحیفہ پر اعتماد کرتا ہے، لیکن جب کبھی بھی کسی راوی کا ذاتی صحیفہ گم ہو جائے یا کسی بھی حادثہ کے پیش آنے کے سبب وہ مفقود ہو جائے تو چونکہ راوی کے ذہن میں اس صحیفہ سے متعلق کچھ نہ کچھ باقیات موجود ہوتی ہیں لہٰذا وہ اپنی یادداشت پر اعتماد کرتے ہوئے حدیث کی روایت کرتا ہے جس میں اسے وَہم لاحق ہونے کا احتمال یقینی ہوتا ہے جس کی وجہ سے متون و اسانید میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے۔ ان صفات کے حامل رواۃ میں سے مشہور راوی عبد اللہ

[1] العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 3/220.

بن لهيعة، أبو عبد الرحمان الحضرمی اورابن الملقن وغیرہ شامل ہیں[1]،وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوڈایا گرام نمبر34:
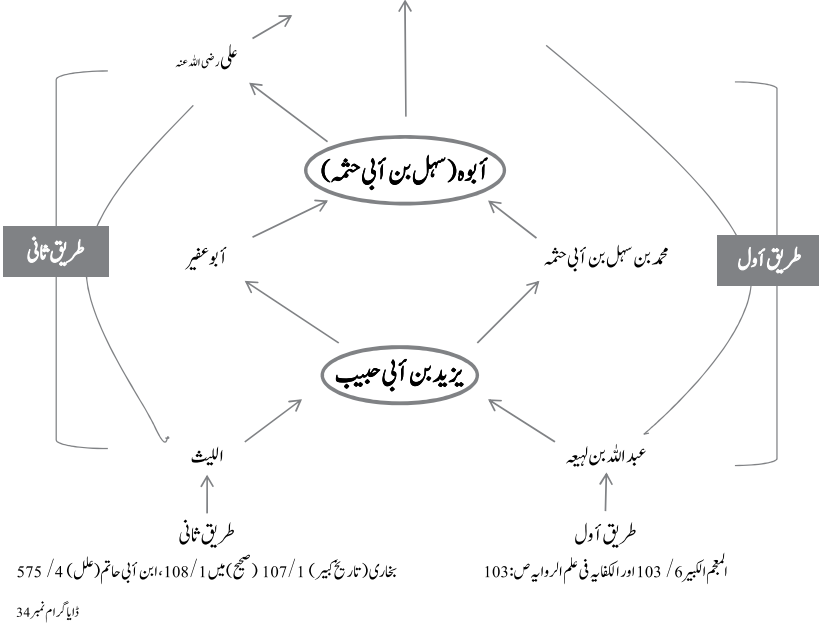
جیساکہ ڈایاگرام سے واضح ہوتا ہے کہ مدارِ سندیزید بن أبي حبیب ہیں اور ان سے روایت کرنے والے طریق اول میں عبد الله بن لهيعة ہیں جب کہ طریق ثانی میں امام لیث بن سعد ہیں، عبد الله بن لهيعة کے بارے میں معروف ہے کہ انہیں اپنی کتب کے راکھ ہوجانے کے باعث اختلاط ہونے کی وجہ سے روایات میں وَہم لاحق ہوگیا تھا[2]۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ روایت میں انہوں نے ثقہ راوی کی مخالفت کی ہے اور روایت میں غلطی کرتے پائے گئے ہیں، جوکہ سند میں اختلاف کا موجب بنا۔ جب کہ محدثین نے بھی امام لیث بن سعد رحمہ اللہ کی روایت کوراجح قرار دیتے ہوئے عبد الله بن لهيعة کے وَہم کی

[1] دیکھئے: إمام ابن سعد کی الطبقات الكبرى 7/516و517اور الأعلام 5/57. مزید ملاحظہ ہو: تهذيب الكمال 4/254.
[2] دیکھئے: تهذيب الكمال 15/493.

طرف اشارہ کیا ہے[1]، جو کہ یقیناً ان کے اختلاط کی بناء پر تھا۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 35:
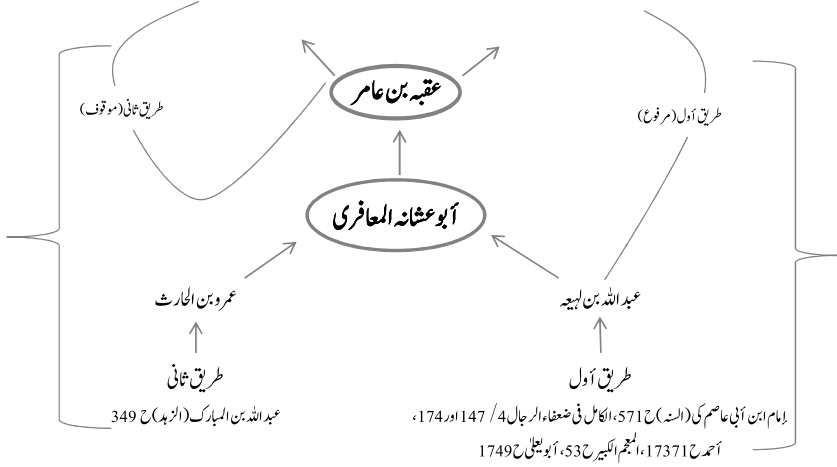
ڈایاگرام نمبر 35

مذکورہ بالا روایت میں عبد الله بن لهيعة کا وہم سند میں صراحتًا نظر آرہا ہے، صورت اس وہم کی یہ ہے کہ ابن لهيعة اس روایت کو مدارِ سند "أبو عشانة المعافري" سے مرفوع نقل فرماتے ہیں جیسا کہ طریق اول سے واضح ہے، جب کہ یہی روایت طریق ثانی میں عمرو بن الحارث انہی أبو عشانة المعافري سے موقوف نقل فرماتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن لهيعه کو روایت کے مرفوع ذکر کرنے میں اپنے اختلاط کی وجہ سے وہم لاحق ہوا اور عقبه بن عامر رضی اللہ عنہ کے قول کو انہوں نے مرفوع نقل کر دیا، جو کہ سند میں اختلاف کا موجب بنا۔ جب کہ اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے بھی موقوف روایت کو صحیح ٹھہرایا ہے[2]، اور امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بھی ابن لهيعه کی روایت ذکر کرنے کے بعد اسکے تفرد کی طرف اشارہ فرمایا[3]۔ مزید

[1] ملاحظہ ہو: علل الحدیث 4/575.

[2] علل الحدیث 5/108.

[3] دیکھئے: اِمام ابن عدی کی الكامل في ضعفاء الرجال 4/147.

وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 36:
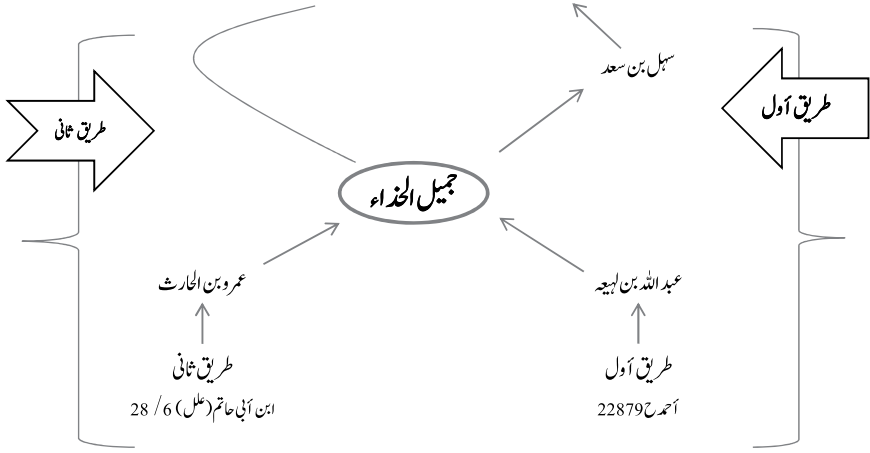
ڈایاگرام نمبر 36

مذکورہ بالا روایت میں بھی ابن لهيعة نے عمرو بن الحارث کی مخالفت کرتے ہوئے مدار سند "جميل الحذاء" رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کو سند میں نقل فرمایا جیسا کہ طریق اول میں نظر آرہا ہے، اور ابن لهيعة کی مخالفت کی بنیادی وجہ ان کا اختلاط میں مبتلا ہونا ہے، جب کہ مذکورہ روایت عمرو بن الحارث اسی مدار سند "جميل الحذاء" سے بغیر کسی واسطہ کے نقل فرماتے ہیں اور وہی صحیح ہے، جیسا کہ أبو حاتم رحمہ اللہ کا قول اس پر صراحتًا دلالت کر رہا ہے [1]۔

[1] علل الحدیث 6/558.

اگلی مثال کے لئے ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر37:
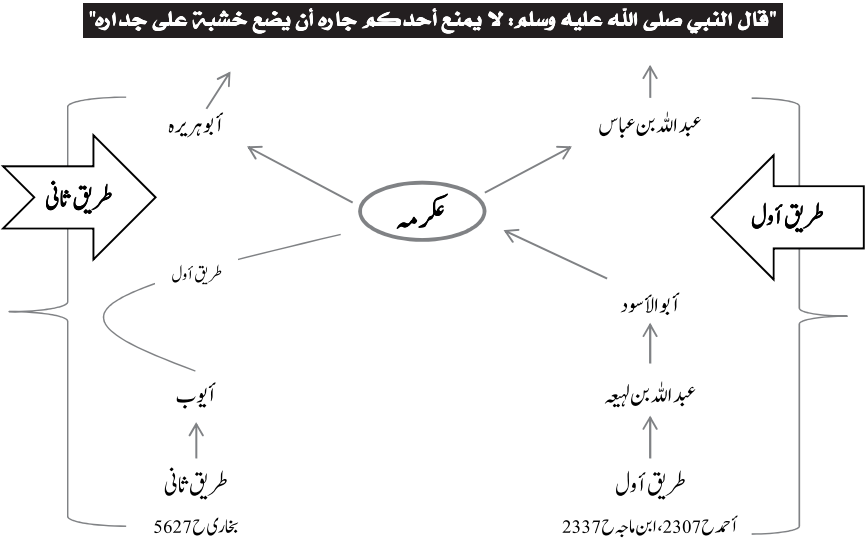
ڈایاگرام نمبر37

پچھلی روایت کی طرح اس روایت میں بھی ابن لهيعة کو غلطی لاحق ہوئی اور اختلاط کی وجہ سے ان کی روایت میں محدثین کو سند میں اختلاف کا سامنا کرنا پڑا، جب کہ یہی روایت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں أيوب السختياني رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کی ہے اور اسے مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ سے ٹھہرایا، جب کہ ابن لهيعه نے طریق جادۃ کو دیکھتے ہوئے عکرمۃ کا استاد عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما کو ٹھہرایا جو کہ صراحتاً غلطی ہے۔ امام ابن أبی حاتم رحمہ اللہ نے بھی أيوب السختياني رحمہ اللہ کی روایت کو أصح قرار دیا ہے[1]۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر38:

[1] علل الحدیث 6/79.

"قال النبي صلى الله عليه وسلم: تكون فتنة القائم فيها خير من الماشي، والقاعد خير من القائم"
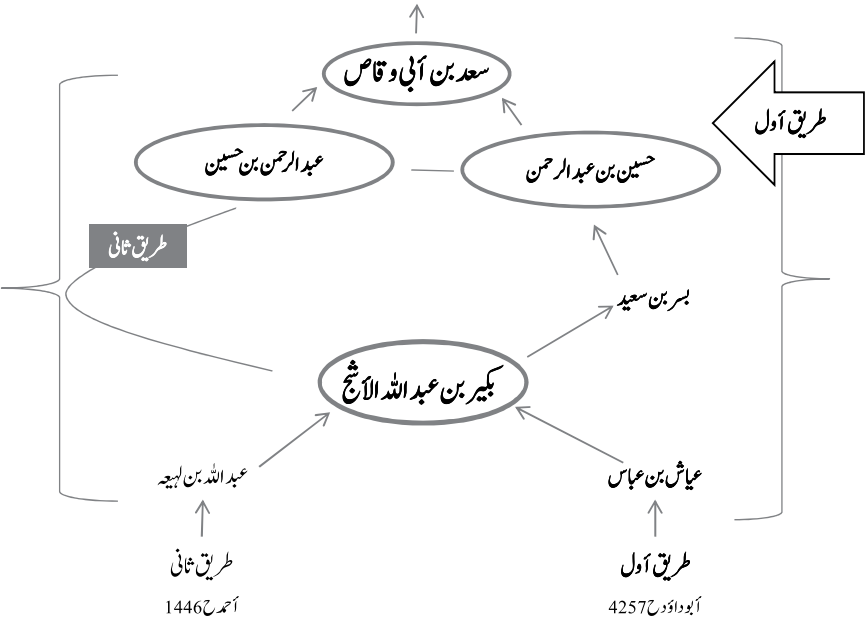
ڈایاگرام نمبر38

مذکورہ روایت میں بھی حسبِ عادت عبد الله بن لهيعة نے روایت کرتے ہوئے اپنے اختلاط کے سبب غلطی کا ارتکاب کیا، اور مدارِ سند "بکیر بن عبد الله الأشج" سے روایت کرتے ہوئے بسر بن سعید کو ذکر نہیں کیا، جیساکہ طریق ثانی سے واضح ہے، جب کہ اسی مدارِ سند کے دوسرے شاگرد عیاش بن عباس نے بسر بن سعید کا صراحت کے ساتھ سند میں ذکر فرمایا، جوکہ تمام طرق میں سے صحیح ترین ہے، اور اسے ہی امام دارقطني رحمہ اللہ نے صحیح ٹھہرایا[1]، اور عبد الله بن لهيعة کا اختلاط ان کی ذکر کردہ روایت کی سند میں اختلاف کا سبب بنا۔

[1] العلل الواردة فی الأحادیث النبوية4/384.

نوع ثالث : راوی یا شیخ کے مخصوص أحوال کی وجہ سے ضبط میں نقصان

جیسا کہ اب تک کی تفاصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ راوی کا حفظ و ضبط میں اتقان صحتِ احادیث کی بنیادی شرائط میں سے ہے، لیکن بعض راوی اگرچہ بحیثیت مجموعی حفظ و ضبط کے اعلیٰ معیار پر ہوں لیکن کبھی کبھار خاص احوال کے موجود ہونے کی وجہ سے ان کے حفظ و ضبط میں معمولی سی کوتاہی واقع ہو جاتی ہے، جو کہ بشری تقاضوں کے عین مطابق ہے اور کسی اچھنبے کا باعث نہیں۔اسی قلتِ ضبط کے باعث راوی کی بیان کردہ احادیث میں اوہام اور غلطیوں کا وقوع ہو سکتا ہے جو کہ متن و سند میں اختلاف کا سبب بن سکتا ہے۔اور یہ چیز ثقات رواۃ کی روایات میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہے۔پھر راوی کی اس حالت کی وجہ سے قلتِ ضبط کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

أ. راوی کے اختلافِ مکان کی وجہ سے ضبط میں نقصان

کتب رجال کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً کبھی تو راوی کسی مخصوص علاقے میں ہو یا اپنے خاص علاقہ میں ہو تو اس کی کتب کی موجودگی کی وجہ سے وہاں اس کا ضبط کمال کا ہوتا ہے لیکن یہی راوی اگر حالتِ سفر میں ہو اور کسی دوسرے مقام پر روایت کرے تو اس کے پاس اس کی کتب کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس کے حافظہ میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی روایت کردہ احادیث میں اسانید و متون کے مابین اختلاف پیدا ہونے کا احتمال قوی ہو جاتا ہے۔جیسے معمر بن راشد رحمہ اللہ کہ ان کی بصرہ والی روایات میں انتہائی حد تک اضطراب پایا جاتا ہے جب کہ یمن میں ان کی روایت کی گئی احادیث قابل قبول ہیں[1]۔

---

[1] دیکھئے: تقریب التہذیب ص 541.

وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر39:

ڈایاگرام نمبر39

معمر بن راشد رحمہ اللہ اگرچہ کبار تبع تابعین میں سے ہیں، اور معتبر وثقہ راوی ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی روایات میں کسی قسم کا ابہام نہیں اور عمومی حالات میں قابل قبول ہیں، لیکن چونکہ بصرہ میں روایت کرتے وقت ان کی روایات اضطراب کا شکار ہوا کرتی تھیں، یہی وجہ ہے کہ مذکورہ روایت میں معمر بن راشد رحمہ اللہ، اضطراب کی وجہ سے غلطی کا شکار ہوئے ہیں اور روایت کو أنس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، کیونکہ یہ روایت اُن سے عمران بن داور القطان نقل کرتے ہیں، اور وہ بصری ہیں [1]۔

[1] تقریب التہذیب ترجمہ 5154.

یہی وجہ ہے کہ امام ترمذي و نسائي رحمہما اللہ دونوں طریق ذکر کرکے معمر بن راشد کی روایت کے مقابلے میں شعیب بن أبي حمزة کی روایت کو صحیح قرار دیتے پائے گئے[1]، جن کی سند طریق ثانی کے تحت ڈایاگرام میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے امام أبو زرعة رحمہ اللہ بھی اسے غلطی گردانتے ہیں[2]، اور امام دارقطني رحمہ اللہ بھی اپنی کتاب میں طریق ثانی کو صحیح قرار دیتے ہوئے امام معمر بن راشد کے وہم کی طرف صراحتاً اشارہ فرماتے ہیں[3]۔ جب کہ امام بزار رحمہ اللہ بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں[4]۔

ب. راوی کے شیوخ کے أماکن/بلدان میں اختلاف کی وجہ سے ضبط میں نقصان

اس کے تحت عموماً دو اقسام شامل ہیں:

- **شاگرد کے علاقہ کے تبدیل ہونے کی وجہ سے ضبط میں نقصان**

اس سے مراد وہ راوی ہے کہ کسی خاص علاقہ کے شیوخ سے احادیث کے ذکر کرنے میں قابل اعتماد ہو اور دوسرے علاقے کے شیوخ سے روایت کرنے میں ویسا ضبط نہ رکھتا ہو، جیسے إسماعیل بن عیاش کے بارے میں محدثین کرام سے منقول ہے کہ جب وہ اہل شام سے روایت کرے تو اس کی روایت کے قبول کرنے میں کسی قسم کا تردد نہیں ہونا چاہئے لیکن اہل شام سے علاوہ کی روایات میں اسے قابل اعتماد نہیں گردانا جائیگا[5]۔

---

1 سنن النسائي، كتاب الجهاد، باب وجوب الجهاد 6/6 حدیث نمبر 3094، سنن الترمذي، أبواب الإيمان، باب ما جاء أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله 5/717 حدیث نمبر 2607.

2 علل الحديث 5/244.

3 العلل الواردة في الأحاديث النبوية 1/165.

4 مسند بزار 1/58.

5 مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: إمام يعقوب كى المعرفة والتاريخ 2/ 423، تهذيب الكمال 1/ 249- 250، الكامل فى ضعفاء الرجال 1/ 472-

مزید وضاحت درج ذیل ڈایاگرام میں دی گئی مثال سے ممکن ہے، ڈایاگرام نمبر 40:
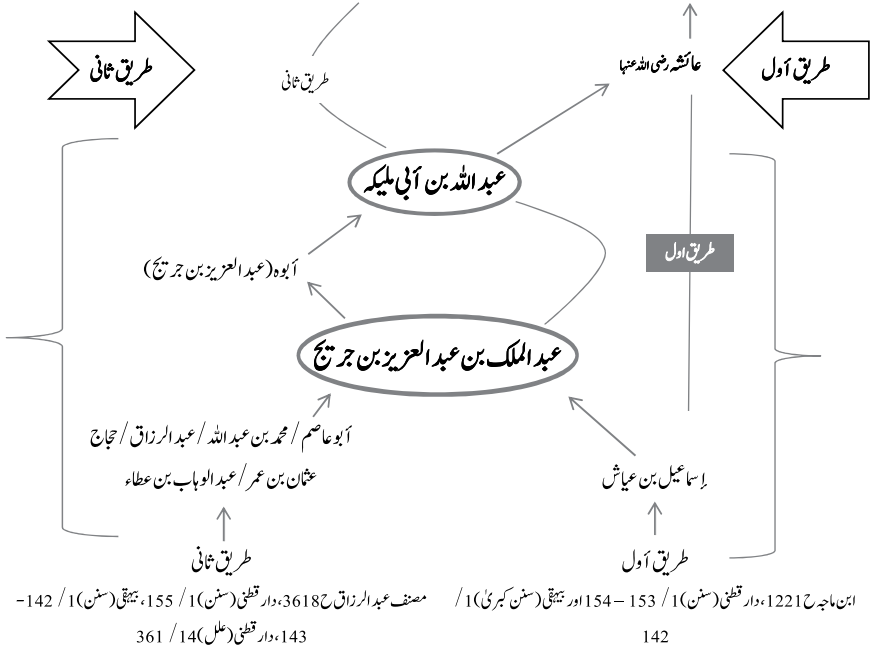
ڈایاگرام نمبر 40

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ إسماعيل بن عياش جب اہل شام سے روایت کرتے ہیں تو ان کی روایات قابل قبول ہیں لیکن یہی إسماعيل بن عياش جب اہل شام کے علاوہ دوسرے شیوخ سے روایت کریں تو اس میں اُن کو غلطی لاحق ہوتی ہے۔ اس مثال میں دیکھا جائے تو إسماعيل بن عياش، مدارِ سند "عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج" رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں اور اسے موصول ذکر کرتے ہوئے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

جب کہ اسی مدارِ سند کے باقی شاگرد یہی روایت اُن سے ان کے والد صاحب کے واسطے سے مرسل نقل کرتے ہیں، جیسا کہ ڈایاگرام میں طریق ثانی سے واضح ہو رہا ہے۔ اور علماء محدثین کے نزدیک

یہی طریق أصح ہے، کیونکہ عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج رحمہ اللہ اہل حجاز میں سے ہیں اور یہ بات محدثین کے ہاں معروف ہے کہ إسماعيل بن عياش کی روایات اہل شام کے علاوہ کے شیوخ سے قابل التفات نہیں، لہذا یہی وجہ ہے کہ امام دارقطني رحمہ اللہ، إسماعيل بن عياش کے طریق کو نقل کرنے کے بعد صراحتًا اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ طریق کسی کام کا نہیں، جب کہ اپنی کتاب میں انہوں نے عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج کے باقی شاگردوں کی روایت کو درست کہا[1]۔ إسماعيل بن عياش کی اسی حالت کو مد نظر رکھتے ہوئے امام بيهقي رحمہ اللہ نے بھی ان کی اس روایت کے تمام طرق کو غیر محفوظ قرار دیا ہے[2]۔

جب کہ امام أبو زرعة رحمہ اللہ اور ابن أبي حاتم رحمہ اللہ سے جب اس روایت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے إسماعيل بن عياش کی روایت کو ان کی غلطی قرار دیتے ہوئے اسے مرجوح ٹھہرایا[3]۔ اور عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج کی مرسل روایت کو صحیح قرار دیا[4]۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ إسماعيل بن عياش کی روایات اہل شام سے تو قابل قبول ہیں جب کہ اہل شام سے علاوہ کے لوگوں سے ان کی روایت میں تغیر واقع ہوتا تھا جس کی بنیاد پر ان کی روایات میں متون و أسانید کا اختلاف کا پیدا ہونا یقینی امر تھا۔

- **شیخ کے علاقہ کے تبدیل ہونے کی وجہ سے ضبط میں نقصان**

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ راوی ایسا ہو کہ اس سے کسی خاص علاقے کے لوگ روایت کریں تو حفظ و ضبط کا معیار اپنے پورے عروج پر ہو لیکن اسی راوی سے دوسرے علاقے کے لوگ روایت کریں تو ضبط

---

[1] سنن الدارقطني، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من الخارج من البدن كالرعاف والقيء والحجامة ونحوه 1/284 حدیث نمبر 572، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 14/361.

[2] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من خروج الدم من غير مخرج الحدث 1/222 حدیث نمبر 669.

[3] علل الحديث 1/482.

[4] علل الحديث 2/459.

کی کمی کی وجہ سے روایت میں اوہام کا وقوع ہو، جیسے مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب رحمہ اللہ کہ جب اہل حجاز ان سے روایت کریں تو وہ صحیح ہوتی ہے جب کہ یہی مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب اگر عراق میں ہوں تو اہلِ عراق کی ان سے روایت میں اوہام واغلاط نمایاں ہوتی ہیں [1]۔

وضاحت کے لئے پیش ہے ڈایاگرام نمبر 41:
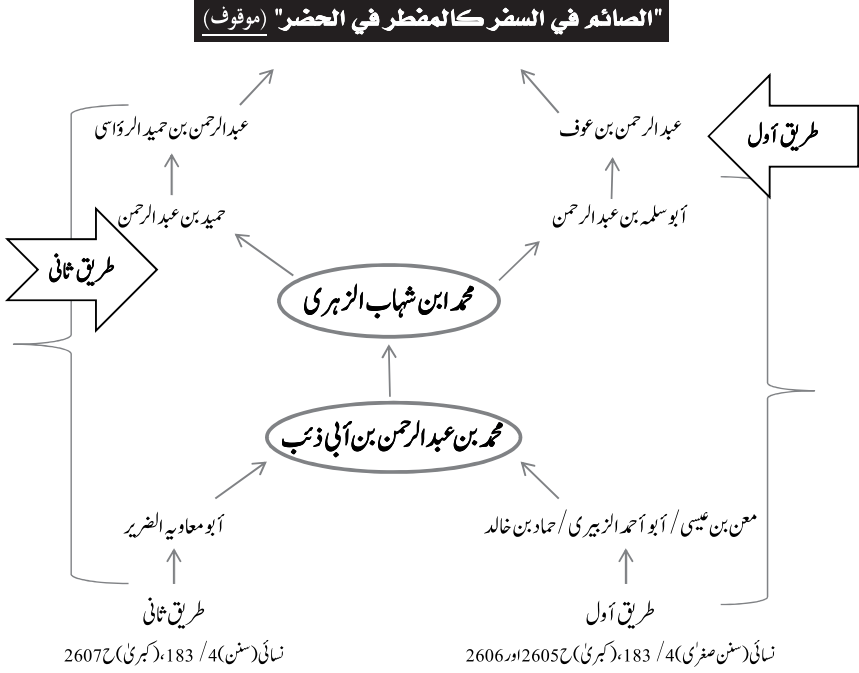
ڈایاگرام نمبر 41

مذکورہ مثال میں مدارِ سند مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے روایت دو طرق سے نقل کی گئی ہے طریقِ اَول میں اُن سے روایت کرنے والے معن بن عیسی، أبو أحمد الزبیری، حماد بن خالد ہیں جو کہ تمام کے تمام حجازی ہیں [2]، جب کہ طریق ثانی کو روایت کرنے والے أبو معاوية الضرير ہیں

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذي 2/780.

[2] ان تینوں میں سے معن اور حماد بن خالد حجازی ہیں ان کے تراجم کے لئے دیکھئے: "تقریب التہذیب" بالترتیب: ص 542، اور 178.

اور وہ عراقی سے تعلق رکھتے ہیں[1]، جب کہ ہم نے مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب کے بارے میں علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جب وہ حجاز میں ہوتے ہیں تو اہل حجاز کی ان سے روایت صحیح ہوتی ہے جب کہ عراقی ان سے روایت کرتے وقت اوہام کا شکار ہوتے ہیں[2]۔

تو یہاں مذکورہ سند میں اختلاف کا سبب مدارِ سند سے اہلِ عراق کا روایت کرنا ہے، اور اسی مدارِ سند سے اہل حجاز کی روایات صحیح ہوتی ہیں، جو کہ اس روایت میں طریق اول کے راوی ہیں، یہی وجہ ہے کہ طریق اَول کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے جیسا کہ امام أبو زرعة رحمہ اللہ اور امام دارقطني رحمہ اللہ کی صراحت اسپر دلالت کررہی ہے[3]۔ مزید وضاحت کے لئے دیکھئے ڈایاگرام نمبر 42:

ڈایاگرام نمبر 42

مذکورہ مثال میں مدارِ سند مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے دو طبقات روایت کرتے ہیں، طریق اول میں روایت کرنے والے تمام کے تمام عراقی رواۃ ہیں[4] جب کہ طریق ثانی تمام حجازی رواۃ پر

---

[1] دیکھئے: تقریب التهذيب ص475.

[2] دیکھئے: إمام مسلم کی "التمييز" ص191.

[3] علل الحديث 3/66، العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 4/281.

[4] دیکھئے تقریب التهذيب بالترتیب: ترجمہ نمبر 1135، 7789، 3067، 399، 132، 2733.

مشتمل ہے [1]، اور یہ بات محدثین کے ہاں مسلم ہے کہ مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے حجازیین کی روایت قابل قبول ہوتی ہے جب کہ عراقی اُن سے روایت کرتے وقت غلطیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ تو یہاں ان کے اختلاف کی بنیادی وجہ مدارِ سند کے ان شاگردوں کا موجود ہونا ہے جو کہ عراق سے تعلق رکھتے تھے اور یہ بات اوپر گزر چکی کہ اہل عراق کی ان سے روایت میں خلل واقع ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ علل نے مذکورہ روایت کے طرق میں سے طریق ثانی کو راجح قرار دیا ہے، کیونکہ وہی طریق اہل حجاز پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ امام دارقطني رحمہ اللہ سے اس بات کی صراحت منقول ہے [2]۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 43:

ڈایاگرام نمبر 43
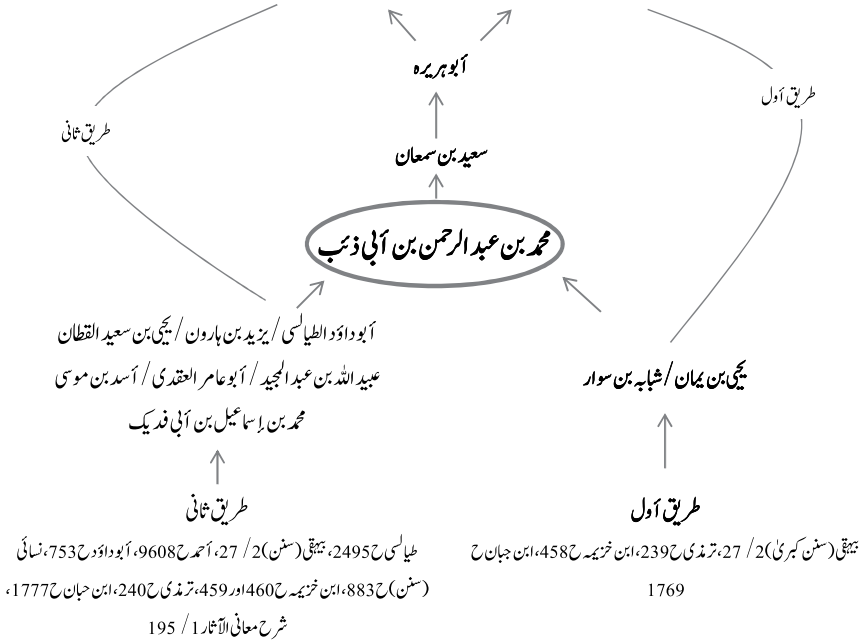
[1] دیکھئے: معن کا ترجمہ 6820 اور عبد اللہ بن وہب 3694.

[2] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 7/ 38.

مثالِ مذکور میں رواۃ کے درمیان متنِ حدیث میں اختلاف واقع ہوا ہے، مدار حدیث جو کہ محمد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب راوی ہیں ان سے روایت کرتے وقت عراقی راوی جو یحییٰ بن یمان اور شبابة بن سوار ہیں[1]، وہ ایک طرح کا متن روایت کرتے ہیں اور دوسرا طریق جو کہ حجازیین کے گروہ پر مشتمل ہے[2] وہ بالکل الگ قسم کا متن روایت کرتے ہیں جس کی تفصیل ڈایاگرام سے واضح ہے۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق ثانی صحیح ہے کیونکہ وہی اہل حجاز کی روایت پر مشتمل ہے اور علماء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ محمد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے جب اہل حجاز روایت کرتے ہیں تو وہ روایت قابل قبول ہوتی ہے جب کہ اہل عراق کی اُن سے روایت میں اغلاط کا ظہور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اَبو حاتم رحمہ اللہ نے طریق اَول کو راوی کا وہم قرار دیا ہے[3]۔ جب کہ طریق ثانی کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذي رحمہ اللہ نے اسے ہی صحیح قرار دیا اور امام دارمي رحمہ اللہ سے بھی انہوں نے یہی نقل کیا ہے[4]،

---

[1] دیکھئے: تقریب التهذیب شبابہ کے احوال کے لئے: ترجمہ نمبر 2733.

[2] دیکھئے: تقریب التهذیب یزید بن هارون: ترجمہ نمبر 7789، أسد بن موسیٰ ترجمہ نمبر 399، محمد بن إسماعیل بن أبي فدیك ترجمہ نمبر 5736.

[3] علل الحدیث 2/134.

[4] سنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب في نشر الأصابع عند التكبیر 2/6 حدیث نمبر 240.

مزید وضاحت کے لئے ڈایاگرام نمبر44ملاحظہ ہو:

ڈایاگرام نمبر44
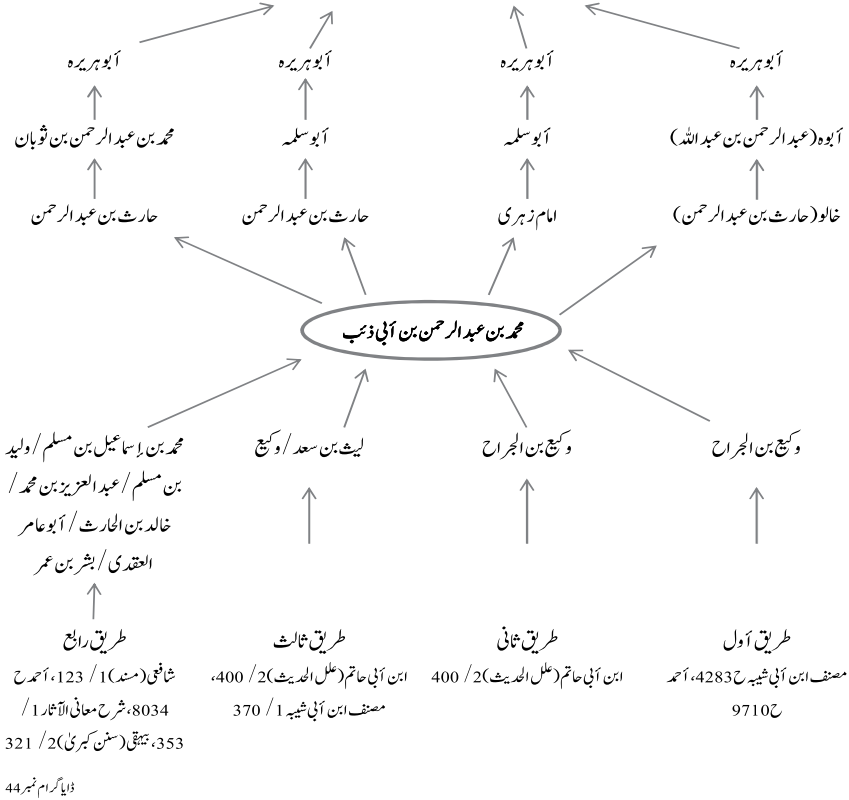
مذکورہ روایت میں مدارِ سند مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب **سے چار طرق کتب حدیثیہ میں منقول ہیں، جن میں سے پہلے دو طرق** وکیع بن الجراح رحمہ اللہ **جب کہ تیسرا طریق** لیث بن سعد رحمہ اللہ **سے مروی ہے، ان دونوں کے احوال سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں راوی عراق سے تعلق رکھتے ہیں** [1]**، جب کہ چوتھے طرق کے رواۃ کی کثیر تعداد حجاز سے تعلق رکھتی ہے** [2]**، اگرچہ ان کی مصاحبت کچھ عراقی رواۃ بھی کر رہے ہیں۔**

---

[1] وکیع کا ترجمہ ملاحظہ ہو "تقریب التهذیب" ترجمہ نمبر: 7414

[2] جیسے محمد بن إسماعیل بن مسلم جن کا ترجمہ ابھی گزر چکا، اور أبوعامر "تقریب التهذیب" ترجمہ نمبر: 4199.

یہاں بھی اس اختلاف کا بنیادی سبب مذکورہ راوی سے ایسے رواۃ کا حدیث کا نقل کرنا ہے جو کہ عراق سے تعلق رکھتے تھے، اور علماء و محدثین کے اقوال سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مُحمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے اہل عراق کی روایت اوہام سے عبارت ہوتی ہے جب کہ اہل حجاز کی ان سے روایت مقبول ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب العلل میں تمام طرق کو نقل کرنے کے بعد چوتھے طریق کو صحیح قرار دیا ہے [1]۔

اگلی مثال کے لئے ڈایا گرام نمبر 45 دیکھئے:

ڈایا گرام نمبر 45

---

[1] علل الحدیث 2/ 400.

مثال مذکور میں روایت کے تین طرق کتب حدیثیہ میں پائے جاتے ہیں، مدار حدیث مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب ہیں، پہلے اور تیسرے طریق میں مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے روایت کرنے والے عراقی راوی ہیں[1]، جب کہ دوسرے طریق میں انہی سے حجاز والے روایت کرتے ہیں[2]، اور علماء سے منقول ہے کہ ابن أبي ذئب سے اہل عراق روایت کریں تو ان کی روایت میں غلطیاں موجود رہیں گی، اور یہی اختلاف کا بنیادی سبب بھی ہے، اسی کی طرف امام دارقطنی رحمہ اللہ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ طریق ثانی صحیح ہے[3]۔ کیونکہ یہ طریق مُحَمَّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے کثیر تعداد میں اہل حجاز نقل کرتے ہیں۔ مزید وضاحت کے لئے ڈایاگرام نمبر 46:

ڈایاگرام نمبر 46

[1] عمار بن مطر کا ترجمہ "میزان الاعتدال" 3/169، جب کہ حبان بن علی "تقریب التهذیب" ترجمہ نمبر: 1076.

[2] ان میں اکثریت کے تراجم ابھی اوپر گزر چکے.
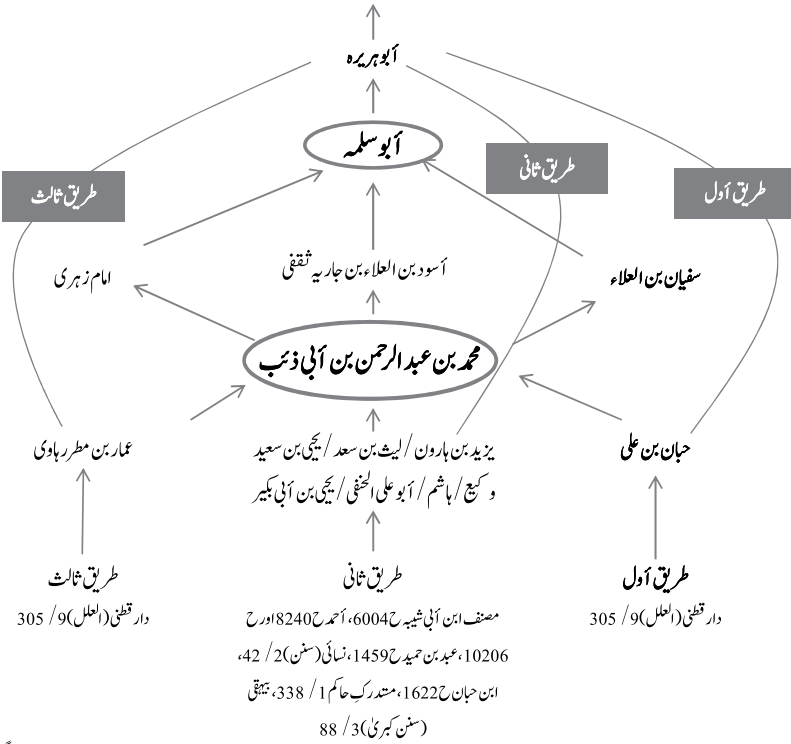
[3] العلل الوادرة فی الأحادیث النبویة 9/305.

مذکورہ مثال میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدارِ سند محمّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب سے روایت کے تین طرق ہیں، پہلا طریق أبو عاصم الضحاك رحمہ اللہ سے مروی ہے، جو کہ سند میں سعید المقبری کے والد أبو سعید کو بھی ذکر کرتے ہیں، جب کہ دوسرے طریق میں رواۃ کا ایک گروہ سعید المقبری سے براہ راست أبو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، جب کہ تیسرے طریق میں سفیان الثوري تفرد اختیار کرتے ہوئے عامر الشعبي رحمہ اللہ سے روایت نقل کرتے ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اختلاف کا بنیادی سبب مدارِ سند کے شاگردوں کا اہل حجاز اور اہل عراق کے دو گروہوں میں تقسیم ہونا ہے اور " محمّد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب" کے بارے میں علماء کے اقوال گزر چکے ہیں کہ اہل حجاز کی ان سے روایت قابل اعتناء ہوتی ہے جب کہ اہل عراق کی ان سے روایت قابل التفات نہیں ہوتی، لہذا یہاں طریق ثانی میں ابن أبي فدیك اہل حجاز میں سے ہیں، تو ان کی ہی روایت أصح ہے، یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کے متعدّد طرق ذکر کرنے کے بعد طریق ثانی ہی کو صواب قرار دیا ہے [1]۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ متون وأسانید میں اختلاف کا ایک بڑا سبب اختلاف زمان ومکان بھی ہے، یعنی کبھی "مدارِ سند" سفر میں ہو تو نسخ وصحائف کے پاس موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس علاقے کے لوگوں کا ان سے روایت کرتے ہوئے ضبط وحفظ میں نقصان سے دوچار ہونا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

ت. کسی خاص شیخ سے روایت کی وجہ سے ضبط میں نقصان

کبھی اس نقصِ ضبط کی وجہ "مخصوص شیخ" کی موجودگی ہوتی ہے یعنی راوی اگرچہ بذات خود توثیق وتعدیل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہو لیکن جب کسی اپنے مخصوص شیخ سے روایت کرے تو اسکا حافظہ خلل کا شکار ہو جس کی وجہ سے اسانید ومتون میں اختلاف کا وقوع متیقن ہوتا ہے۔ لیکن یہی راوی باقی شیوخ

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية10/370.

سے روایت کے وقت حافظہ کے بلند معیار پر ہو جیسے حماد بن سلمة، جو اگرچہ تعدیل کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں لیکن جب اپنے شیخ قیس بن سعد رحمہ اللہ، یا قتادة رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں تو علماء ایسی روایات کو ضعیف قرار دیتے ہیں[1]۔ مزید وضاحت درج ذیل مثال سے ممکن ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 47:
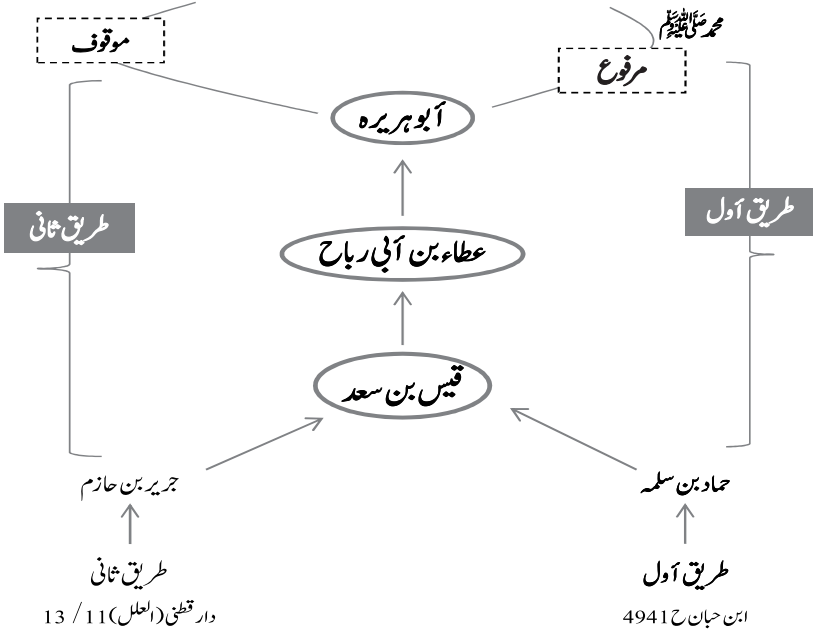
ڈایاگرام نمبر 47

بحث و استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کے دو طرق ہیں، جب کہ مدارِ سند "قیس بن سعد" ہیں، تاہم حماد بن سلمة ان سے روایت کرتے وقت حدیث کو مرفوع بیان کرتے ہیں، جیسا کہ طریق اول سے واضح ہے جب کہ جریر بن حازم ان کی مخالفت کرتے ہوئے اسے موقوف بیان کرتے ہیں۔

یہاں مخالفت کی اساس اس بات پر ہے جیسا کہ علماء کے اقوال سے معلوم ہو چکا ہے کہ حماد بن

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذي 2/780.

سلمة اگرچہ ثقہ راوی ہیں لیکن قيس بن سعد کی روایت میں انہیں وہم لاحق ہوتا ہے، جیسا کہ اِمام عقيلي نے بھی صراحتًا ذکر فرمایا ہے [1]، تو طریق اول میں انہوں نے قيس بن سعد سے روایت کرتے وقت طریق ثانی کے راوی کی مخالفت کا ارتکاب کیا ہے، یہاں ان کی اس سند کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، لہٰذا اُن کی مذکورہ روایت مرجوح ہے، اور جرير بن حازم کی روایت صحیح ہے، والله أعلم۔

دوسری مثال بھی حماد بن سلمہ ہی کی روایت ہے لیکن اس مثال میں ان کے استاد جرير بن حازم رحمہ اللہ کی جگہ "قتادة بن دعامة" رحمہ اللہ ہیں، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 48:

ڈایاگرام نمبر 48

ڈایاگرام سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کے دو طرق ہیں، طریق أول میں شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ، سعيد بن أبي عروبة رحمہ اللہ اور همام رحمہ اللہ مدارِ سند قتادة بن دعامة سے روایت کرتے ہوئے أبو حسان بواسطہ عبيدة السلماني ذکر کرتے ہیں، جب کہ حماد بن سلمة ان کی مخالفت کرتے ہوئے

[1] ملاحظہ ہو اِمام عقیلی کی "الضعفاء الكبير" 1/20.

ان دونوں راویوں کو ساقط کرکے براہِ راست علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ حماد بن سلمة اگرچہ ثقہ راوی ہیں لیکن قتادة بن دعامة سے روایت کرتے وقت انہیں وہم لاحق ہوتا ہے اور زیر بحث مثال میں بھی یہی صورتحال درپیش ہے [1]، جس کی وجہ سے ان کی روایت مرجوح ہے، یہی وجہ ہے کہ امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے یہ روایت ذکر کرکے طریق أول کو راجح قرار دیا ہے [2]۔ اور حماد کی طرف صراحتًا قلتِ ضبط کی نسبت کی ہے۔

اسی طرح جریر بن حازم رحمہ اللہ جو بالذات توثیق وتعدیل کے لحاظ سے اونچے مرتبہ پر ہیں لیکن أیوب السختیاني اور قتادة بن دعامة سے روایت کے وقت ضعف کا شکار ہوتے ہیں [3]، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 49:

ڈایاگرام نمبر 49

---
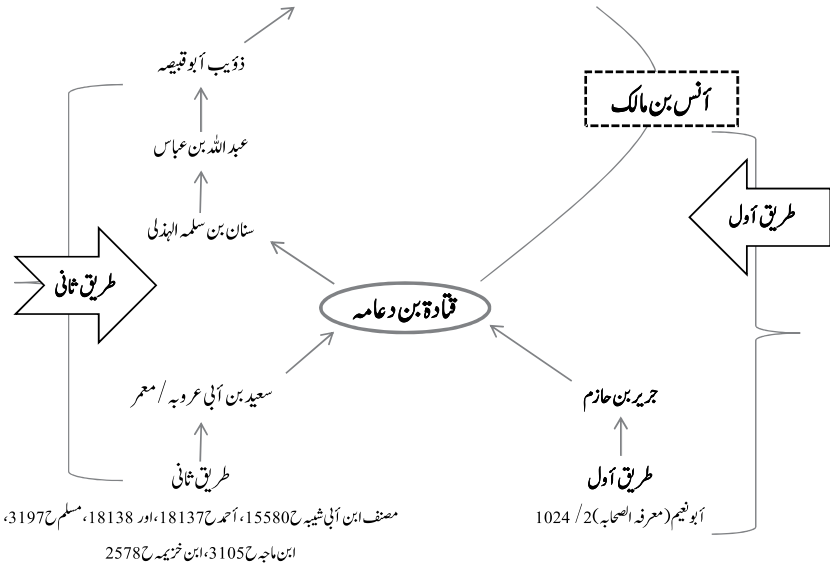
[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذي 2/ 783.
[2] علل الحديث 2/ 204.
[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذي 2/ 786.

مذکورہ مثال میں جرير بن حازم مدارِ سند "قتادة بن دعامة" سے بواسطہ أنس بن مالك رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، جب کہ یہی روایت سعيد بن أبي عروبة اور معمر بن راشد بطریق سنان بن سلمة ---عبد الله بن عباس رضی اللہ عنہما --- ذؤيب أبو قبيصة رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ اس اختلاف کی بنیادی وجہ جرير بن حازم کا ایسے راوی سے روایت کرنا ہے جن سے روایت کرتے وقت انہیں اوہام لاحق ہوتے ہیں جیسے قتادة بن دعامة، تو معلوم ہوتا ہے کہ جرير بن حازم کی یہ روایت قتادة بن دعامة رحمہ اللہ سے منقول ہے جن سے روایت کرتے وقت انہیں وہم لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن عدي رحمہ اللہ نے جرير بن حازم رحمہ اللہ کے ترجمہ میں نقل کیا ہے کہ اگرچہ وہ بالذات ثقہ راوی ہیں لیکن قتادة بن دعامة سے ان کی روایات میں خلل کا صدور ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کی قتادة بن دعامة سے روایات عموماً ایسی ہوتی ہیں کہ کوئی دوسرا ان کی تائید نہیں کرتا[1]۔

اسی طرح امام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی ان کی قتادة بن دعامة سے روایات کو ضعیف قرار دیا ہے[2]۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے طریق أول ذکر کرنے کے بعد اسے "خطا" قرار دیا اور طریق ثانی کی طرف رہنمائی فرمائی[3]۔ جب کہ امام دارقطني رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کی تصویب فرماتے ہوئے اختلافِ اسانید و متون کے اس اہم سبب کی طرف اشارہ فرمایا[4]۔ مزید وضاحت کے لئے ڈایاگرام نمبر 50 ملاحظہ ہو:

---

[1] دیکھئے: الكامل في ضعفاء الرجال 2/346.

[2] دیکھئے امام أحمد کی: "العلل ومعرفة الرجال" 3912.

[3] علل الحدیث 3/260.

[4] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 4/131.
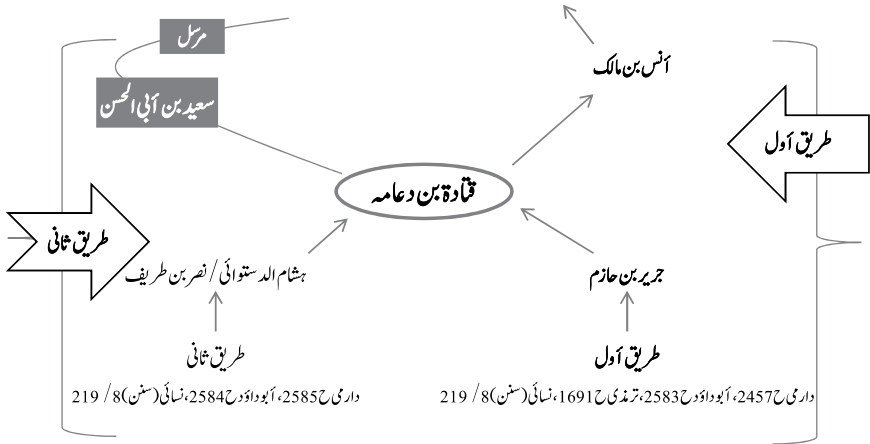
ڈایاگرام نمبر 50

یہی صورتحال مذکورہ بالا مثال میں بھی ہے، قتادة بن دعامة جو مدار سند ہیں ان سے روایت کرتے وقت طریق أول میں جریر بن حازم مذکورہ روایت کو أنس بن مالك رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں یہی روایت هشام الدستوائي اور نصر بن طريف، سعيد بن أبي الحسن رحمہ اللہ سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ اور یہاں بھی اختلاف کا بنیادی سبب وہی ہے کہ جریر بن حازم جب بھی قتادة بن دعامة سے روایت کرتے ہیں تو ان کی روایت میں غلطی کا وقوع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے یہ تمام طرق ذکر کر کے طریق ثانی کو ترجیح دیتے ہوئے جرير بن حازم کی روایت کے وَہم کی طرف اشارہ فرمایا ہے [1]۔ اور اسی کی تائید امام نسائي رحمہ اللہ کے صنیع سے بھی ہو رہی ہے [2]۔

---

[1] العلل الواردة فی الاحاديث النبوية 12/150.

[2] ملاحظہ ہو: سنن النسائي، كتاب الزينة، باب حلية السيف 8/219 حدیث نمبر 5373. اور سنن کبریٰ ح 9727.

جیسا کہ جریر بن حازم إمام قتادة بن دعامة سے روایت کرتے وقت وہم کا شکار ہوتے ہیں، اسی طرح وہ أیوب السختیاني سے روایت کرتے وقت بھی أوہام میں مبتلا ہوتے ہیں، وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 51:
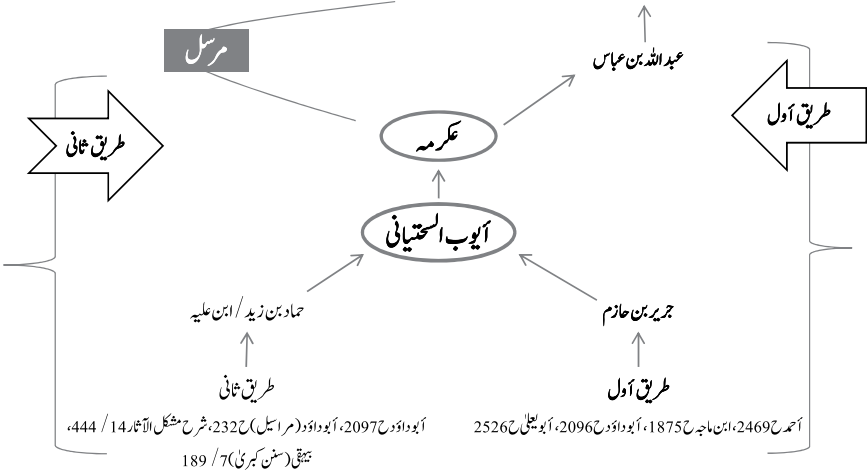
ڈایاگرام نمبر 51

تتبع اور استقصاء کے بعد مذکورہ روایت کے دو طرق سامنے آئے، جس کا مدار سند إمام أیوب السختیاني ہیں، جب کہ طریق أول روایت کرنے والے جریر بن حازم اور طریق ثانی کی روایت حماد بن زید کر رہے ہیں اور حماد بن زید کی متابعت إسماعیل بن علیة فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہے، جریر بن حازم اسے ابن عباس سے روایت کر رہے ہیں، جب کہ طریق ثانی کے روایت کرنے والے اسے مرسل قرار دے رہے ہیں۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی اختلاف کا بنیادی سبب وہی ہے جو اوپر گزر چکا کہ جریر بن حازم جب بھی أیوب السختیاني سے روایت کرتے ہیں تو انہیں اوہام لاحق ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے

اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے ارسال کو صحیح قرار دیا[1]، کیونکہ وہ أیوب السختیاني کے ایسے شاگردوں سے مروی ہے جن سے ان کی روایات عموماً صحیح ہوتی ہیں، اور اسی اِرسال کو اِمام أبو داؤد رحمہ اللہ [2] اور اِمام بیهقي رحمہ اللہ [3] نے بھی ترجیح دی ہے۔ جب کہ ابن عبد الهادي نے بھی اسی رائے کو اختیار کیا ہے[4]۔

معلوم ہوا کہ جریر بن حازم اگرچہ ثقہ راوی ہیں لیکن اگر کبھی کچھ خاص شیوخ سے روایت کریں تو انہیں اوہام لاحق ہوتے ہیں جو کہ متون واَسانید میں اختلافات کا موجب بنتے ہیں۔

ایسا ہی حال مشہور ومعروف امام اہلِ شام امام أوزاعي کا ہے جن کی جلالتِ شان ورفعِ قدر میں کسی قسم کا شک نہیں اور ان کی قدرومنزلت کے لئے انکا نام ہی کافی ہے لیکن یہی جلیل القدر امام جب امام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ یا یحییٰ بن أبي کثیر رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں تو اوہام واغلاط کا شکار ہوتے ہیں[5]۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 52:

---

[1] علل الحديث 4/59.

[2] سنن أبي داؤد، کتاب النکاح، باب في البكر يزوجها أبوها ولا يستأمرها 2/232 حدیث نمبر 2097.

[3] السنن الكبرى للبيهقي، کتاب النکاح، باب ما جاء في إنكاح الآباء الأبكار 7/189 حدیث نمبر 13669.

[4] دیکھئے: اِمام ابن عبد الہادی کی تنقيح التحقيق فی أحاديث التعليق 3/153.

[5] دیکھئے: شرح علل الترمذی 2/799.

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم، انصرف من صلاة جهر فيها بالقراءة، فقال: هل قرأ معي منكم أحد آنفا؟ فقال رجل: نعم، أنا يا رسول الله، قال: فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إني أقول: ما لي أنازع القرآن"
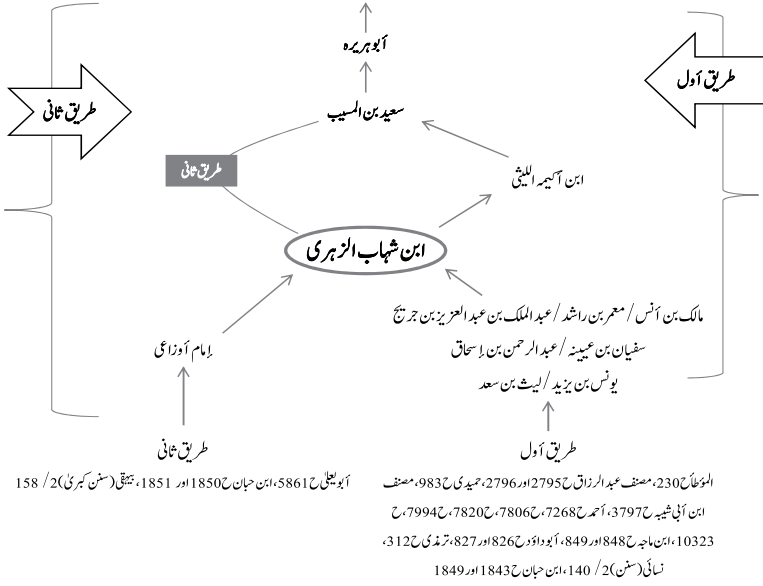
ڈایا گرام نمبر 52

مذکورہ مثال میں إمام محمّد بن مسلم ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ مدارِ سند ہیں، جب کہ ان سے اس روایت کے دو طریق مروی ہیں، طریق أول میں ائمہ محدثین کی ایک بڑی تعداد ابن شهاب الزهري سے بواسطہ ابن اکیمة اللیثی روایت کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں إمام أوزاعي ان تمام کی مخالفت کرتے ہوئے ابن اکیمة اللیثی کو ساقط کرتے ہیں، جیسا کہ ڈایا گرام میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ إمام أوزاعي اگرچہ ثقہ راوی ہیں لیکن محمّد بن مسلم ابن شهاب الزهري سے ان کی روایات میں اغلاط پائی جاتی ہیں، اور یہی یہاں کے اختلاف کا بنیادی سبب ہے، یہی وجہ ہے کہ إمام دارقطنی اور أبو حاتم نے طریق ثانی کو إمام أوزاعی کا وہم قرار دیا اور طریق اول کی تصویب فرمائی[1]۔ جب کہ إمام ابن حبان رحمہ اللہ اور إمام بزار رحمہ اللہ نے بھی انہی کی تائید فرمائی ہے[2]۔ مزید

[1] العلل الواردة فی الأحادث النبوة 9/55، علل الحدیث 2/433.
[2] مسند بزار حدیث نمبر 7759، صحیح ابن حبان حدیث نمبر 1851.

وضاحت کے لئے ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر 53:
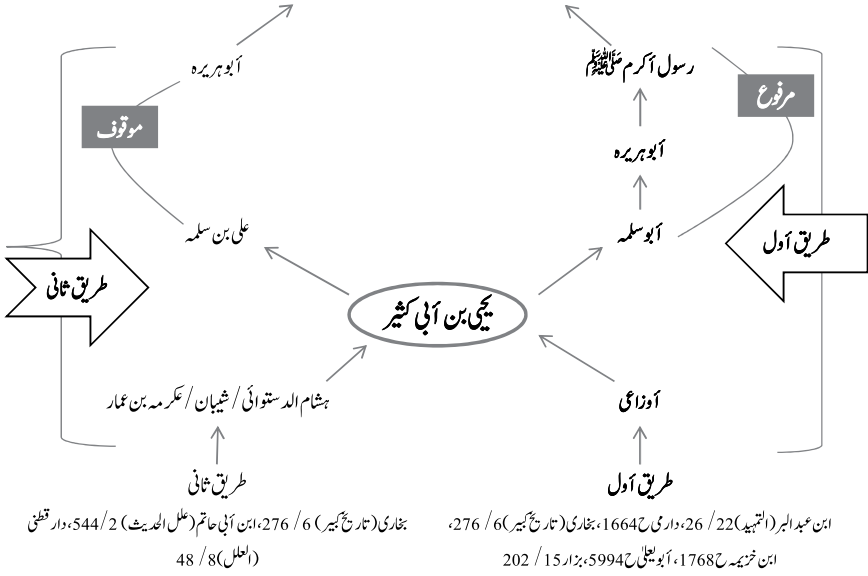
ڈایاگرام نمبر 53

مذکورہ مثال میں مدارِ سند اِمام يحيىٰ بن أبي كثير ہیں، جب کہ طریق أول کے روایت کرنے والے ان کے جلیل القدر شاگرد اِمام أوزاعی ہیں، جو کہ روایت کو بطریق أبو سلمة – بواسطہ أبوهريرة رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے مرفوع نقل کرتے ہیں۔ جب کہ یہی روایت يحيىٰ بن أبي كثير کے باقی شاگرد أبوهريرة رضی اللہ عنہ سے موقوف نقل کرتے ہیں۔ چونکہ اِمام أوزاعی کی روایات يحيىٰ بن أبي كثير سے قابل التفات نہیں ہوتیں جو کہ ان کا باقی رواۃ کی مخالفت کا بنیادی اور اہم سبب ہے، جیسا کہ اِمام أبوحاتم ودارقطنی کے أقوال سے واضح ہوتا ہے [1]۔

[1] علل الحدیث 2/544، العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 8/48.

اگلی مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 54:
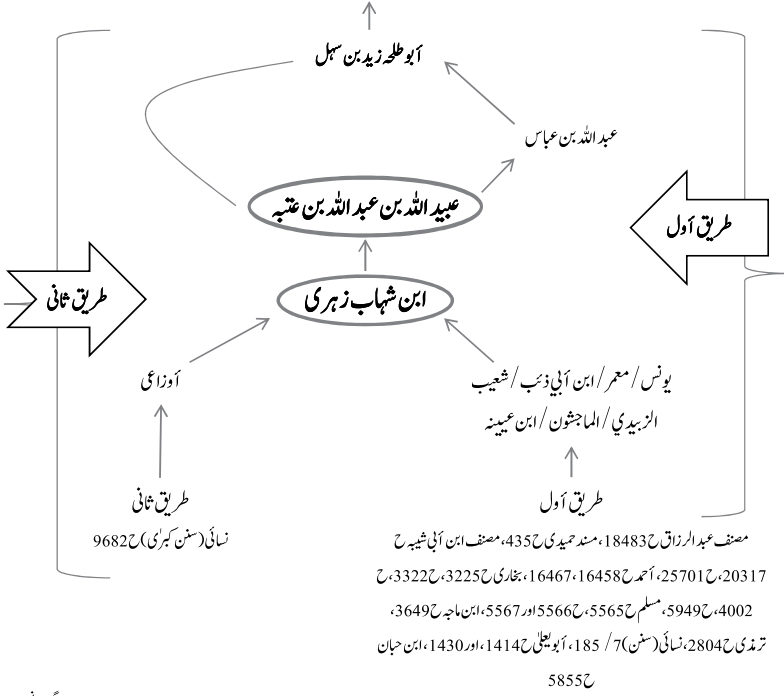
ڈایاگرام نمبر 54

مذکورہ مثال میں امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزهري **کے شاگردوں کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، امام** ابن شہاب الزهري **کے کبار شاگرد اس روایت کو ابن عباس** رضی اللہ عنہما **کے واسطے سے نقل کرتے ہیں جب کہ امام** أوزاعي **ان کی مخالفت کرتے ہوئے ابن عباس** رضی اللہ عنہما **کا ذکر نہیں کرتے، اور یہ بات ثابت ہے کہ امام** أوزاعي **کی روایات امام** ابن شہاب الزهري **سے اختلاف سند و متن کا موجب ٹھہرتی ہیں، اسی کی طرف امام دارقطنی** رحمہ اللہ **نے بھی اشارہ فرمایا ہے** [1]۔

[1] العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 6/ 8.

فصل ثانی: سقوطِ راوی کی وجہ سے اختلافِ متون وأسانید

مبحث اول: تدلیس

اختلاف اَسانید ومتون کے اسباب میں سے اہم سبب تدلیس ہے۔یعنی راوی اس شخص سے روایت کرے جس سے اس کی ملاقات ثابت ہو لیکن یہ روایت اُس شخص سے سنی نہ ہو اور صیغہ ایسا استعمال کرے جس سے سماع کا احتمال ہو، یا جس سے روایت کی جارہی ہو اس کے مشہور نام کی بجائے اس کو غیر معروف نام سے یاد کرے جس سے اس کی شخصیت موہوم ہو جائے یا اپنے شیخ سے روایت کرے اور دو ثقہ کے درمیان سے ضعیف راوی کو ساقط کردے[1]۔

تدلیس اپنی ان تمام انواع کے ساتھ متون وأسانید کے اختلافات کا اہم سبب ہے کیونکہ تحقیق سے اس بات کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ مدلس نے روایت کی سند سے کوئی راوی گرایا ہے جو یا تو ضعیف ہے یا اس کے حافظہ میں نقصان ہے۔جو کہ روایات کے مابین اختلافِ اَسانید ومتون کا موجب ہوتا ہے۔

مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 55:

---

[1] تدلیس کی اَقسام اور تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: معرفة علوم الحديث ص: 103، معرفة أنواع علوم الحديث ص: 66، الإرشاد 1/ 205، النكت على كتاب ابن الصلاح 2/ 614، فتح المغيث 1/ 196، توضيح الأفكار 1/ 346، قواعد التحديث ص: 132-

"رآني رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأنا أبول قائما، فقال: يا عمر، لا تبل قائما"

ڈایاگرام نمبر 55

مشہور و معروف روایت جو کہ "عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج" رحمہ اللہ سے مروی ہے اور وہ اس روایت میں مدارِ سند ہیں جب کہ تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن طریق ثانی جو کہ هشام بن يوسف رحمہ اللہ، عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج سے روایت کرتے ہیں، اس میں عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج، نافع رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے اس میں عنعنہ کرتے ہیں، اور نافع سے سماع کی تصریح نہیں کرتے جب کہ ابن جريج مدلس بھی ہیں[1]، اگرچہ انہوں نے نافع سے کثیر أحادیث نقل کی ہیں، اور نافع سے روایات کرنے میں وہ معروف ہیں، لیکن محدثین کی تحقیق سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس روایت میں عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج اور نافع کے درمیان واسطہ موجود ہے، جو کہ "عبد الكريم بن أبي المخارق" ہے، اور وہ ضعیف ہے[2]۔

[1] دیکھئے: تقريب التهذيب ترجمہ نمبر 4193-

[2] اسکے أحوال ملاحظہ ہوں: تهذيب الكمال 4/ 543.

اس بات کی تائید ابن جریج کے بعض دوسرے طرق سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے عبد الكريم بن أبي المخارق کا ذکر صراحتاً کیا ہے جس سے ان کی تدلیس ثابت ہوتی ہے، ڈایاگرام میں طریق اول کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سند میں مذکورہ اختلاف، راوی کی تدلیس کی وجہ سے آیا ہے۔ لہٰذا اسانید و متون میں اختلاف کا ایک موجب راوی کا مدلس ہونا بھی ہے۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 56:
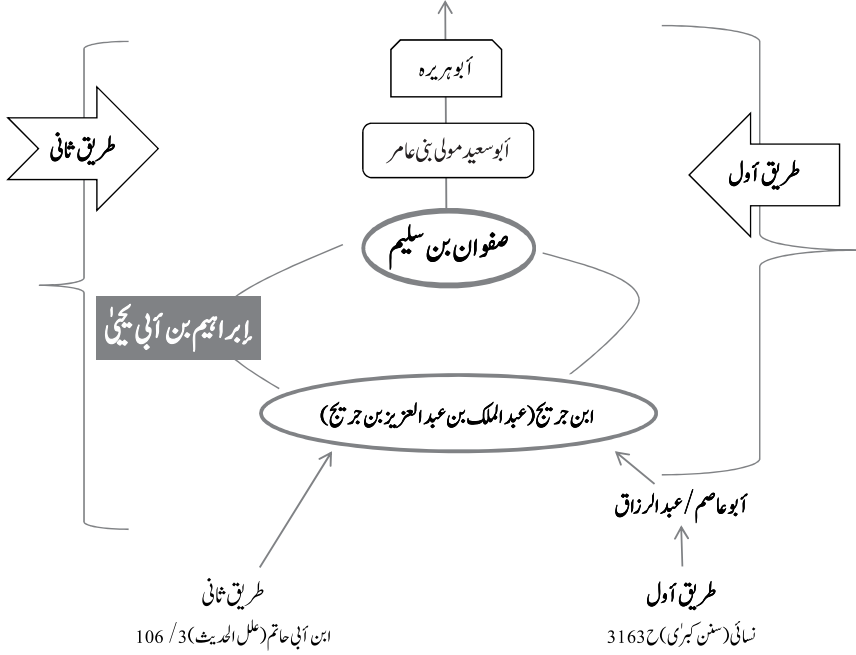
ڈایاگرام نمبر 56

مثال مذکور میں ابن جريج جو کہ مدارِ سند ہیں، تدلیس کرتے ہوئے " إبراهيم بن أبي يحيىٰ "کو ساقط کرتے ہیں، جیسا کہ طریق اول سے واضح ہے، جس میں وہ براہِ راست صفوان بن سليم سے روایت کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام أبو حاتم رحمہ اللہ وأبو زرعة رحمہ اللہ نے واضح طور سے فرمایا ہے کہ ابن

جریج نے صفوان بن سلیم سے کوئی روایت نہیں سنی [1]، جب کہ دوسرے مقام پر امام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن جریج، إبراهيم بن أبي يحيىٰ سے تدلیس کرتے ہیں [2]۔ اسی کی تائید امام دارقطني رحمہ اللہ کے قول سے ہوتی ہے جب انہوں نے امام برقاني رحمہ اللہ کے سوال کے جواب میں ابن جریج کی تدلیس کی وضاحت فرمائی [3]۔

ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 57:

ڈایاگرام نمبر 57
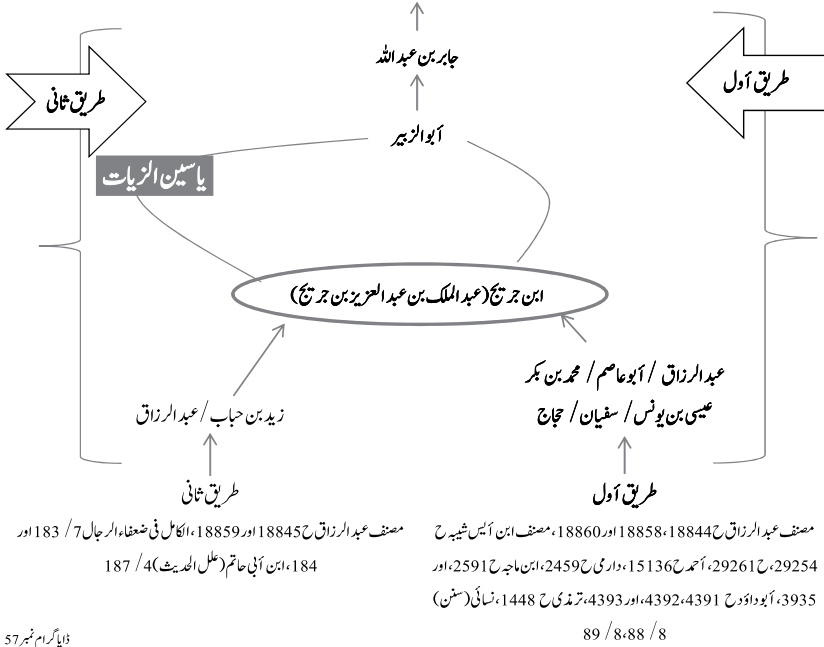
طریق أول میں مدارِ سند "ابن جریج" براہ راست أبو الزبير سے روایت کرتے ہیں جب کہ طریق ثانی میں انہی سے یہ روایت "ياسين الزيات" رحمہ اللہ کے واسطہ سے منقول ہے۔ جب کہ امام أبو حاتم و أبو زرعة

---

[1] علل الحديث 3/106.

[2] علل الحديث 4/66.

[3] دیکھئے: امام برقانی کی "سؤالات البرقاني للدارقطني رواية الكرجي عنه" سؤال نمبر 658.

سے جب اس بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ابن جریج نے یہ روایت براہِ راست أبو الزبیر سے نہیں سنی بلکہ یہ یاسین الزیات کے واسطے سے منقول ہے [1] ۔اسی بات کی تائید امام أبوداؤد رحمہ اللہ ،امام نسائي رحمہ اللہ اور ابن عدي رحمہ اللہ نے فرمائی ہے [2] ۔جب کہ خطیب بغدادي رحمہ اللہ نے صراحتًا تدلیس کا حکم لگایا ہے [3] ۔معلوم ہوا کہ تدلیس، رواۃ کے مابین أسانید و متون کے اختلاف کا اہم سبب ہے۔

مزید توضیح کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 58:
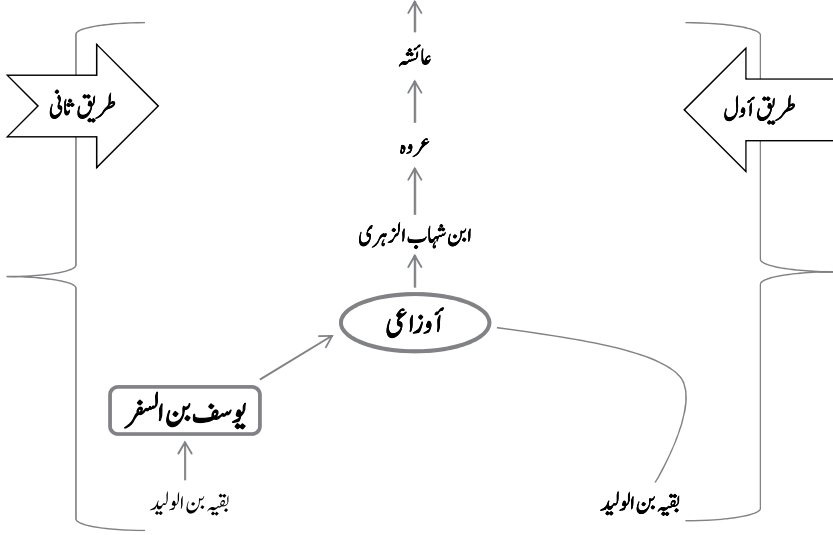
طریق ثانی	طریق أول
یعقوب بن سفیان (المعرفہ والتاریخ) 2/ 431، الضعفاء الکبیر 4/ 452، الکامل فی ضعفاء الرجال 7/ 164	الضعفاء الکبیر 4/ 452، الدعاء (طبرانی) ح20، دار قطنی (الأفراد) ح6108، بیہقی (شعب الإیمان) ح1073

ڈایاگرام نمبر 58

[1] علل الحدیث 4/187.

[2] سنن أبي داؤد، کتاب الحدود، باب القطع في الخلسة والخيانة 4/138 حدیث نمبر 4393، سنن النسائي، کتاب قطع السارق، باب ما لا قطع فيه 8/88 حدیث نمبر 4972، الكامل فی ضعفاء الرجال 7/184.

[3] تاریخ بغداد 2/68.

حدیثِ مذکور مشہور و معروف مدلس راوی "بقية بن الوليد" سے مروی ہے، جنہوں نے طریق اول میں اِمام أوزاعي رحمہ اللہ سے براہِ راست اس روایت کو نقل کیا ہے، جب کہ طریق ثانی میں خود ہی اِمام أوزاعي سے پہلے ایک ضعیف راوی کا صراحتًا ذکر کیا ہے، جو کہ "يوسف بن السفر" ہیں۔ اِمام بیھقي رحمہ اللہ نے جو سند ذکر کی ہے، اگرچہ اس میں " بقية بن الوليد" تحدیث کی صراحت کرتے ہیں، لیکن اِمام بیھقي رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ غلطی ہے [1]۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام ابن عدي رحمہ اللہ نے طریق ثانی ذکر کرنے کے بعد واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ " بقية بن الوليد" کبھی اس روایت کو اِمام أوزاعي سے براہِ راست نقل کرتے ہیں اور " يوسف بن السفر " کو اس کے ضعف کی وجہ سے ساقط کر دیتے ہیں اور کبھی کبھی اسے ذکر بھی کر دیتے ہیں [2]۔ اسی رائے کا اظہار اِمام أبوحاتم رحمہ اللہ نے بھی فرمایا جب ان سے بقية بن الوليد کے اس عمل کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ طریق ثانی میں بقية بن الوليد نے تدلیس کی ہے [3]۔

[1] اِمام بیہقی کی " شعب الإيمان" حدیث نمبر 1073.

[2] اِمام ابن عدی کی الكامل فی ضعفاء الرجال 7/164.

[3] علل الحدیث 5/422.

فصل ثالث : دیگر اُمور کی وجہ سے اختلافِ متون واَسانید

مبحث اَول : اَحادیث کے علم سے عدم توجہی

ایک اور اہم ترین سبب جو کہ رواۃ کے مابین اسانید و متون کے اختلاف کا موجب بنتا ہے وہ احادیث کی روایت سے عدم توجہی ہے چونکہ محدثین کو علم حدیث کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہے اور اس کی حفاظت کے لئے وہ دن رات کوششوں میں لگے رہتے تھے، کبھی تو دن کے اوقات میں کتابت ہوتی اور رات کے اوقات میں اس کا مذاکرہ کیا جاتا، تاکہ کتابت کی اغلاط کی تصحیح ہوسکے۔

جو باحثین ان مساعی میں شریک نہ ہوتے، اگرچہ وہ بہت زیادہ پارسا اور نیکوکار ہوتے لیکن محدثین ان کی روایات قبول کرنے میں تأمل سے کام لیتے اور تردد کا اظہار فرماتے جیسے امام مسلم رحمہ اللہ أبو الزناد رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل فرماتے ہیں: ”أَدْرَكْتُ بِالْمَدِينَةِ مِائَةً أَوْ قَرِيبًا مِنَ الْمِائَةِ مَا يُؤْخَذُ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَهُمْ ثِقَاتٌ، يُقَالُ: لَيْسَ مِنْ أَهْلِهِ“[1]، یعنی میں نے مدینہ میں سو کے قریب افراد کو ہر قسم کے عیوب سے مامون پایا لیکن احادیث کے معاملے میں وہ اہل نہ تھے، جب کہ امام مالک کا فرمان ہے: ”أَدْرَكْتُ مَشَايِخَ بِالْمَدِينَةِ أَبْنَاءَ سَبْعِينَ وَثَمَانِينَ، لَا يُؤْخَذُ عَنْهُمْ , وَيُقَدَّمُ ابْنُ شِهَابٍ وَهُوَ دُونَهُمْ فِي السِّنِّ فَتَزْدَحِمُ النَّاسُ عَلَيْهِ“[2]، کہ مدینہ میں کئی مشایخ جو کہ ستر، اسی سال کے عمر کو پہنچے ہوئے تھے لیکن اہل روایت ان پر ابن شہاب رحمہ اللہ کو باوجود کم سنی کے فوقیت دیتے۔

لہٰذا محدثین کا یہ طریقہ کار رہا کہ جو شخص احادیث ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بناتا تو اسی سے ہی احادیث کی روایت کو ترجیح دیتے اور جو علم حدیث سے عدم توجہی برتتا تو اس سے روایت کرنے سے اجتناب کرتے۔ کیونکہ اس کی بدولت مکمل طور سے تحملِ حدیث و اَداءِ حدیث کا اہتمام باقی نہ رہتا، لہٰذا روایت میں

[1] اِمام رامہرمزی کی ”المحدث الفاصل“ ص:407 اور اِمام خطیب بغدادی کی ”الکفایة“ ص:247.
[2] اِمام خطیب بغدادی کی ”الکفایة“ ص:159.

وہم وغلطی کا احتمال بدرجہ اتم موجود ہوتا جس کی وجہ سے اسانید و متون میں اختلاف کا امکان قوی ہوتا۔ پھر ان شیوخ کا باوجود پیرانہ سالی اور پرہیزگاری کے، احادیث کی روایت سے غفلت اور عدم توجہی کئی اسباب ووجوہات کی بناء پر ہوتی تھی جن میں سے چند اہم اسباب ووجوہات یہاں ذکر کئے جاتے ہیں:

أ. مسندِ قضاء کا حاصل ہونا

ب. مسائلِ فقہیہ میں مشغول ہونا

ت. عبادت میں مشغولیت

اب یہاں ترتیب وار ان وجوہات کو بمعہ امثلہ ذکر کیا جائے گا۔

أ. مسند قضاء کا حاصل ہونا

امور قضاء کسی بھی اسلامی ریاست کے بنیادی اہم مناصب میں سے ہے، جو کہ قاضی کے لئے انتہائی وسیع اوقات کا متقاضی ہوتا ہے، اسی وجہ سے یہ منصب فراغت اور فکری وسعت کا طلبگار ہوتا ہے، جب کہ دوسری جانب حدیث نبوی بھی اپنی حیثیت میں اسی طرح تفرغِ اوقات کا تقاضا کرتی ہے تا کہ بہترین طریقے سے اسے حفظ وضبط میں لاکر آگے اپنے تلامذہ ومصاحبین کو بطریق احسن اداء کیا جاسکے۔

اس صورت میں حدیثِ نبوی ایک وقت میں صرف ایک ہی طرف توجہ کا تقاضا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہم راویوں کے حالاتِ زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں توجن رجالِ حدیث کی حدیثِ نبوی کے علاوہ کوئی مصروفیت واضح اور نمایاں نظر آتی ہے تو عموماً ان کے ضبط روایت میں کمی محسوس ہوتی ہے، مثلاً کئی ایک راوی جن کو جب منصب قضاء عطاء کیا گیا تو اپنے فرائض کو اداء کرنے کے واسطے ان کی توجہ باقی امور خصوصاً احادیثِ نبویہ کے ضبط وحفظ سے مبذول ہوگئی جس کی وجہ سے ان کی روایات میں اوہام واغلاط کا وقوع ہوتا رہا، اور یہی آگے چل کر اسانید ومتون میں اختلاف کا موجب ٹھہرا۔

اس کی واضح مثال شریك بن عبد الله النخعي رحمہ اللہ ہیں کہ جن کی تخلیط کے بارے میں ابن حبان نے صراحت فرمائی ہے کہ کوفہ کا منصبِ قضاء سنبھالنے کے بعد ان کی روایات میں فرق آگیا تھا[1]۔اسی طرح محمد بن عبدالرحمان بن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ کے بارے میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قضاء کی ذمہ داری نے ان کے حافظہ پر اثر ڈالا تھا جس کی وجہ سے ان کی روایات میں غلطی کا امکان بڑھ گیا تھا[2]۔اس قضیہ کی مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر59:
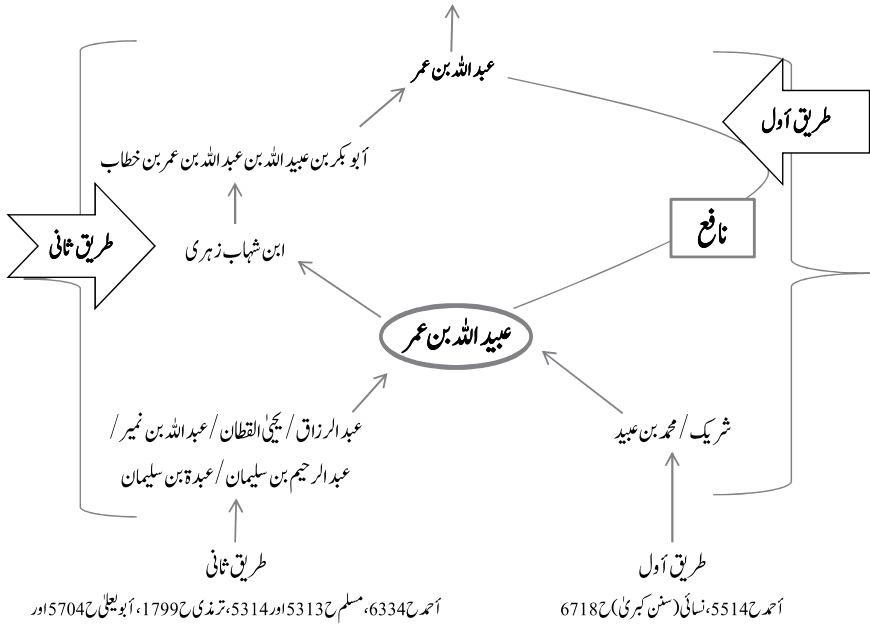
ڈایاگرام نمبر59

[1] اِمام ابن حبان کی "الثقات" 6/444.

[2] الجرح والتعدیل 7/323.

پہلی مثال شريك بن عبد الله النخعي رحمہ اللہ کی ہے جس میں انہوں نے **مدارِ سند** "عبيد الله بن عمر" رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے شريك بن عبد الله نے عبيد الله بن عمر کے باقی شاگردوں کی مخالفت کرتے ہوئے **مدارِ سند** "عبيد الله بن عمر" سے یہ روایت عبد الله بن عمر سے **بواسطہ** نافع رحمہ اللہ نقل کی ہے۔ جب کہ **طریق ثانی** میں عبيد الله بن عمر سے ان کے دیگر شاگرد یہی روایت عبد الله بن عمر سے **بواسطہ** ابن شهاب زهري رحمہ اللہ اور أبو بكر بن عبيد الله رحمہ اللہ، نقل کرتے ہیں جو کہ ڈایاگرام سے بخوبی واضح ہورہا ہے۔

اگرچہ **طریق اَول** میں مُحَمَّد بن عبيد، شريك بن عبد الله کی متابعت کررہے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں **طریق ثانی**، عبيد الله بن عمر کے جلیل القدر تلامذہ پر مشتمل ہے، مذکورہ روایت کے دونوں طرق میں باہم اختلاف کی وجہ یقیناً کوئی نہ کوئی سبب ہوگا، دونوں طرق کے نقل کرنے والے راویوں کے حالات کو گہرائی سے پرکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ محدثین کے مطابق شريك بن عبد الله النخعي نے جب کوفہ کا منصب قضاء سنبھالا تو اس کے بعد ان کی روایات میں فرق آگیا تھا[1]۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام أبو زرعة رحمہ اللہ سے جب اس روایت کے طرق کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے طریق اول کو شريك بن عبد الله کا وہم قرار دیا[2]۔ اور انہی کی تائید میں اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار فرمایا[3]۔ جب کہ اِمام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی اسے "شريك بن عبد الله" کا تفرد قرار دیا ہے[4]۔

---

[1] اِمام ابن حبان کی "الثقات" 6/444.

[2] علل الحدیث 4/364.

[3] العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 13/235.

[4] اِمام طبرانی کی "المعجم الأوسط" حدیث نمبر 5575.

اگلی مثال جو اس مسئلہ کی مزید وضاحت کر رہی ہے، اس کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 60:
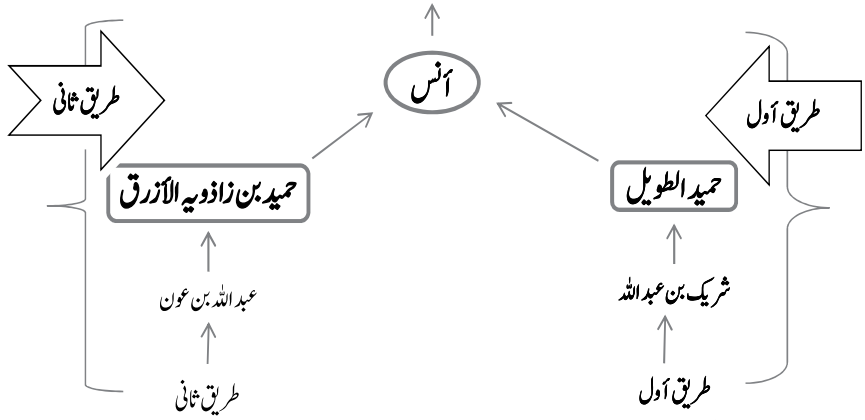
ڈایاگرام نمبر 60

مثال مذکور میں روایت کے دو طرق ذکر ہیں، طریق أول میں شريك بن عبد الله رحمہ اللہ ہیں جو کہ اس روایت کو "حميد الطويل" سے نقل کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں "عبد الله بن عون" یہی روایت "حميد بن زاذويه الأزرق" سے ذکر کرتے ہیں۔ قرائن وآثار سے معلوم ہوتا ہے کہ شريك بن عبد الله کو اس سند میں وہم لاحق ہوا ہے جو کہ ان کا خاصہ ہے، اور انہوں نے حميد الطويل کا ذکر کر دیا۔ جب کہ أئمہ محدثین یہ روایت حميد بن زاذويه الأزرق سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ طریق ثانی کی تخریج سے واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے طریق أول کو شريك بن عبد الله رحمہ اللہ کا وہم قرار دیا[1]۔

[1] العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 12/49.

ڈایاگرام نمبر 61 ملاحظہ ہو:
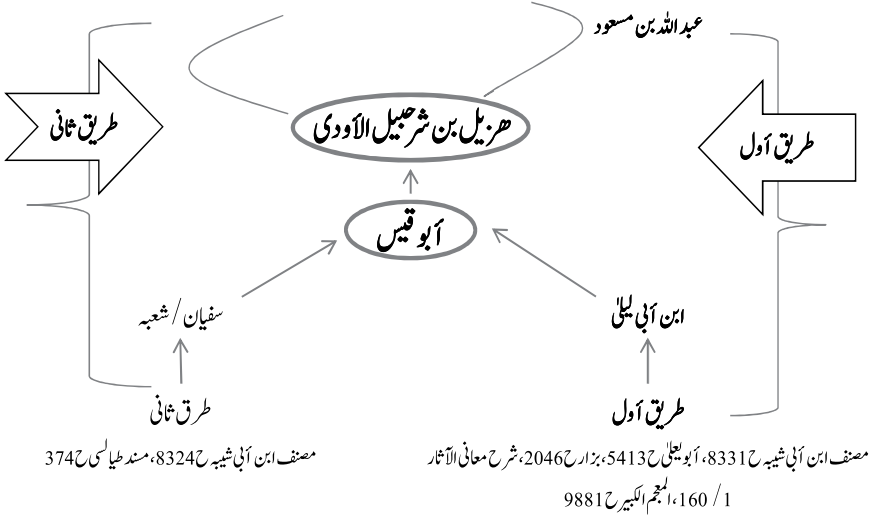
ڈایاگرام نمبر 61

مذکورہ مثال میں "ابن أبی لیلیٰ" رحمہ اللہ کی روایت کا ذکر ہے، یہ بھی ان رواۃ میں سے ہیں کہ جنہیں جب منصبِ قضاء حاصل ہوا تو اس کے بعد ان کے حافظہ میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ مذکورہ روایت سے ان کی اس حالت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، طریق أول جو کہ ابن أبی لیلیٰ سے مروی ہے اس میں وہ روایت کو مدارِ سند "أبو قیس" سے موصول ذکر کرتے ہیں، جب کہ اس روایت کا "اتصالِ سند" انکا وہم ہے۔ حقیقت میں یہ روایت اِمام ثوری رحمہ اللہ اور شعبة رحمہ اللہ، مدار سند "أبو قیس" سے مرسل ذکر کرتے ہیں، جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے اسے ابن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ کی غلطی قرار دیا ہے جس کی بنیادی وجہ ان کا منصب قضاء میں مشغول ہونا تھا[1]۔

[1] علل الحدیث 2/159.

مزید توضیح کے لئے ڈایاگرام نمبر 62 ملاحظہ ہو:
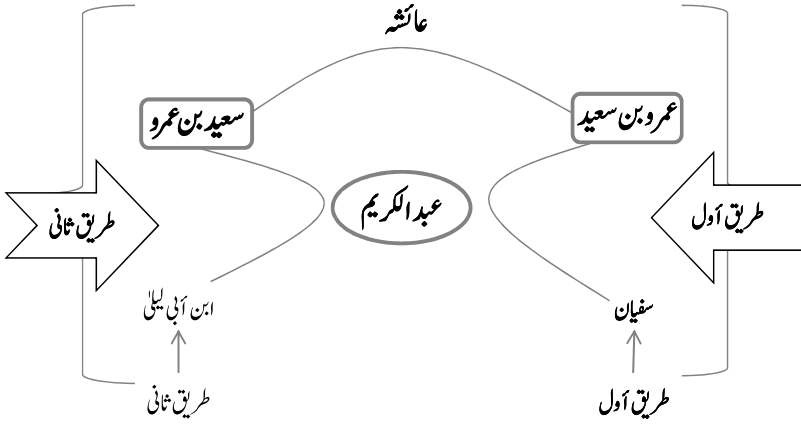
ڈایاگرام نمبر 62

مثال مذکور میں ابن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ کی مزید تخالیط کا ذکر ہے، جیسا کہ دونوں طرق سے واضح ہے کہ سفیان ثوری مدارِ سند "عبد الکریم أبو أمیة" سے روایت کرتے وقت "عمرو بن سعید" کے واسطہ سے نقل کرتے ہیں، جب کہ ابن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ وہی روایت "سعید بن عمرو" نامی راوی سے ذکر کرتے ہیں۔

دونوں طرق کے رواۃ کے مابین اختلاف کی بنیادی وجہ ابن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ ہی ہیں جن کے منصب قضاء کے سنبھالنے کی وجہ سے ان کی روایات میں اوہام کا وقوع عمومی طور سے پایا جاتا ہے [1]۔ اور درحقیقت راوی "عمرو بن سعید بن العاص بن سعید" ہے جو کہ أشدق کے لقب سے معروف ہے۔

[1] علل الحدیث 2/479.
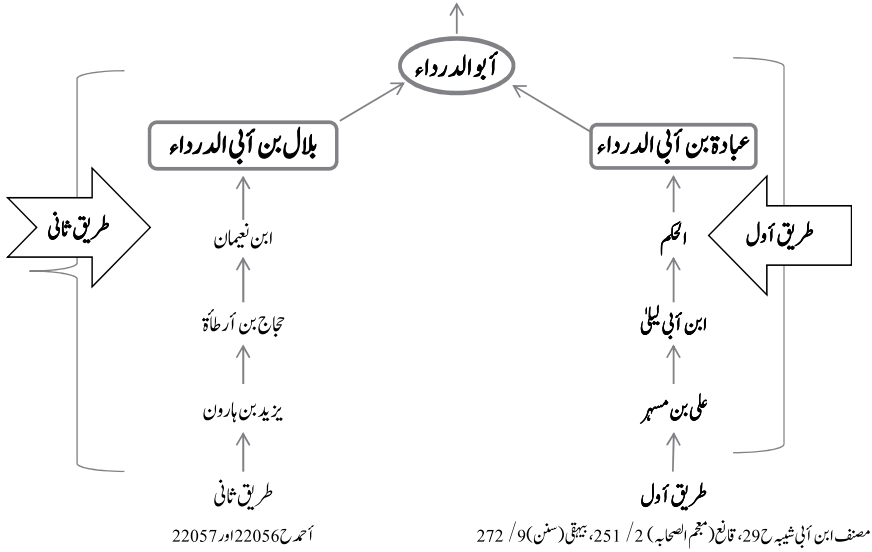
ڈایاگرام نمبر63:

ڈایاگرام نمبر63

روایتِ مذکور تخالیط ابن أبي لیلیٰ رحمہ اللہ کی ایک اور مثال ہے، جس میں ابن أبي لیلیٰ "عبادة بن أبي الدرداء" سے روایت کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں حجاج بن أرطأة، "بلال بن أبي الدرداء" کے واسطے سے روایت نقل کرتے ہیں۔ امام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "أبو الدرداء" کے بیٹوں میں سے کوئی بھی "عبادة" نام کا لڑکا نہیں ہے [1]۔ لہٰذا یہ روایت ابن أبی لیلیٰ رحمہ اللہ کی تخالیط میں سے شکار کی جائے گی، جو کہ انہیں منصبِ قضاء کے تفویض ہونے کے بعد لاحق ہوگئی تھیں۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات سامنے آئی کہ رواۃ احادیث کے مابین متون و أسانید کے اختلاف کا

[1] علل الحدیث 4/505.

ایک سبب منصب قضاء میں مشغول ہونا ہے، جس کی وجہ سے راوی کے حافظہ میں خلل واقع ہوتا ہے، جو کہ آگے چل کر متون وأسانید میں اختلاف پر منتج ہوتا ہے۔

ب. مسائل فقہیہ میں مشغول ہونا

شریعتِ اسلامی کا ایک نہایت اہم ستون فقہ اسلامی ہے جو کہ اپنے ہمہ گیر اصولوں کی بدولت انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ان قواعد اور اصول کا استنباط اور پھر مسائلِ فقہیہ پر ان کا اطلاق کسی بھی فقیہ سے متعدّد مختلف علوم پر دسترس اور عبور کا مطالبہ کرتا ہے۔ جو کہ یقیناً فراغئ وقت کا متقاضی ہوتا ہے اور جس میں مشغولیت کی وجہ سے فقیہ کو احادیث کے ضبط میں تقصیر ونقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ احادیث کی اسانید ومتون سے بے توجہی اسی وجہ سے لازم آتی ہے جب کوئی شخص دوسرے علوم کی طرف متوجہ ہو اور یہی مشغولیت اختلافِ اسانید ومتون پر منتج ہوتی ہے۔

رجال حدیث میں کئی ایسے فقہاء کے اسماء گرامی موجود ہیں جن کے اپنے مدارسِ فقہیہ کافی مشہور ہیں جب کہ روایتِ حدیث میں ان سے تحملِ حدیث کرتے ہوئے محدثین احتیاط کا مطالبہ کرتے ہیں۔ جیساکہ امام شعبة رحمہ اللہ مشہور ومعروف فقیہ حماد بن أبي سليمان رحمہ اللہ کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ ان کے ضبط حدیث میں نقصان اس وجہ سے آیا تھا کہ وہ مسائل فقہیہ میں مشغولیت کی وجہ سے تحمل احادیث کی طرف مکمل متوجہ نہیں ہوپاتے تھے [1]۔ اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے ائمہ محدثین نے قواعدِ جرح وتعدیل کو ترتیب دیا اور اس بات کا اعادہ کیا کہ جو فقہاء صرف فقہ کی طرف زیادہ توجہ فرماتے ہیں انہیں چونکہ اس مشغولیت کی بناء پر احادیث کے متون و اسانید اور ان کی باریکیوں کی طرف زیادہ دھیان اور توجہ دینا مشکل ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان سے اسانید ومتون میں اوہام کا وقوع کثرت سے متوقع ہوتا ہے [2]۔

---

[1] الجرح والتعديل 3/147-148.

[2] شرح علل الترمذي 2/834.

اسی بات کو امام ابن حبان مزید وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ جن فقہاء کا زیادہ تر دھیان، متون اور ان کے احکام کی طرف ہوتا ہے ان کی مرفوع حدیث کے قبول کرنے میں، میں توقف کرتا ہوں کیونکہ اس فقیہ کو مرسل و مسند یا موقوف و منقطع سے ہرگز کچھ مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کا تمام مطمح نظر صرف اور صرف متن اور اس سے متعلق فقہی احکام ہوتے ہیں [1]۔

مزید وضاحت إمام أبو حنيفة رحمہ اللہ کی مذکورہ مثال سے ہوتی ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 64:

ڈایاگرام نمبر 64
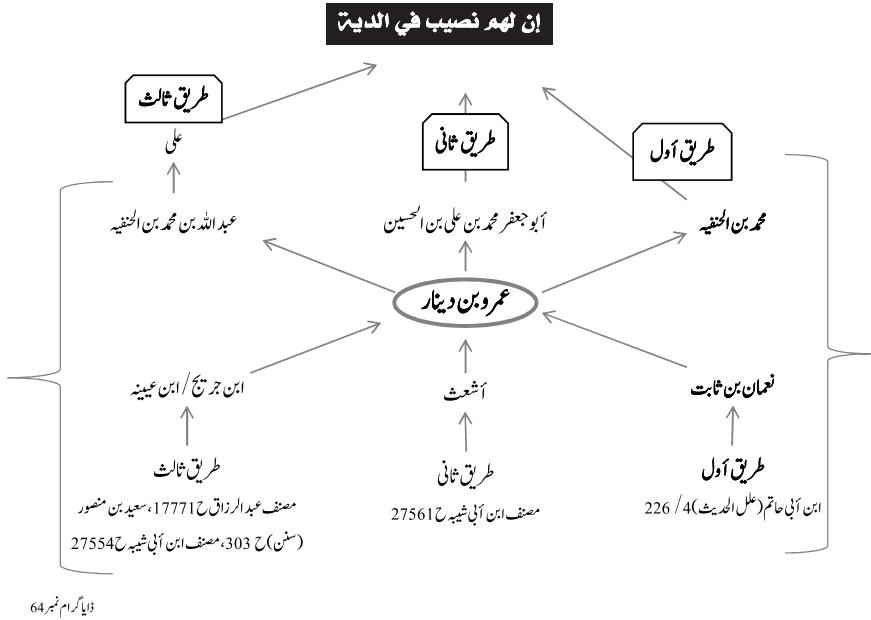
مسئلہ مذکورہ میں روایت کے تین طرق پائے گئے ہیں، طریق أول اور ثانی ضعیف ہیں کیونکہ طریق أول تو معروف فقیہ و مجتہد إمام أبو حنيفة رحمہ اللہ سے منقول ہے جب کہ طریق ثانی أشعث بن سوار رحمہ اللہ سے ذکر کردہ ہے اور وہ بھی ضعیف ہے۔ جب کہ طریق ثالث ابن جريج و ابن عيينة سے روایت کیا گیا ہے اور اسے ہی إمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے کیونکہ طریق أول میں إمام أبو حنيفة

[1] صحيح ابن حبان 1/ 64.

رحمہ اللہ موجود ہیں جو کہ محدثین کے مطابق عموماً اپنی مصروفیات اور فقہی امور میں مشغولیت کے باعث اسانید میں غلطی کر جاتے ہیں اور یہی حال طریق ثانی کا بھی ہے، انہی وجوہات کی بناء پر اَبو حاتم رحمہ اللہ نے طریق ثالث پر تصویب کا حکم لگایا ہے [1]۔

الغرض اس مثال سے معلوم ہوا کہ مسائل فقہیہ میں انشغال بھی اسانید و متون میں اختلاف کا موجب بن سکتا ہے۔

ت. عبادت میں مشغولیت

اس بات کو بارہا ذکر کیا جا چکا کہ احادیثِ نبویہ کا تحمل اور پھر اداءِ روایت راوی سے مکمل یکسوئی کا تقاضا کرتا ہے تاکہ روایات مکمل طور سے حفظ و ضبط میں رہیں اور اغلاط و اوہام سے یقینی حفاظت رہے، جو کہ آگے چل کر اسانید و متون میں اختلاف کا سبب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ امور جن کی وجہ سے راوی کو احادیث کی طرف توجہ کی زیادہ فرصت نہیں ملتی ان میں "عبادت میں مشغولیت" بھی شامل ہے۔

یہ بات محدثین کرام کے اقوال سے بخوبی مترشح ہوتی ہے جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس شہر مدینہ میں کئی صاحب فضل و عبادت گزار لوگ ملے لیکن کسی سے بھی کبھی حدیث کی روایت نہیں کی کیونکہ انہیں علم ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہے ہیں۔ مزید انہوں نے چار قسم کے راویوں سے روایت نقل کرنے سے منع فرمایا جن میں ایک وہ شخص شامل ہے جو عبادت گزار صالح شخص ہو اور اپنی روایت کردہ حدیث کے اسرار و رموز نہ جانتا ہو [2]۔ اسی بات کو امام ابن مندة رحمہ اللہ آگے بڑھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کسی روایت میں کسی زاہد و عابد شخص کو پاؤ تو اس سے ہاتھ دھو لو [3]۔

انہی اقوال کو مد نظر رکھتے ہوئے امام ابن رجب رحمہ اللہ نے باقاعدہ یہ اصول تشکیل دیا کہ صالح، زاہد اور عبادت گزار لوگ جن کو احادیث کے ضبط و حفظ کی فرصت نہ ہو تو ان کی روایات پر اوہام غالب

[1] علل الحدیث 4/226.

[2] العلل ومعرفة الرجال برواية المروذی ص:186،المحدث الفاصل ص:403.

[3] شرح علل الترمذی 2/833.

ہوتے ہیں[1]۔ اس اصول کی باقاعدہ مثال أبان بن أبي عیاش رحمہ اللہ ہیں:

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 65:
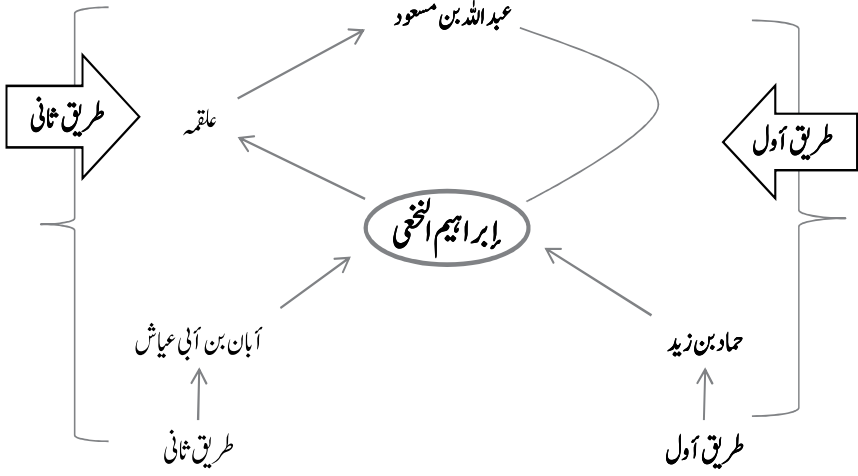
ڈایاگرام نمبر 65

مثال مذکور میں إبراهيم النخعي رحمہ اللہ مدارِ سند ہیں، جب کہ طریق أول میں ان سے روایت کرنے والے حماد بن زید ہیں۔ اور أبان بن أبي عياش طریق ثانی میں علقمة رحمہ اللہ کو ذکر کرتے ہیں۔ جب کہ طریق أول میں حماد بن زید، علقمة کو ساقط کرتے ہیں۔ اور یہی طریق ثانی نقاد محدثین کے نزدیک صحیح ہے۔ کیونکہ أبان بن أبي عياش اگرچہ زہد و تقویٰ اور عبادت میں کمال کو پہنچے ہوئے تھے لیکن إبراهيم النخعي سے روایت حدیث میں ان کا وہ مرتبہ نہیں جو حماد بن زید کا ہے۔ لہٰذا حماد بن زید

[1] شرح علل الترمذی 2/833.

کی روایت کو ترجیح حاصل ہے اور أبان بن أبي عیاش کے زہد و تقویٰ کے باوجود ان کی روایت قابل التفات نہیں۔

اس مثال سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اَسانید و متون میں اختلاف کا ایک انتہائی اہم سبب عبادت و زہد میں مشغولیت ہے جس کی وجہ سے راوی کا دھیان روایتِ حدیث کی طرف نہیں رہتا اور اس سے اَحادیث میں غلطی اور وہم کا صدور ہوتا ہے۔

مبحث ثانی : راوی کا شیخ کے صحیفہ سے بغیر سماع کے روایت حاصل کرنا

ایک اور انتہائی اہم سبب جس کی وجہ سے کسی بھی روایت کی اَسانید و متون میں اختلاف واقع ہونے کا قوی امکان ہوتا ہے وہ راوی کا اپنے شیخ کے مکتوب یا نسخہ سے حدیث اس طریقے سے حاصل کرنا کہ شیخ کے سامنے اسے پڑھا نہ ہو، بلکہ براہِ راست اس کے نسخے سے دیکھ کر روایت شروع کردی ہو، اور اس کی بہترین مثال "عبد الله بن لهيعة "کا" موسیٰ بن عقبة" رحمہ اللہ کی کتاب سے حدیث کا حاصل کرنا ہے، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 66:
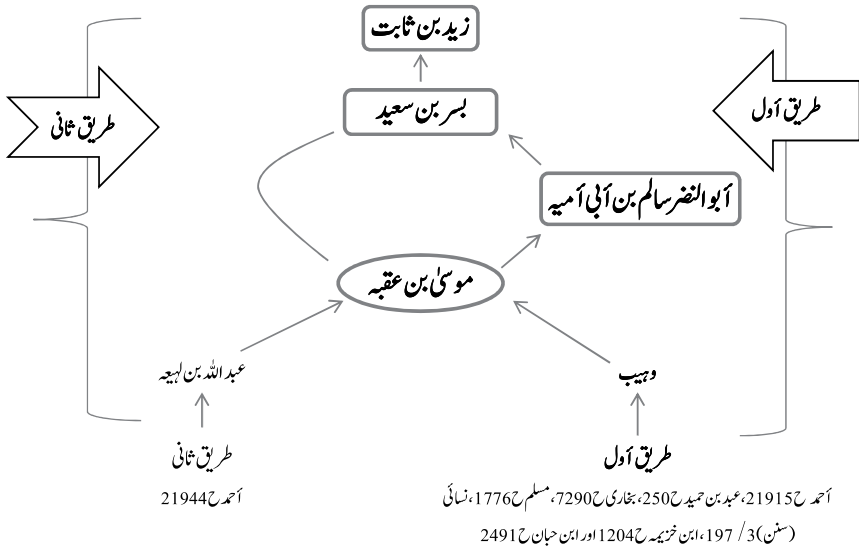
ڈایاگرام نمبر 66

مذکورہ مثال میں "عبد الله بن لهيعة" سے متن وسند دونوں میں غلطی صادر ہوئی ہے، جوکہ ڈایاگرام سے واضح ہے۔ یہ روایت عبد الله بن لهيعة نے موسیٰ بن عقبة کی کتاب سے ان کے سامنے پڑھے بغیر حاصل کر لی تھی اور بعد میں اسے روایت کرتے رہے، اور متن میں "احتجر" کی جگہ "احتجم"

پڑھتے رہے، جب کہ سند میں موسیٰ بن عقبة رحمہ اللہ سے براہِ راست بسر بن سعید کی روایت ذکر کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں بخاری رحمہ اللہ و مسلم رحمہ اللہ کی روایت میں موسیٰ بن عقبة کے ایک دوسرے شاگرد وھیب "عبد الله بن لهيعة" کی مخالفت کرتے ہوئے موسیٰ بن عقبة اور بسر بن سعید کے درمیان "أبو النضر سالم بن أبي أمية" کا اضافہ کرتے ہیں، اور یہی طریق محدثین کے مطابق صحیح ہے۔ جیسا کہ اِمام مسلم رحمہ اللہ نے اسے تفصیل سے واضح کیا ہے[1]، جب کہ اِمام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے[2]۔

اس مثال سے واضح ہوا کہ اختلافِ اَسانید و متون کا ایک بڑا سبب راوی کا اپنے شیخ سے نسخہ کے حصول کے وقت غافل ہونا بھی ہو سکتا ہے، بایں صورت کہ وہ شیخ کے مکتوب سے حدیث نقل کرے لیکن اسے شیخ کے سامنے پڑھ کر اپنی اصلاح نہ کی ہو، تو آگے چل کر یہ غفلت سند و متن میں اختلاف کا موجب ہو سکتی ہے۔

[1] اِمام مسلم کی کتاب "التمييز" ص:187.

[2] اِمام ابن الصلاح کی کتاب "مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث" ص:280.

مبحث ثالث: مذاکرہ

ایک انتہائی اہم سبب "مذاكرة بين المحدثين" ہے، جوکہ راویانِ حدیث کے مابین متون وأسانید میں اختلاف کا موجب بنتا ہے۔ مذاکرہ محدثین کے ہاں ایک خاص اصطلاح ہے، جوکہ "کسی مجلس میں أحادیث کو یاد کرنے، اسکے محفوظ کرنے یا أحادیث میں غرابت کو بیان کرنے اور اس میں تفرد پر فخر کرنے[1]، یا کسی خاص شیخ، یا کسی خاص باب، یا کسی خاص علاقے کی روایات کو ایک دوسرے کے سامنے پیش کرنا" سے عبارت ہے[2]۔

متقدمین علماء کے ہاں مذاکرہ کی ایسی تعریف تو نہیں پائی جاتی تاہم ان کی کتب کے استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں مذاکرہ کا خاص اہتمام پایا جاتا رہا ہے۔ اور اسکے لئے انہوں نے اپنی اپنی تصانیف میں خصوصی أبواب باندھے ہیں[3]۔

محدثین أحادیث کی حفاظت وتدوین کے لئے خصوصی مجالس منعقد کیا کرتے تھے، جس میں طلباء حاضر ہوتے اور تحملِ حدیث کے مختلف أسالیب کے ساتھ أحادیث کو یاد کرتے اور إملاء کرتے، لیکن مذاکرہ کی مجالس اس سے بالکل مختلف ہوتیں، ان مجالس کا بنیادی مقصد ہی محفوظ کی گئی أحادیث کی مراجعت کرنا ہوتا تھا، یہی وجہ ہے کہ ایسی مجالس میں تساہل کا در آنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں ہوتی تھی، جیساکہ خود محدثین عظام میں سے إمام عبد الرحمٰن بن مهدي رحمہ اللہ، خطيب بغدادی رحمہ اللہ، إمام العلائي رحمہ اللہ اور إمام ذهبي رحمہ اللہ کے أقوال اس پر دلالت کرتے ہیں[4]۔

اسی تساہل کی بدولت روایات میں أوہام اور غلطیاں واقع ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر أوقات محدثین ایسی روایات پر کلام کرتے ہیں اور ان پر ضعف کا حکم لگاتے ہیں، وضاحت کے لئے مثال

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: إمام معلمی کی "التنكيل" 2/522.

[2] دیکھئے: شیخ عبد اللہ اللاحم کی کتاب "الجرح والتعديل" ص:62. اور حاتم شریف کی "شرح الموقظة" ص:170.

[3] دیکھئے: مصنف ابن أبی شیبہ 8/545، سنن دارمی 1/155، إمام حاکم کی "معرفة علوم الحديث" ص:140.

[4] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الجامع لأخلاق الراوى وآداب السامع 2/37، الكفاية ص:396، جامع التحصيل ص:95، الموقظة ص:64.

ملاحظہ ہو داؤد بن زبرقان کی روایت، دیکھئے ڈایاگرام نمبر 67:
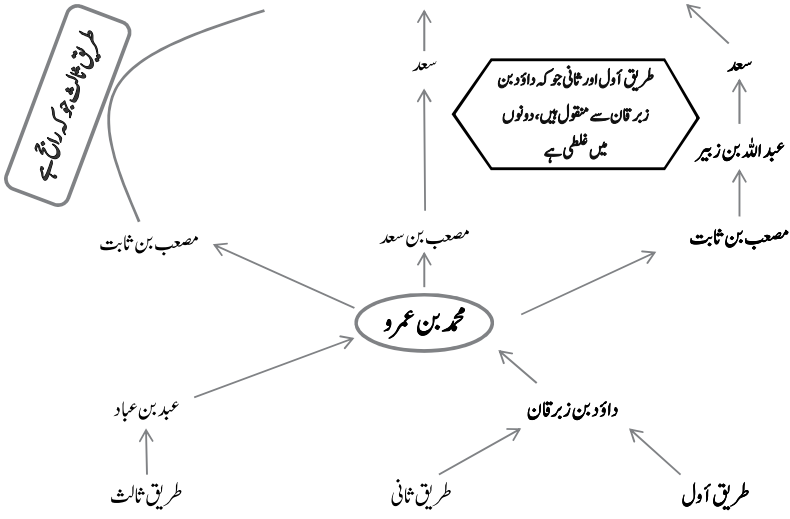
یہ تینوں طرق تلاش بسیار کے باوجود کتب حدیثیہ میں نہیں مل سکے، البتہ اِمام دار قطنی نے اپنی کتاب "العلل الواردة فی الأحادیث النبویہ میں ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے، دیکھئے 4/310

ڈایاگرام نمبر 67

مذکورہ مثال میں مدارِ سند "مُحَمَّد بن عمرو" سے ان کے أصحاب تین طرق روایت کرتے ہیں، جن میں سے دو طرق "داؤد بن زبرقان" سے مروی ہیں، جب کہ طریق ثالث "عباد بن عباد" سے مروی ہے داؤد بن زبرقان رحمہ اللہ کے بارے میں محدثین فرماتے ہیں کہ اگرچہ وہ شیخ اور صالح آدمی تھے، لیکن حدیث کے مذاکرہ کے دوران ان سے غلطیاں واقع ہوتی تھیں، لہٰذا جب اپنے حافظہ سے روایت کی کوشش کرتے تو ثقات کی مخالفت کرتے ہوئے پائے گئے، اور یہ ان کی عمومی حالت ہوتی تھی[1]۔ یہی وجہ کہ اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی طریق ثالث کو جو کہ مرسل ہے، اسے راجح قرار دیا ہے[2]۔ لہٰذا داؤد بن زبرقان کی روایات ان کے مذاکرہ میں غلطیوں کی وجہ سے عموماً قابل التفات نہیں ہیں۔

[1] ملاحظہ ہو: اِمام ابن حبان کی "المجروحین" 1/357.

[2] العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 4/310.

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 68:
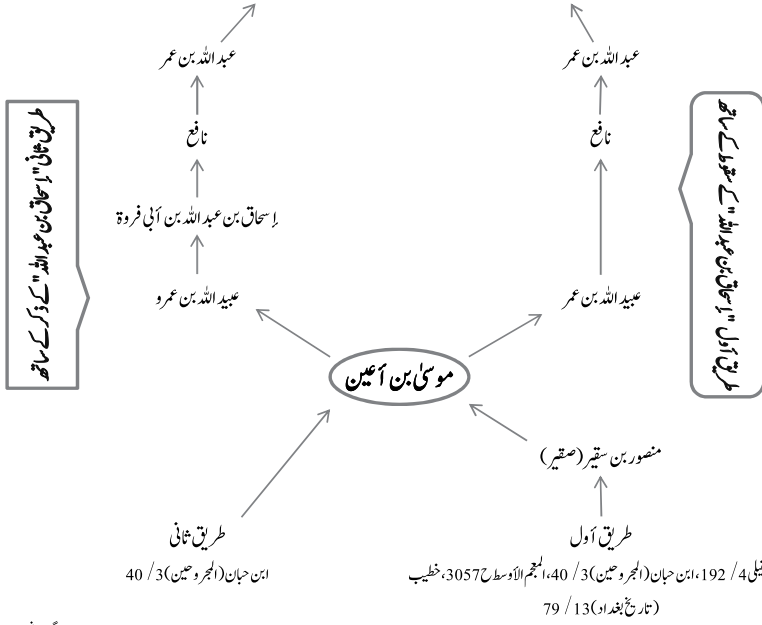
ڈایاگرام نمبر 68

إمام ابن حبان رحمہ اللہ مذکورہ سند کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ روایت مقلوب ہے اور میں نے اس کی بحث و تفتیش کی لیکن مجھے اس کی کوئی اصل نہ مل سکی، سوائے إسحاق بن أبي فروة کی روایت کے، پھر اس سند کی تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مدارِ سند موسیٰ بن أعين نے گویا عبيد الله بن عمرو سے بطور مذاکرہ بواسطہ إسحاق بن أبي فروة یہ حدیث سنی، اور آگے روایت کردی، جب کہ منصور بن سقير نے جب یہ روایت سنی تو اس نے إسحاق بن أبي فروة کو ساقط کرنے کے ساتھ ساتھ "عبيد الله بن عمرو" میں سے عمرو کا "واؤ" بھی گرا دیا جس سے عبيد الله بن عمر بن گیا، جو کہ غلط ہے[1]۔ حقیقت میں طریقِ ثانی ہی أصح و راجح ہے، جس کی طرف إمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے بھی اشارہ فرمایا ہے[2]۔

[1] إمام ابن حبان کی "المجروحین" 3/40.
[2] علل الحدیث 5/154.

مبحثِ رابع : راوی/محدث کا شدت احتیاط

اگلا سبب جس کی وجہ سے عموماً روایات میں اختلافِ سند یا متن کا وقوع ہوتا ہے، وہ کسی بھی محدث کا شدت احتیاط کی وجہ سے روایتِ حدیث میں تردد کا رویہ اپنانا ہے، اسی احتیاط کی وجہ سے اگر کسی مقام پر راوی کو شک ہوتا ہے تو وہ روایت ترک کر دیتا ہے یا اگر سند کے مرفوع یا موصول ہونے میں تردد ہو تو موقوف یا مرسل نقل کرنا مناسب سمجھتا ہے، اگرچہ کبھی کبھی یہ مرجوح روایت ہی راجح ہوتی ہے، اور یقینی طور سے مذکورہ روایت کا مرفوع یا موصول ہونا ہی اَصل ہوتا ہے، لیکن اپنی حد درجہ محتاط طبیعت کے باعث وہ موقوف یا مرسل نقل کر دیتا ہے، ان محتاط ائمہ میں مُحَمَّد بن سيرين رحمہ اللہ، أيوب السختياني رحمہ اللہ، عبد الله بن عون رحمہ اللہ اور حماد بن زيد رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ شامل ہیں۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو مُحَمَّد بن سيرين کی روایت ڈایاگرام نمبر 69:

ڈایاگرام نمبر 69
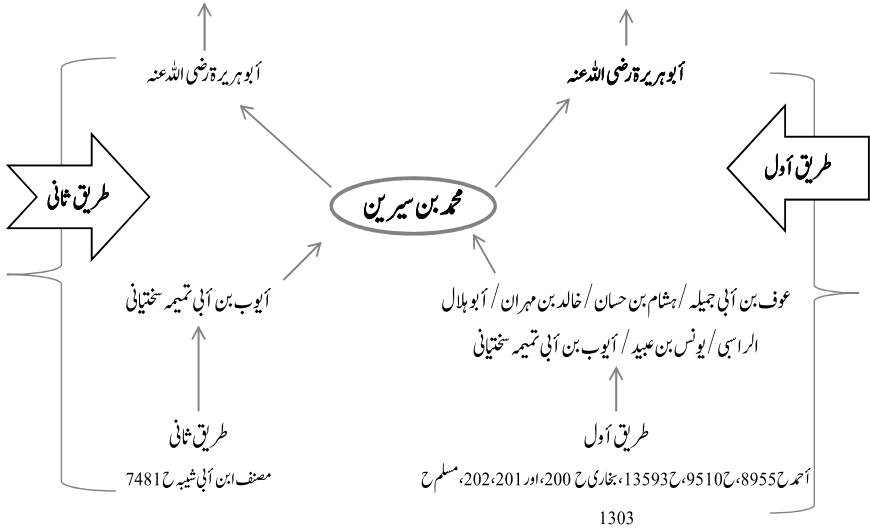
مذکورہ روایت مدارِ سند "محمد بن سیرین" رحمہ اللہ سے دو طرق سے مروی ہے، اور ان کے تلامذہ کے مابین اس سند کے مرفوع و موقوف ہونے میں اختلاف واقع ہوا ہے، تاہم محدثین کے نزدیک اس اختلاف کا بنیادی سبب "محمد بن سیرین" کی اپنی محتاط طبیعت کا زیادہ عمل دخل رہا ہے، کیونکہ ائمہ علل فرماتے ہیں کہ ابن سیرین رحمہ اللہ کی یہ عادت تھی کہ احتیاط اور ورع کے سبب عموماً مرفوع اَحادیث کو موقوف نقل کرتے تھے[1]۔

اس مثال سے معلوم ہوا کہ اَسانید و متون میں اختلاف کا ایک بنیادی اور اَہم سبب رجالِ حدیث کی محتاط طبیعت بھی ہے، جسکی وجہ سے وہ رفع و وقف یا وصل و ارسال میں شک کی بناء پر مرفوع سند نقل کرتے اور کبھی اس کے برعکس۔

اس سلسلے کی اگلی مثال امام مالک کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 70:
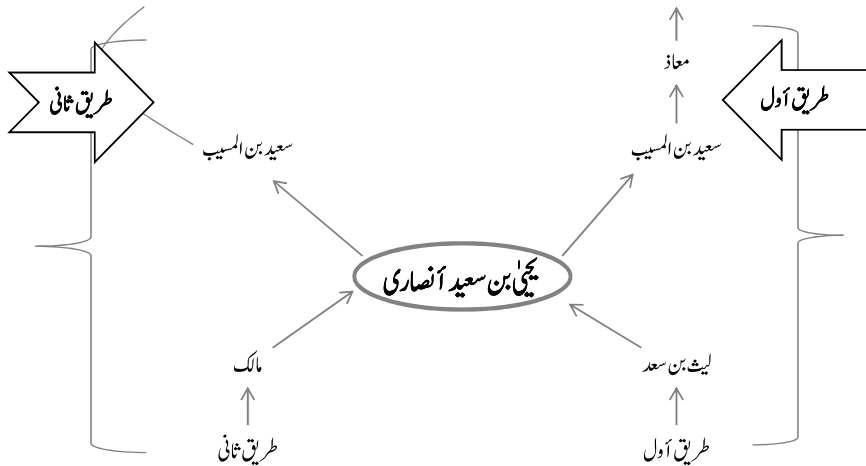
باوجود کوشش اور تلاش کے مذکورہ دونوں طرق کتب حدیثیہ میں نہیں مل سکے، سوائے امام دارقطنی کی کتاب " العلل الواردة في الأحاديث النبوية 6/ 63 " میں، جبکہ اس کتاب کے محقق نے بھی کسی قسم کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا۔

ڈایاگرام نمبر70

[1] ملاحظہ ہو: العلل الواردة فی الأحاديث النبوية 10/ 28

اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت ذکر کرنے کے بعد مدارِ سند "يحيي بن سعيد الأنصاري" رحمہ اللہ سے اس کے دو طرق ذکر کئے ہیں جن میں سے طریق اَول میں لیث بن سعد اس روایت کو مرفوع نقل کر رہے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں اِمام مالک رحمہ اللہ اُن کی مخالفت کرتے ہوئے اسے سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول گردانتے ہیں، تاہم اِمام دارقطنی رحمہ اللہ لیث بن سعد کے قول کو صحیح قرار دیتے ہوئے اِمام مالک رحمہ اللہ کی طرف اس بات کو منسوب کرتے ہیں کہ وہ عموماً اپنی محتاط طبیعت کے باعث مرفوع اَحادیث کو مرسل اور کبھی راوی کو ساقط کرتے ہوئے روایات ذکر کر دیتے تھے[1]، جہاں بھی کسی قسم کا انہیں روایت کے متن یا سند میں تردد ہوتا تھا تو یہی رویہ اپناتے تھے۔

ان اَمثلہ سے یہ وضاحت ہوگئی کہ اَسانید و متون میں اختلاف کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ رجالِ حدیث احتیاطاً روایات میں رفعِ حدیث نہیں کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ سے روایت کو منسوب کرنے کی بجائے اس بات کو ترجیح دیتے تھے کہ اسے موقوف یا مرسل ذکر کر دیا جائے۔ جس کی وجہ سے آگے چل کر راویوں کے مابین سند یا متن میں اختلاف واقع ہو جاتا تھا۔

[1] ملاحظہ ہو: العلل الواردة فی الأحادیث النبویة 6/ 63

مبحث خامس : تلقین

اگلا سبب جس کی وجہ سے متون و اَسانید میں اختلاف واقع ہوتا ہے وہ "تلقین" ہے، محدثین کے نزدیک تلقین سے مراد یہ ہے کہ کسی محدث کو روایتِ حدیث کے دوران اس روایت کی سند یا متن میں کسی قسم کی زیادت یا نقصان کی تلقین کی جائے اور وہ اس تلقین کو قبول کرتے ہوئے اُس روایت میں ان الفاظ و کلمات کا اضافہ کر دے جو حقیقت میں اس کی روایت میں موجود ہی نہ ہوں، یا ان الفاظ کی کمی کر دے جو در حقیقت اس روایت میں موجود ہوں۔

مثال کے طور پر ایک طالب علم اپنے شیخ سے حدیث سنتے ہوئے اسے لقمہ دے کہ آپ کو فلاں استاذ نے یہ حدیث فلاں سند کے ساتھ بتائی تھی اور وہ شیخ بھی اپنے ضعفِ حافظہ، غفلت یا روایت کرتے وقت کتب کی عدم موجودگی کے سبب یا تلقین کرنے والے پر حسنِ ظن کی وجہ سے یا اس جیسے دیگر ایسے عوامل جس کی وجہ سے یہ شیخ اسے اپنی ہی روایت سمجھتے ہوئے حدیث بیان کرنا شروع کر دے، حالانکہ حقیقت میں وہ اس کی روایت ہی نہ ہو، اسے تلقین کہتے ہیں۔

اس وجہ سے عموماً شیوخ، روایت کی سند یا متن میں ایسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھتے ہیں جس کی وجہ سے متون یا اَسانید میں اختلاف پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ جس کا سبب محدث کا "تلقین" قبول کرنا ہوتا ہے۔

اس سبب کی وضاحت کیلئے "لیث بن سعد" کی درج ذیل روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 71:
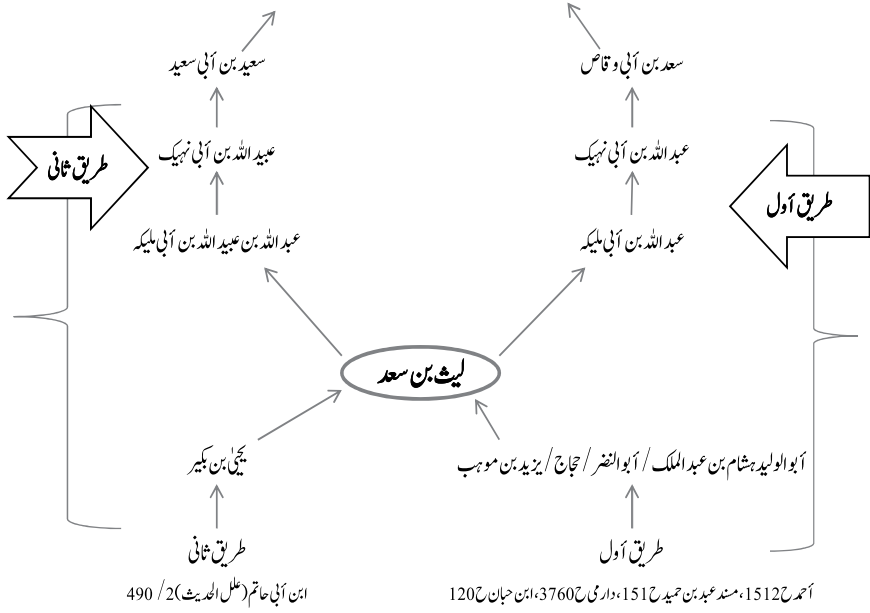
ڈایاگرام نمبر71

جب اِمام أبو زرعة رحمہ اللہ سے اس روایت کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے صراحتًا طریق أول کی بابت فرمایا کہ دراصل "لیث بن سعد" رحمہ اللہ کی کتاب میں یہ روایت "سعید بن أبي سعید" رحمہ اللہ سے ہی مروی موجود تھی، لیکن جب لیث بن سعد سفر کے دوران عراق میں موجود تھے تو انہیں وہاں پر روایتِ حدیث کے دوران تلقین کی گئی اور اس روایت کو سعد سے منقول بتایا گیا تو انہوں نے وہاں پر اپنے صحائف کی عدم موجودگی کی بناء پر اس تلقین کو قبول کرتے ہوئے مذکورہ روایت کو سعد بن أبي وقاص رحمہ اللہ سے نقل کر دیا[1]، جو کہ سند میں اختلاف کا باعث بنا۔ معلوم ہوا کہ "تلقین" بھی اسبابِ اختلاف میں سے ایک اہم سبب ہے۔ اس سلسلے کی اگلی مثال "قعنبي" رحمہ اللہ کی روایت ہے،

[1] دیکھئے: اِمام ابن أبی حاتم کی علل الحدیث 2/ 490.

ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 72:
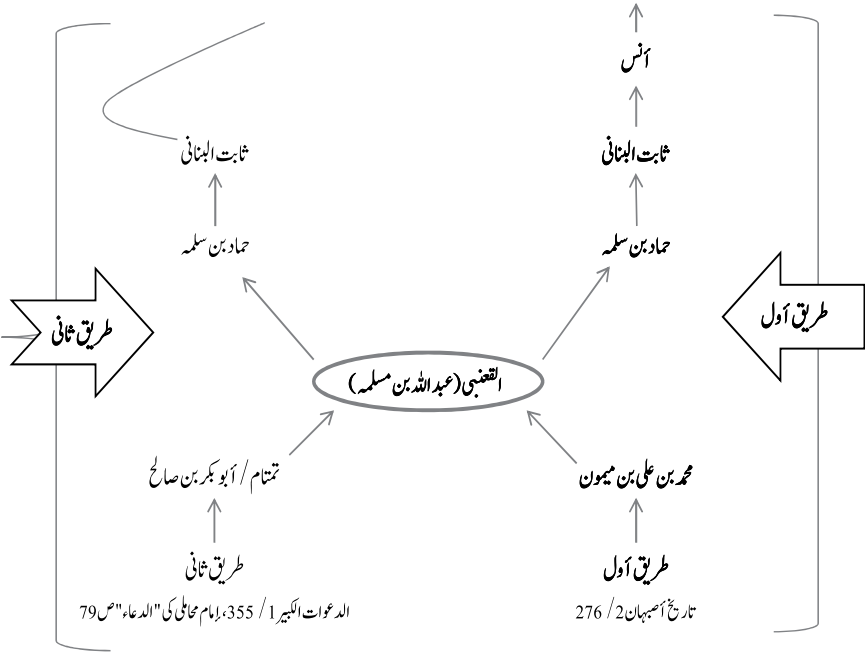
ڈایاگرام نمبر 72

مذکورہ روایت کے بارے میں اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ در حقیقت یہ طریق ثانی کے مطابق مرسل مروی ہے اور یہی صحیح ہے، لیکن اس روایت کے مدارِ سند "عبد الله بن مسلمة القعنبي" رحمہ اللہ کو کسی موقع پر رواۃ کی جانب سے تلقین کا سامنا کرنا پڑا، جس کی وجہ سے انہوں نے اس روایت کو أنس رضی اللہ عنہ سے موصولاً روایت کردیا۔ جو کہ سند میں اختلاف کا سبب بنا[1]۔

اگرچہ عبد الله بن مسلمة القعنبي ثقہ راوی تھے اور محدثین کرام خصوصاً ابن معین اور ابن

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 5/ 401.

المديني باقی رجالِ حدیث پر انہیں مقدم رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی اس ثقاہت کی بدولت تلقین قبول نہیں کرتے تھے، لیکن ایک موقع پر جعفر بن عبد الواحد نے انہیں حدیث کی روایت کے دوران تلقین کی جو انہوں نے قبول کرلی جس کی وجہ سے ان کی روایت میں اختلاف پیدا ہوا۔

کبھی کبھی مشہور و معروف راوی بھی بامر مجبوری تلقین قبول کر لیتے ہیں، اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جو شخص تلقین کر رہا ہوتا ہے اس کی علو منزلت، جلالتِ شان اور امامت کی وجہ سے راوی اس کی مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا اور اس کی بتائی ہوئی تلقین کو کومِن وعَن کو قبول کرتے ہوئے اپنے آپ کو متّہم کر لیتا ہے، جیسا کہ أبو عوانة الوضاح رحمہ اللہ کے ساتھ واقعہ پیش آیا جب انہوں نے شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کی غلطی کو ہو بہو اپناتے ہوئے انہی کی طرح سند نقل کر دی، جس کی وضاحت دیئے گئے ڈایا گرام نمبر 73 سے بخوبی ممکن ہوگی:
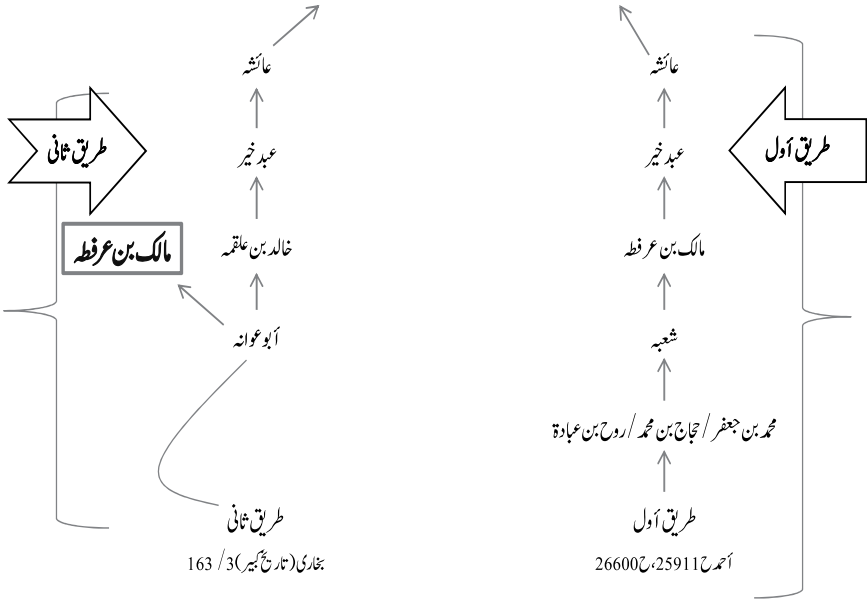
مذکورہ روایت کے طریقِ اَول میں شعبة بن الحجاج عائشة رضی اللہ عنہا سے یہ روایت بواسطہ "مالك بن عرفطة" نقل کرتے ہیں، جب کہ أبو عوانة الوضاح اسے کبھی "خالد بن علقمة" سے اور کبھی "مالك بن عرفطة" سے نقل کرتے ہیں۔

حقیقت یہ تھی کہ أبو عوانة نے یہ روایت "خالد بن علقمة" سے سنی تھی، لیکن ایک موقع پر روایت کرتے وقت انہیں شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ نے ٹوکتے ہوئے اس روایت کو "مالك بن عرفطة" کی روایت بتلایا، جس کی وجہ سے أبو عوانة رحمہ اللہ نے تلقین قبول کرتے ہوئے اسے مالك بن عرفطة سے روایت کر دیا، اگرچہ شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کو ہمیشہ کی طرح یہاں بھی راوی کے اسم میں شبہ ہوا اور انہوں نے اسمِ راوی میں غلطی کر دی، جب کہ حقیقت میں یہ راوی "خالد بن علقمة" ہی تھا، جیسا کہ خود أبو عوانة فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب کو رجوع کیا تو وہاں "خالد بن علقمة" ہی لکھا ہوا تھا۔ گویا کہ أبو عوانة نے بعد میں صحیح نام کی طرف رجوع کر لیا تھا۔

مختصر یہ کہ یہاں شعبة بن الحجاج کی تلقین کو ان کی ہیبت اور جلالتِ شان کی وجہ سے أبو عوانة نے قبول کرتے ہوئے مالك بن عرفطة سے نقل کر دیا، اگرچہ شعبة بن الحجاج بذاتِ خود صراحتاً اس معاملے میں غلطی پر تھے[1]۔

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: إمام بخاری کی "التاریخ الکبیر" 3/163 اور تهذيب التهذيب 3/108.

مبحث سادس : إدخال علی الشیخ

اسی سے ملتا جلتا سبب اور اسی تلقین کے قریب قریب ایک اور اصطلاح بھی محدثین کے ہاں معروف ہے، جسے "إدخال علی الشیخ" کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو کہ أسانید و متون کے مابین اختلاف کا موجب ٹھہرتا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ تلقین میں "ملقَن" کو علم ہوتا ہے جب کہ "إدخال علی الشیخ" میں اُسے علم نہیں ہوتا، اسی طرح تلقین بالمشافہ ہوتی ہے جب کہ إدخال علی الشیخ کتاب/صحیفہ میں ہوتا ہے[1]۔

ان دونوں اصطلاحات میں اتنا قریبی تعلق ہے کہ عموماً ان دونوں میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ أئمہ محدثین ان دونوں اصطلاحات کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کرنے میں کسی قسم کا تردد کا اظہار نہیں کرتے، جیسے گذشتہ مثال میں عبد اللہ بن مسلمة القعنبي کا واقعہ ذکر کیا گیا، جس میں أبو حاتم رحمہ اللہ نے اُسے تلقین قرار دیا جب کہ امام أبو زرعة رحمہ اللہ نے اُسے "إدخال علی الشیخ" سے تعبیر کیا[2]۔

اگر کہیں کسی بھی طریقے سے حدیث کی علت کا سبب واضح نہ ہو سکے تو محدثین کے ہاں عموماً اسے ہی یعنی " إدخال علی الشیخ "کو ہی اختلافِ سند و متن کا سبب مانا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات محدثین اس سبب کی طرف "لَعَلَّ" یا "أَخَافُ" (گویا) کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں، مثال کے طور پر جب امام أبو حاتم رحمہ اللہ سے حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا جس کا متن درج ذیل ہے " عن عائشة؛ قالت: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: السخي قريب من الله، قريب من الجنة، قريب من الناس، بعيد من النار" کے بارے میں استفسار کیا گیا تو انہوں نے اس کے بطلان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، "أخاف أن يكون أدخل له"[3]، مذکورہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ امام أبو حاتم رحمہ اللہ کو اس حدیث کے بطلان

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر ماہر یاسین الفحل کی: الجامع فی العلل والفوائد 1/94.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 5/401.

[3] دیکھئے: علل الحدیث 6/97.

کے بارے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں اور اس میں موجود علت کے بارے میں وہ مکمل طور سے پُر اعتماد ہیں، تاہم سببِ علت چونکہ مکمل طور سے واضح نہیں ہے لہٰذا انہوں نے "إدخال علي الشيخ" کا سہارا لے کر سببِ اختلاف کی طرف اشارہ فرمادیا۔

اسی طرح کا قول ایک دوسری روایت کے بارے میں امام عقیلي رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے جب ان سے روایتِ عبد العزیز بن معاویة کے بارے میں پوچھا گیا جو انہوں نے أبو زید الأنصاری سے روایت کی، فرماتے ہیں، "قال رسول الله ﷺ یؤم القوم أقرؤهم لکتاب الله"[1]، تو انہوں نے فرمایا "هذاحدیث منکرلا أصل له ولعله أدخل علیه" گذشتہ قول کی طرح امام ابن حبان کے اس قول کی ساخت بھی بتا رہی ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ کو اس روایت کے منکر ہونے میں تردد نہیں، لیکن سببِ علت کے واضح نہ ہونے کی وجہ سے وہ اسے "إدخال علی الشیخ" کی کارستانی کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں۔

الغرض یہ بھی ایک انتہائی اہم سبب ہے جس کی وجہ سے متون وأسانید میں اختلاف واقع ہوتا ہے اور کتب حدیثیہ عموماً اور أحوالِ رجال کی کتب خصوصاً ان صفات کے حامل رواۃ کے بارے میں اشارہ کرتی پائی گئی ہیں[2]، بلکہ بسا اوقات تو محدثین نے کسی بھی راوی کا تمام نسخہ ادخال علی الشیخ کی بناء پر مسترد کردیا اور اس سے روایت کو احتجاج کے قابل نہیں سمجھا، جیسا کہ "عبید بن کثیر بن عبد الواحد التمار" کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ کا قول ہے کہ انہوں نے "أبان بن تغلب" سے حسن بن فرات کے واسطہ سے نسخہ مقلوبہ روایت کیا ہے، اور اس صحیفہ کے مقلوب ہونے کی واحد وجہ "إدخال علی الشیخ" تھا[3]۔

تاہم محدثین ان رواۃ کی اس بے چارگی کا لحاظ کرتے ہوئے اور فطرت کی طرف سے طاری شدہ

---

[1] الثقات لابن حبان 8/397.

[2] ملاحظہ ہو: میزان الاعتدال 1/697 اور لسان المیزان 7/377.

[3] المجروحین 2/176.

ضعفِ حافظہ، ضعف بصر یا کسی بھی دوسرے سبب کے طفیل إدخال علی الشیخ جیسے عیب سے دوچار ہونے کے بعد ان پر اتہام کا الزام نہیں لگاتے بلکہ انہیں معذور جانتے ہوئے ان کی بے بسی و بے چارگی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ امام ذہبی نے اپنی کتاب میں ایسے ہی ایک راوی "هارون بن أحمد القطان أبو القاسم" کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے اس کی بے چارگی کو "مسکین" کے لفظ سے تعبیر کیا[1]۔ إدخال علی الشیخ کے طفیل متروک الروایہ ہونے والے رواۃ میں قیس بن الربیع، أبو صالح (جو کہ لیث بن سعد کے کاتب تھے)، اور سفیان بن وکیع بن الجراح شامل ہیں[2]۔

اس سبب کے عموم کی وجہ سے محدثین کرام اس کی طرف انتہائی باریک بینی سے توجہ کرتے ہیں جیسا کہ مشہور و معروف روایت جو کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، "أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان في غزوة تبوك إذا ارتحل قبل أن تزيغ الشمس أخر الظهر حتى يجمعها إلى العصر فيصليهما جميعا، وإذا ارتحل بعد زيغ الشمس صلى الظهر والعصر جميعا ثم سار، وكان إذا ارتحل قبل المغرب أخر المغرب حتى يصليها مع العشاء، وإذا ارتحل بعد المغرب عجل العشاء فصلاها مع المغرب". اس روایت کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے قتيبة بن سعيد رحمہ اللہ سے استفسار کیا کہ آپ نے یہ روایت کس کے ساتھ بیٹھ کر "لیث بن سعد" سے لکھی تو انہوں نے فرمایا کہ خالد بن القاسم المدائني کے ساتھ بیٹھ کر یہ روایت لکھی گئی۔ یہ بات سنتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ خالد بن القاسم المدائني عموماً شیوخ کی أحادیث میں إدخال کے مرتکب ہوتے تھے، جس کی وجہ سے مذکورہ روایت بھی معلل قرار پائی گئی، کتب حدیثیہ میں یہ قصہ انتہائی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے[3]، اس کو ذکر کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ یہ باور کروایا جائے کہ محدثین کرام کتنی باریک بینی اور عرق ریزی کے ساتھ روایاتِ حدیث

---

[1] میزان الاعتدال 7/59. مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد 14/35، الکشف الحثیث ص 811.

[2] مزید تفصیل کے لئے امام ابن أبي حاتم کی کتاب علل الحدیث کا مقدمہ 1/134-137، جب کہ اس پر مزید تحقیقی کام بھی ہو سکتا ہے.

[3] تفصیل کے لئے: علل الحدیث 1/138، "معرفة علوم الحديث "ص 120.

کی تفتیش اور جانچ پڑتال کرنے کے بعد کسی بھی قسم کا فیصلہ انتہائی احتیاط کے ساتھ صادر فرماتے تھے۔

یہ کچھ اسباب ذکر کئے گئے جن کی وجہ سے عموماً اَسانید و متون میں اختلاف واقع ہوتا ہے اور جو آگے چل کر اَحادیث میں علت کا باعث بنتے ہیں، جب اَسباب کا تعین ہو جائے کہ کس سبب کی بنیاد پر روایت میں رواۃ کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے تو پھر ان مختلَف فیہ روایات کے درمیان ترجیح کے لئے قرائن کی ضرورت پڑتی ہے اُصول حدیث کی اصطلاح میں ان قرائن کو "قرائنِ ترجیح" سے یاد کیا جاتا ہے، اگلے باب میں ان شاءاللہ ان قرائن سے تفصیلی بحث کی جائے گی۔

باب ثالث : قرائنِ ترجیح

فصل اَول: مدارِ سند سے متعلق قرائن

مبحث اَول: مدارِ سند کی کتب میں مذکورہ روایت کا فقدان

مبحث ثانی: اَماکن کے بدلنے سے مدارِ سند کی روایات میں فرق آنا

مبحث ثالث: مدارِ سند کا اپنے شیخ پر عدم اعتماد کی وجہ سے طرق میں اختلاف

مبحث رابع: مدارِ سند کے شیخ سے روایت میں تردد کا اظہار

مبحث خامس: مدارِ سند کے ایک سے زیادہ شیوخ کا ایک روایت میں جمع ہونا

ضمیمہ: اختلافِ سند و متن کا منبع "مدار سند" کے ہونے کی معرفت کے طرق

قسم اَول: وہ راوی جن کے اَحوال میں تمام اَوقات واَماکنہ میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا ہو

اَ. ایسے راوی جو وسیع الروایہ ہونے کے ساتھ ساتھ توثیق وتثبیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں

ب. وہ رجالِ حدیث جو اپنی غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے روایات میں اختلاف کا سبب بنتے ہیں

ت. وہ رجال حدیث جن کی روایات میں تردد اور اضطراب پایا جاتا ہو، اگرچہ وہ ثقات ہی کیوں نہ ہوں

قسم ثانی: وہ راوی جن کے اَحوال مخصوص اَوقات واَماکن میں بدلتے رہتے ہوں
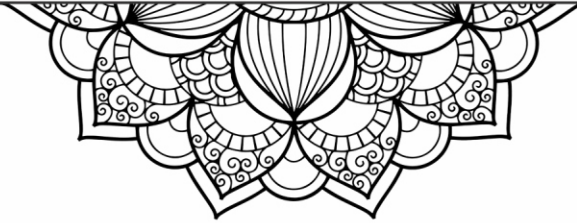
باب ثالث : قرائنِ ترجیح

گزشتہ باب میں متون وأسانید میں اختلاف کے اسباب تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکے۔ اختلاف کی ایسی صورت سے نکلنے کے لئے محدثین نے کچھ قرائن اور اصول وضع کئے ہیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے باحث رواۃ حدیث کا آپس میں کسی روایت کے متون و اسانید میں اختلافات میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دے سکتا ہے۔

یہ قرائن جاننے اور سمجھنے کے لئے اسی علم کے ماہرین ہی کی طرف دیکھا جائے گا، جیسا کہ باقی علوم میں اُنہی علوم کے ماہرین کے اقوال کو مدنظر رکھا جاتا ہے۔ اس بات کو امام مسلم رحمہ اللہ واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وَاعْلَم رَحِمك الله أَن صناعَة الحَدِيث وَمَعْرِفَة أَسبَابه من الصَّحِيح والسقيم انما هِيَ لاهل الحَدِيث خَاصَّة لانهم الْحفاظ لروايات النَّاس العارفين بهَا دون غَيرهم"[1]، یعنی اَحادیث کی صحت وضعف کا میدان خاص محدثین کا طرّہ امتیاز ہے اور انہی کے شایانِ شان ہے، کیونکہ وہی اس کے حافظ اور اس علم کے جاننے والے ہیں۔ اور اگر دیکھا جائے تو فی الواقع حقیقت بھی یہی ہے کہ اختلاف اَسانید و متون کی صورت میں محدثین ہی ان اَسانید و متون میں سے کسی سند و متن کو کچھ امور کی روشنی میں راجح قرار دیتے ہیں، یہی امور محدثین کی اصطلاح میں "قرائن ترجیح" کہلاتے ہیں۔

جب کہ اصولیین اور فقہاء ایسے اُمور و علل پر خاص توجہ نہیں دیتے، جب حدیث کا متن و سند ظاہری طور سے کسی بھی عیب سے پاک ہو اور اس کو روایت کرنے والا کوئی بھی ثقہ راوی ہو، تو وہ اسے صحیح قرار دیتے ہیں اگرچہ ثقات کی ایک مکمل جماعت اس فردِ واحد کی مخالفت کر رہی ہو، اور اگرچہ وہ ثقات کی جماعت، مدارِ سند کے بہترین شاگردوں پر مشتمل ہو، محدثین اور اصولیین کے مابین اس فرق کو امام ابن القیم نے انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے[2]۔

---

[1] دیکھئے: امام مسلم کی التمییز ص218 .

[2] ملاحظہ ہو: حاشية ابن القيم: تهذيب سنن أبي داود وإيضاح علله ومشكلاته 10/25.

لہٰذا "اختلاف اسانید و متون "اور "مخالفتِ رجال" کی اصطلاح فقہاء و اُصولیین کی بنسبت محدثین کے ہاں زیادہ معروف و شائع ہے اور اس فن کے ماہرین کے ہاں ان اصطلاحات کا ذکر انتہائی تواتر کے ساتھ پایا جاتا ہے، امام أحمد رحمہ اللہ، امام علی ابن المديني رحمہ اللہ، امام بخاري رحمہ اللہ، ابن معين رحمہ اللہ، امام دارقطني رحمہ اللہ، امام خطیب بغدادي رحمہ اللہ کی کتب کے تتبع و استقصاء سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصطلاح نہایت معروف و مشہور ہے [1]، اور ان ائمہ کی کتب و عبارات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ محدثین کے ہاں اس کا اہتمام عام ہے جب کہ فقہاء و اُصولیین اس سے کچھ خاص اعتناء نہیں برتتے۔

انہی محدثین نے اس "مخالفتِ رجال" میں سے صحیح ترین طریق کو ڈھونڈنے کے لئے کچھ قواعد و ضوابط ترتیب دئے ہیں جنہیں عام اصطلاح میں "قرائنِ ترجیح" کا نام دیا جاتا ہے، اور محدثین کے مطابق اختلاف اُسانید و متون سے نکلنے کا یہی بہترین طریقہ ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین کے ہاں "جمع بين الروايات" کا منہج بہت کم دیکھنے میں آتا ہے جو کہ بنیادی طور سے اُصولیین کا منہج اور طریقہ کار ہے، جب کہ محدثین اَولین فرصت میں ترجیح کو بروئے کار لاتے ہوئے اس قسم کے اختلافات کو نمٹانے کا کام کرتے ہیں۔

ائمہ حدیث کے مناہج و اسلوب کا بغور جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اختلافِ اُسانید و متون کی صورت میں کسی ایک طریق کو ترجیح دینے کے لئے مختلف قرائن وضع کر رکھے تھے، درج ذیل سطور میں انہی قرائن کو زیرِ بحث لایا جائے گا۔

یہ قرائن بنیادی طور سے دو اَقسام میں منحصر ہیں:

(1): مدارِ سند سے متعلق قرائن

(2): مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن

اسی ترتیب سے ابتداء کرتے ہوئے ہم پہلے "مدارِ سند سے متعلق قرائن" کو زیرِ بحث لائیں گے۔

[1] دیکھئے: امام اَحمد کی "العلل ومعرفة الرجال برواية المروذي ص274، امام علی ابن المدینی کی العلل ص 129 امام بخاری کی التاریخ الکبیر 1/50 ابن معین کی تاریخ برواية ابن طهمان ص58 امام دارقطنی کی "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" 2/74 اور خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد 1/268.

فصل اَول : مدارِ سند سے متعلق قرائن

کسی بھی روایت میں جہاں اَسانید و متون میں اختلاف واقع ہوا ہوتا ہے، لازماً وہاں روایت میں ایک راوی ایسا ہوگا جو اس حدیث کی تمام اَسانید کے لئے مدار کی حیثیت رکھتا ہوگا، علم العلل کی اصطلاح میں اسے "مدارِ سند" کہا جاتا ہے۔

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ متون و اَسانید میں اختلاف کا بڑا سبب یہی مدار سند واقع ہوتا ہے، اور اسی مدار سند سے جڑی کئی چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اختلافاتِ اَسانید و متون کی ایسی صورت میں ترجیح کے لئے کسی بھی قسم کا قرینہ بن سکتی ہیں، جن کو مدنظر رکھتے ہوئے کسی بھی ایک سند یا متن کو قابل ترجیح قرار دیا جا سکتا ہے۔

کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ خود "مدارِ سند" کسی بھی روایت کے متعدّد طرق کئی اسباب کی وجہ سے ذکر کر رہا ہوتا ہے، اور وہی اسباب اگر باحث کے سامنے ہوں اور انہیں مدنظر رکھا جائے تو انہی اسباب کی بنیاد پر کسی بھی باحث اور محقق کے لئے کسی بھی طریق کو راجح قرار دینا انتہائی آسان ہو جاتا ہے، ان اسباب میں سے کچھ قابل ذکر ہیں:

مبحث أول : مدارِ سند کی کتب میں مذکورہ روایت کا فقدان

کبھی مدار سند ایک لمبے عرصہ تک کوئی بھی روایت اپنے حافظہ سے ذکر کررہا ہوتا ہے اور وہ اپنے زعم کے مطابق اسے صحیح بھی جانتا ہے، لیکن جب وہ اپنے صحائف اور مکتوبات کو رجوع کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ذکر کردہ روایت وَہم کا شکار تھی، اور صحیح روایت وہ ہے جو اس کے پاس صحیفہ میں لکھی ہوئی شکل میں موجود ہے، مثال کے لئے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت ملاحظہ ہو جو کہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے مروی ہے، "أنه كان يجمع بين المغرب والعشاء إذا جد السير بعد ما يغيب الشفق، ويزعم أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم كان يجمع بينهما"، یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کو مکہ میں کافی عرصہ تک "قبل أن يغيب الشفق" کے الفاظ سے روایت کرتا رہا، لیکن جب اپنی کتاب کو رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ اصل الفاظ "بعد ما يغيب الشفق" ہیں[1]۔

یہی حال اِمام عبد الرزاق بن همام رحمہ اللہ کا بھی ہے، ان کی بھی متعدّد روایات کے بارے میں دیگر ائمہ کا کہنا ہوتا تھا کہ عبد الرزاق بن همام رحمہ اللہ کی کتاب میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی، مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 74:
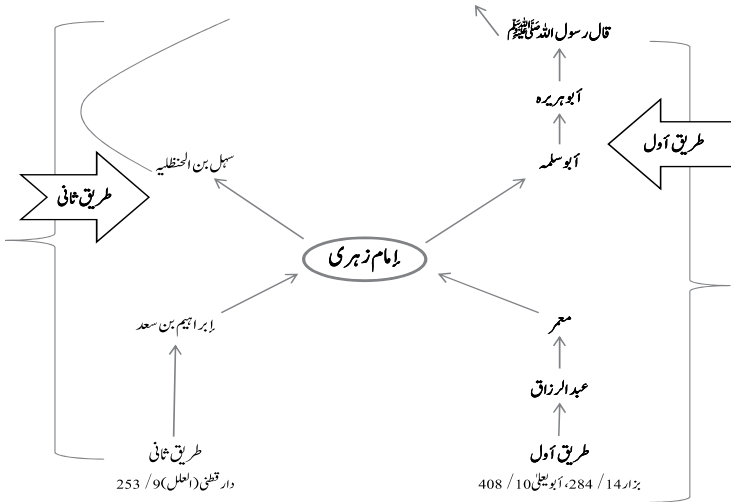
[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: الكفاية في علم الرواية ص: 220.

مذکورہ روایت کے بارے میں اِمام أحمد رحمہ اللہ اور اِمام محمد بن یحییٰ ذہلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت ایسے مرفوع طریق سے اِمام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی کتاب میں موجود نہیں ہے [1]۔ اسی بناء پر اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی مرفوع طریق کو چھوڑ کر مرسل کی تصویب کی طرف اَشارہ فرمایا[2]۔

اس سلسلے کی اگلی مثال سعید بن أبی عروبة کی " تخلیل اللحیة" والی روایت ہے، جس میں وہ قتادة بن دعامة رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہوئے پائے گئے ہیں، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 75:
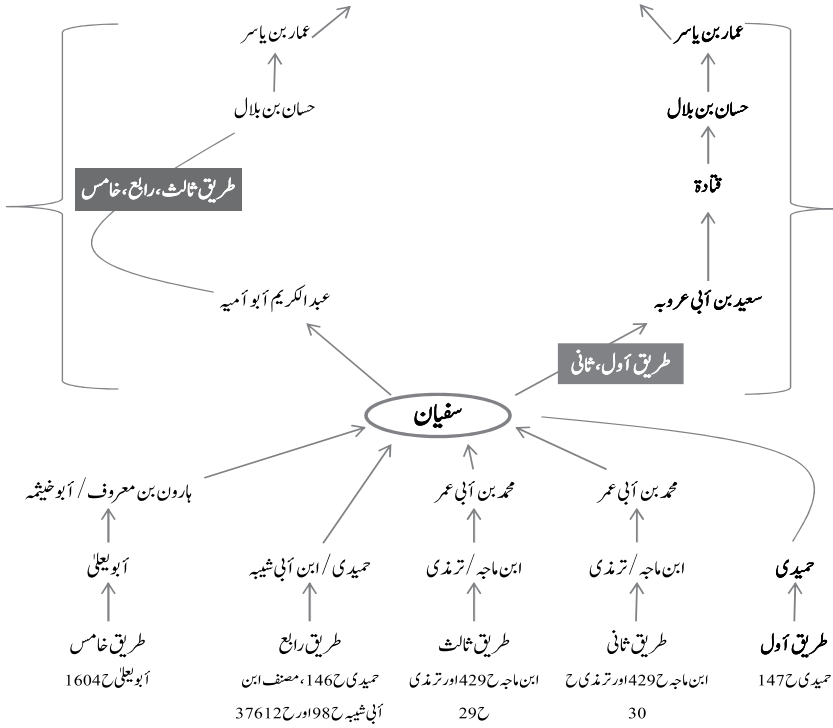
اس روایت کے تتبع واستقراء سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی بھی روایت میں اِمام قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کا ذکر نہیں ہے سوائے سعید بن أبي عروبة کے طریق میں، یہی وجہ ہے کہ اِمام بخاری

[1] دیکھئے: أجوبة البرذعي ص:748.

[2] ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 9/253.

رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ سعید بن أبي عروبة کی یہ روایت صحیح نہیں ہے [1]۔

اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ امام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ اپنی کتاب "العلل" میں ذکر کرتے ہیں، اور حدیثِ سعید بن أبي عروبة کے صحیح نہ ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں جب وہ اس روایت کے بارے میں اپنے والد سے سوال کرتے ہیں تو ان کے والد امام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث سعید بن أبي عروبة کے طریق سے صحیح ہوتی تو لازمی طور سے "مصنفات سعید بن أبي عروبة" میں موجود ہوتی [2]، تو مصنفاتِ سعید بن أبي عروبة میں موجود نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، اور اصل روایت وہی ہے جو عبد الکریم أبو أمیة کے طریق سے منقول ہے۔

اگلی روایت جو راوی کے اپنے نسخہ / صحیفہ میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے محدثین کے ہاں قابل التفات نہیں ٹھہرتی، وہ أبو قتادة رحمہ اللہ کی درج ذیل روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 76:

أسوأ الناس سرقة الذي يسرق من صلاته، قالوا: يا رسول الله، وكيف يسرق من صلاته؟ قال: لا يتم ركوعها ولا سجودها، أو قال: لا يقيم صلبه في الركوع والسجود
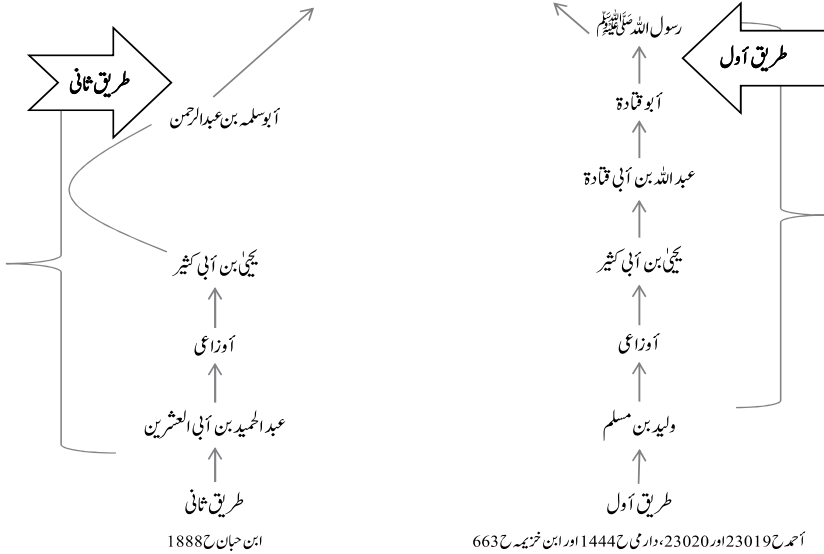
ڈایاگرام نمبر 76

[1] دیکھئے: التاریخ الکبیر 3/128.

[2] دیکھئے: ابن أبي حاتم کی علل الحدیث 1/487.

مذکورہ روایت کے طریقِ اَول کے بارے میں جب أبو حاتم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ "ولید بن مسلم" نے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس کا نام انہوں نے "کتاب الصلاۃ" رکھا تھا، مذکورہ روایت نماز سے متعلق ہونے کے باوجود اُس کتاب میں نہیں پائی گئی، لہٰذا معلوم ہوا کہ ولید بن مسلم کی روایت کی کوئی اَصل نہیں ہے [1]، اسی وجہ سے اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں أبو هريرة رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح ٹھہرایا ہے [2]۔ اور ولید بن مسلم کی روایت کو ان کی تصنیف میں نہ ہونے کی وجہ سے قابل اعتناء نہیں جانا۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی اُس روایت کے بارے میں بھی اِمام دارقطنی رحمہ اللہ کا قول معروف ہے، جو کہ حماد بن سلمة کے واسطے سے منقول ہے، اَبورافع فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا،

"أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ليلة الجن خط حوله، فكان يجيء أحدهم مثل سواد النخل، وقال لي: لا تبرح مكانك، فأقرأهم كتاب الله، عز وجل، فلما رأى الزط قال: كأنهم هؤلاء، وقال النبي صلی اللہ علیہ وسلم: أمعك ماء؟ قلت: لا، قال: أمعك نبيذ؟ قلت: نعم، فتوضأ به"، مسند اَحمد میں یہ روایت حماد بن سلمة سے بواسطہ علی بن زید منقول ہے [3]، لیکن چونکہ حماد بن سلمة کی کُتُب میں اس روایت کا تذکرہ نہیں ملتا لہٰذا اسی بناء پر اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس روایت کی اَصل سے انکار فرمایا ہے [4]۔

یہی حال مشہور و معروف ثقہ راوی عبد العزيز بن مُحَمَّد الدراوردي رحمہ اللہ کا ہے، جو کہ مدینہ کے مشہور ثقات علماء میں سے ہیں، لیکن محدثین کے اَقوال ان کے بارے میں معروف ہیں کہ

---

[1] علل الحديث 2/424.

[2] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 6/141.

[3] مسند اَحمد 1/455 حدیث نمبر 4353.

[4] ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 5/345.

اگر "الدراوردي" اپنے حافظہ سے روایت کریں تو اس کے قبول کرنے میں احتیاط سے کام لینا چاہیے، جیسے درج ذیل روایت کے بارے میں علماء کے أقوال کتابوں کی زینت ہیں، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يستقى له الماء العذب من بيوت السقيا"، یہ روایت عبد العزيز بن مُحَمَّد الدراوردي سے مختلف طرق سے منقول ہے [1]، جن میں راوی عبد العزيز بن مُحَمَّد الدراوردي کے کم و بیش تقریبًا آٹھ تلامذہ شامل ہیں۔ إمام أحمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس روایت میں إمام الدراوردي کا تفرد نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ روایت "عبد العزيز بن مُحَمَّد الدراوردي" کی کتب میں نہیں پائی جاتی [2]۔ اسی چیز کو مد نظر رکھتے ہوئے إمام ابن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبد العزيز الدراوردي جو روایت اپنی کتاب سے نقل کرتے ہیں وہ ان کے حافظہ کی نقل کی ہوئی روایت سے زیادہ قابل اعتماد ہوتی ہے [3]۔

اس سلسلے کے اگلے راوی "إبراهيم بن سعد" ہیں، جو خود تو اگرچہ ثقہ ہیں لیکن صرف اُس وقت جب وہ اپنی کتاب سے روایت نقل کر رہے ہوں، جیسا کہ إمام أحمد رحمہ اللہ نے صراحتًا اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے، خصوصًا ان کی معروف روایت "الأئمة من قريش" [4]، کے بارے میں إمام أبو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب إمام أحمد رحمہ اللہ سے اس بابت پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ روایت إبراهيم بن سعد کی تصنیفات میں موجود نہیں [5]، گویا کہ وہ إبراهيم بن سعد سے اس روایت کے منقول ہونے سے انکار کر رہے تھے۔

مذکورہ بالا تمام مثالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اختلافاتِ روایات کی صورت میں ترجیح کے

---

[1] دیکھیے: مسند أحمد 6/100 حدیث نمبر 25200 اور 6/108 حدیث نمبر 25279، سنن أبي داؤد، كتاب الأشربة، باب في إيكاء الآنية 3/340 حدیث نمبر 3735 مسند أبو یعلیٰ حدیث نمبر 4613 صحیح ابن حبان حدیث نمبر 5332.

[2] دیکھیے: المعرفة والتاريخ 1/428.

[3] ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذي 2/763.

[4] مسند أبو یعلیٰ حدیث نمبر 3644.

[5] المنتخب من كتاب العلل للخلال ص(80)، والكامل في ضعفاء الرجال 1/399.

لئے مدارِ سند سے متعلق قرائن کو زیرِ بحث لانا ہی پہلا قدم ہوتا ہے، اور ایسی صورت میں مدارِ سند کے أحوال کو گہرائی سے پرکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا أمثلہ سے یہ بات بخوبی عیاں ہوئی ہے کہ مدارِ سند کبھی اپنی کتب کے فقدان یا کتب کی عدم دستیابی کی وجہ سے کسی بھی روایت کے نقل کرنے میں اختلافِ أسانید و متون کا شکار ہو جاتے ہیں، تو اگر "مدارِ سند" کے أحوال پر گہری نظر ہو تو باحث فوراً اس قرینہ کی مدد سے اس نتیجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ ان مختلف متعدّد طرق میں سے کون سا طریق قابل اعتناء ہے اور اسے ترجیح حاصل ہے۔

مبحث ثانی : اَماکن کے بدلنے سے مدارِ سند کی روایات میں فرق آنا

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مدار سند کوئی بھی روایت کسی ایک جگہ پر یا کسی ایک زمانہ میں ایک طریق سے ذکر کرتا ہے اور جب وہی روایت کسی دوسرے مقام پر یا کسی دوسرے اوقات میں ذکر کرتا ہے تو اس میں کسی قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، جیسے معمر بن راشد رحمہ اللہ جو اگرچہ بذاتِ خود ثقہ راوی ہیں لیکن ان کی روایات کی صحت یمن تک محدود تھی، جب کہ بصرہ میں روایت کرتے وقت ان کی روایات میں اضطراب کا وجود بکثرت پایا جاتا ہے [1]۔ مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 77:
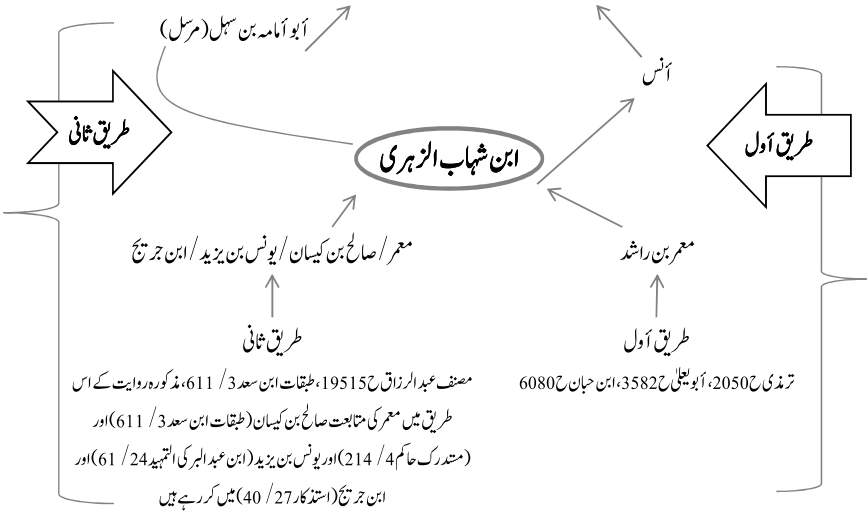
ڈایاگرام نمبر 77

مذکورہ روایت کا مدار سند "معمر بن راشد" رحمہ اللہ ہے، جنہوں نے روایت کے دو طرق نقل کئے ہیں، طریق أول کے بارے میں اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ اس کے مقابلے

[1] شرح علل الترمذي 2/766.

میں طریق ثانی قابل اعتماد ہے[1]۔ اسی کی تائید امام دارقطنی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں، بلکہ مزید وضاحت وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ طریق اَول جو انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ دراصل بصرہ میں روایت کیا گیا طریق ہے اور معمر بن راشد رحمہ اللہ کی بصرہ میں روایت کی گئی اَحادیث میں غلطیاں پائی جاتی ہیں، لٰہذا یہ روایت بھی اُن کے اَوہام میں شمار ہوگی، اور صحیح روایت أبو أمامة بن سهل کی ہے[2]۔

مزید وضاحت کے لئے معمر بن راشد کی دوسری روایت ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 78 میں:

ڈایاگرام نمبر 78

مذکورہ روایت بھی معمر بن راشد رحمہ اللہ سے مروی ہے اور وہی اس کے مدارِ سند ہیں، لیکن طریقِ اَول جو معمر بن راشد سے موصولاً مروی ہے، اس کے بارے میں محدثین متفق ہیں کہ یہ طریق معمر بن

---

[1] علل الحديث 6/ 19.

[2] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 12/ 201.

راشد نے عراق میں قیام کے دوران روایت کیا، جہاں عموماً وہ اپنے حافظہ سے کام لیتے ہوئے روایتِ حدیث فرمایا کرتے تھے، جب کہ یہی روایت انہوں نے یمن میں جب اپنی کتب سے روایت کی تو وہاں ارسال کو ترجیح دیتے ہوئے مرسل ذکر کی۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام ترمذی رحمہ اللہ نے اِمام بخاری رحمہ اللہ سے اس روایت کے مرسل ہونے کے بارے میں صحت کا قول نقل کیا ہے [1]۔

اسی بات کی تائید کرتے ہوئے اِمام مسلم رحمہ اللہ نے بھی "التمییز" میں معمر کی طرف اس روایت میں وَہَم کی نسبت کی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے [2]۔ اسی اُصول کے تحت اِمام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے بھی اس روایت میں معمر کی طرف اَوہام کی نسبت کی ہے [3]۔ جب کہ اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ و أبو زرعة رحمہ اللہ نے بھی مرسل ہی کو صحیح قرار دیتے ہوئے طریق اَول کو مرجوح ٹھہرایا [4]۔

---

[1] دیکھئے: علل الترمذي الكبير 1/445.

[2] التلخيص 3/148.

[3] تاريخ ابن أبي خيثمة 3/328.

[4] علل الحديث 3/707.

مبحث ثالث

مدارِ سند کا اپنے شیخ پر عدم اعتماد کی وجہ سے طرق میں اختلاف

اس سے مراد یہ ہے کہ "مدار سند" کسی بھی روایت میں کسی قسم کا اشکال پاتا ہے تو اسے عمداً موقوف یا مرسل طریق سے روایت کرتا ہے، اور یا اپنے شیخ کو ضعیف گمان کرتے ہوئے اس کے حفظ و ضبط میں نقصان کو قصداً اس کی طرف منسوب کرتے ہوئے روایت میں کسی قسم کا جھول بیان کر دیتا ہے۔

مثال کے لئے تراویح کی مشہور حدیث جو امام ابن شهاب زهري رحمہ اللہ سے مروی ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 79:

ڈایاگرام نمبر 79
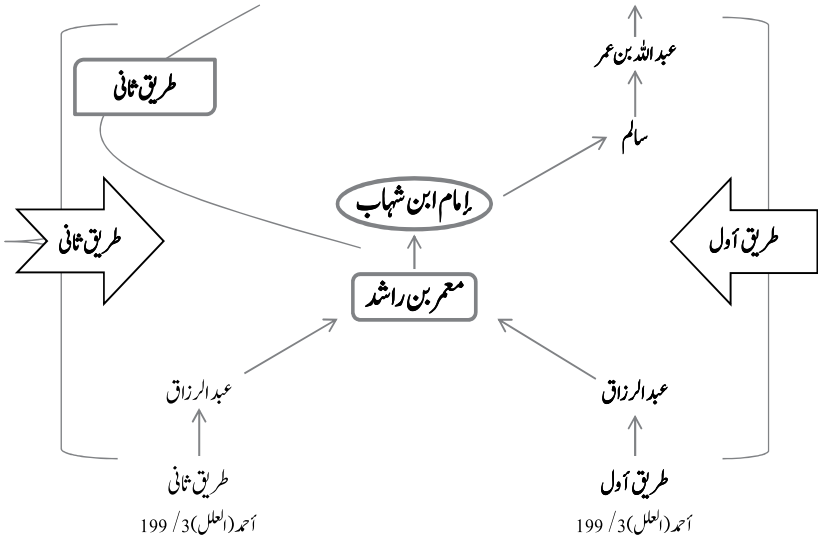
درج بالا روایت میں اِمام عبد الرزاق رحمہ اللہ جو کہ مدارِ سند ہیں، کبھی تو اسے موصول روایت کرتے ہیں اور اگلے ہی لمحے اس میں کسی قسم کے اشکال کی وجہ سے اسے اِمام ابن شهاب زهري رحمہ اللہ سے مرسل روایت کرتے ہیں، ان کے اسی تردد کو اِمام اَحمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العلل میں تفصیل سے بیان کیا ہے [1]۔ معلوم ہوا کہ روایت کی سند میں اختلاف کا سبب خود مدارِ سند ہی ٹھہرا، اور اس کے متردد ہونے سے اگر باحث باخبر ہو تو فوراً اس نتیجے پر پہنچنا آسان ہوتا ہے کہ اختلاف کی صورت میں کس قرینہ کی وجہ سے کون سے طریق کو راجح قرار دیا جائے گا۔

[1] العلل ومعرفة الرجال لأحمد رواية ابنه عبد الله 3/ 199.

مبحث رابع : مدارِ سند کے شیخ سے روایت میں تردد کا اظہار

کبھی عموماً ایسا ہوتا ہے کہ مدار سند اپنے استاد سے تردد کے ساتھ روایت کا سماع کرتا ہے تو اسی طرح تردد کے ساتھ کبھی روایت کو ایک طریق سے ذکر کرتا ہے اور کبھی دوسرے طریق کو سامنے لاتا ہے۔ مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 80:

ڈایاگرام نمبر 80
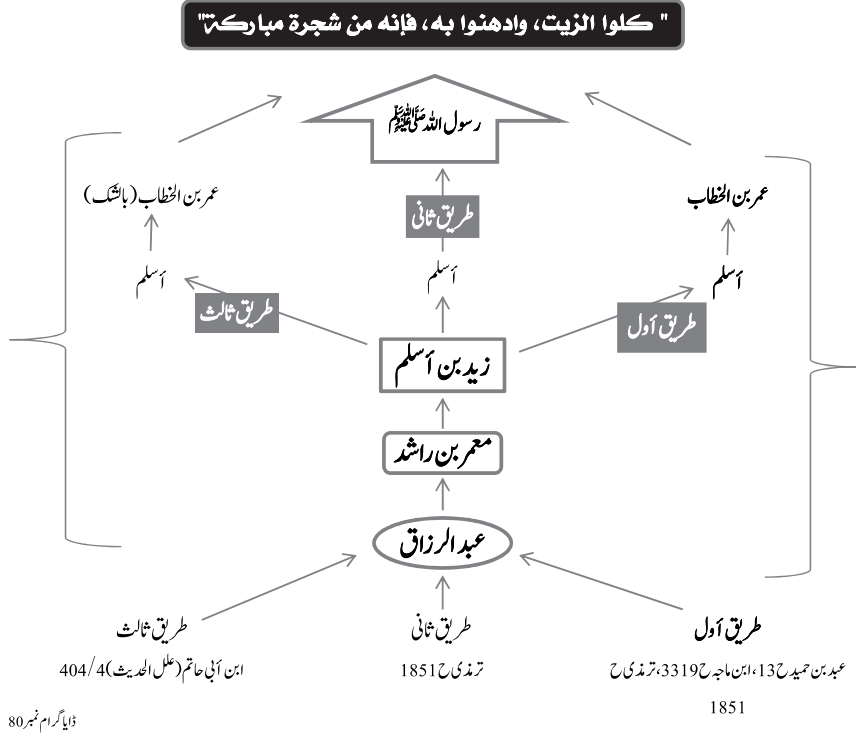
مذکورہ روایت میں مدارِ سند "عبد الرزاق" رحمہ اللہ سے سند میں کافی تردد پایا جاتا ہے، اور بذات خود عبد الرزاق ہی اس سند میں اختلاف کا باعث ہیں، طریق اول میں بلا کسی شک کے وہ روایت کو موصول ذکر کرتے ہیں، طریق ثانی میں اِرسال کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں، جب کہ طریق ثالث میں وہ دوبارہ اتصالِ سند کی طرف مائل نظر آتے ہیں لیکن کسی قدر شک کے ساتھ۔ یہی وجہ ہے کہ علماء العلل نے مزید بحث و تمحیص کی ضرورت ہی محسوس نہیں فرمائی بلکہ صراحتاً عبد الراق کے تردد کی طرف اشارہ

فرماتے ہوئے روایت میں اختلاف واضح فرمایا[1]۔ تو جب مدار سند کے اَحوال کا اِدراک آسان ہو تو باحث کے لئے اس بات کا فیصلہ کرنا نہایت آسان ہوتا ہے کہ وہ مدار سند کو دیکھتے ہوئے سند و متون کے مابین اختلاف میں سے کسی بھی طریق کو ترجیح دے سکے۔

مدار سند کے خود تردد میں مبتلا ہونے کی وجہ سے متون و اَسانید میں اختلاف کے پائے جانے کی اگلی مثال قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کی درج ذیل روایت ہے جو اَبو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 81:

"أنّه اختصم إليه في بعير أو دابة ليس عليها بينة فقضى به بينهما"

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَبو موسیٰ — طریق ثانی-مرسل — اَبو موسیٰ — طریق رابع-مرسل — ابو موسیٰ — طریق سادس-مرسل

اَبو بردة

سعید بن اَبی بردة — سعید بن اَبی بردة — اَبو مجلز — نصر بن اَنس — نصر بن اَنس

قتادة بن دعامہ

سعید بن اَبی عروبہ / ہمام — ہمام / شعبہ — الضحاک بن حمرة — سعید بن بشیر — حماد بن سلمہ — حماد بن سلمہ

طریق اَول — طریق ثانی — طریق ثالث — طریق رابع — طریق خامس — طریق سادس

اَبو داؤد ح 3608 اور 3609، ابن ماجہ 6/ 456، مستدرک حاکم 4/ 94 – 95 — اَبو داؤد ح 3610 — معجم اَوسط 1/ 5 اور دار قطنی (اَفراد) 5/ 146 — دار قطنی (اَفراد) 5/ 144 — بیہقی (سنن) 10/ 435 — بیہقی (سنن) 10/ 436

ڈایاگرام نمبر 81

---

[1] ملاحظہ ہو: مسائل اِمام اَحمد: ص: 392، علل الحدیث 4/ 404–405، اِمام ترمذی کی علل الترمذي الكبير ص: 570، تاریخ ابن معین (بروایتِ دوری ص: 3/ 142) مسند بزار حدیث نمبر 275.

مذکورہ روایت کے تمام طرق کا تتبع کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مدارِ سند جوکہ قتادة بن دعامة رحمہ اللہ ہیں، ان سے اضطراب کا صدور ہوا ہے، کبھی اتصال کرتے ہیں اور کبھی اِرسال کرتے ہیں، اس مثال سے بھی معلوم ہوا کہ اختلافِ اَسانید و متون میں کسی بھی طریق کو ترجیح دینے کے لئے مدارِ سند کے اَحوال کا معلوم ہونا انتہائی ضروری ہے، تاکہ باحث کے لئے کسی بھی طریق کو ترجیح دینا آسان ہو، جیساکہ مذکورہ ڈایاگرام میں قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کے اضطراب سے روایت کا اختلاف واضح ہوکر سامنے آیا ہے۔ اسی بناء پر امام بیهقي رحمہ اللہ نے ان طرق کی موجودگی میں مذکورہ حدیث کو معلول ٹھہرایا، اور قتادة بن دعامة کے اضطراب کی طرف اشارہ فرمایا[1]۔

---

[1] السنن الكبرى، كتاب الدعوى والبنات، باب المتداعيين يتنازعان شيئا في أيديهما معا، ويقيم كل واحد منهما بينة بدعواه10/435.

مبحث خامس: مدارِ سند کے ایک سے زیادہ شیوخ کا ایک روایت میں جمع ہونا

اس سے مراد یہ ہے کہ مدار سند اپنے شیخ سے وہ روایت کبھی تو براہِ راست سنتا ہے اور کبھی کسی دوسرے راوی کی وساطت کے ساتھ، تو اسے آگے روایت کرتے وقت کبھی اس "واسطہ" کو ذکر کرتا ہے اور کبھی بلاواسطہ شیخ سے روایت کرتا ہے، یا بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مدار سند نے روایت متعدّد شیوخ سے سنی ہوتی ہے تو روایت کرتے وقت کبھی ایک شیخ کو ذکر کرتا ہے اور کبھی دوسرے کا نام لیتا ہے۔ جیسا کہ آگے ان شاء اللہ دلائل کی پہل قسم کی پہلی نوع کے تحت مثالوں سے مزید وضاحت ہو جائے گی۔

گذشتہ تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ کسی بھی روایت کے متعدّد مختلف طرق میں ترجیح کو تلاش کرنے کے لئے سب سے پہلے مدار سند کے احوال کو جاننا انتہائی اہم اور ضروری ہوتا ہے اور دیکھا جائے تو عموماً باحثین کے ہاں مدارِ سند کی تفتیش نہیں پائی جاتی بلکہ وہ براہ راست "مدار سند" کے شاگردوں کے مابین ترجیح کے قرائن کو تلاش کرتے ہوئے ان پر صحیح یا راجح ہونے کا حکم لگانا شروع کر دیتے ہیں۔
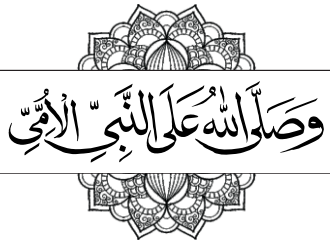
ضمیمہ: اختلافِ سند ومتن کا منبع "مدارِ سند" کے ہونے کی معرفت کے طرق

رہی یہ بات کہ اس نتیجہ تک کیسے پہنچا جائے گا کہ کسی بھی روایت کی سند یا متن میں موجود اختلاف کا منبع ومصدر یہی "مدارِ سند" ہے نہ کہ اس کے بعد آنے والے اس کے شاگرد جو یہی روایت اس سے نقل کرکے آگے پہنچا رہے ہیں، روایاتِ حدیث کے تتبع واستقراء اور اس فن کے ساتھ ممارست سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رجالِ حدیث اور خصوصًا "مدارِ سند" میں ذاتی طور سے کچھ ایسے دلائل وآثار اور قرائن موجود ہوتے ہیں کہ جن سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ روایتِ حدیث کے متعدّد طرق میں اختلاف کا مصدر وماخذ خود "مدارِ سند" ہی ہے، نہ کہ اس سے روایت کرنے والے اس کے شاگرد اور تلامذہ سے کسی قسم کی غلطی کا صدور ہوا ہے۔

یہ دلائل ابتدائی طور سے دو اقسام پر ہیں:

قسم أول: ان میں وہ راوی شامل ہیں جن کے أحوال میں تمام أوقات وأماکنہ میں کسی قسم کا تغیر واقع نہ ہوا ہو، ان کی پھر تین أنواع ہیں:

أ. ایسے راوی جو وسیع الروایہ ہونے کے ساتھ ساتھ توثیق وتثبیت کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوں تو کسی بھی راوی کا (جس کی توثیق وتثبیت میں کسی قسم کا کوئی احتمال نہ ہو) وسیع الروایہ کے وصف سے متّصف ہونا اس بات کی قوی دلیل ہے کہ روایت کے متعدّد مختلف طرق اسی راوی سے منقول ہوئے ہیں، اور یہی "مدارِ سند" ہی ان اختلافات کا منبع ومصدر رہے۔ جیسے إمام زهري رحمہ اللہ، سفیان ثوری رحمہ اللہ، شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اور إمام سلیمان بن مهران الأعمش رحمہ اللہ اس کی بہترین مثالیں ہیں [1]۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو وسیع الروایہ إمام سلیمان بن مهران الأعمش رحمہ اللہ **کی درج**

[1] ملاحظہ ہو: شرح علل ترمذی 2/838-839.

ذیل روایت ڈایاگرام نمبر 82:

بينما النبي صلى الله عليه وسلم، في حرث، متوكئا على عسيب، فقام إليه نفر من اليهود، فسألوه عن الروح، فسكت، ثم تلا هذه الآية عليهم: ويسألونك عن الروح قل الروح من أمر ربي وما أوتيتم من العلم إلا قليلا
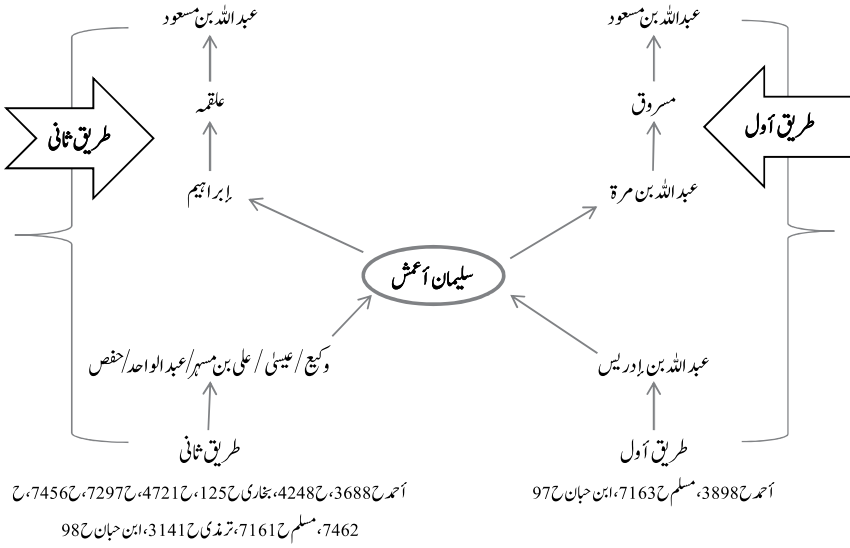
ڈایاگرام نمبر 82

مذکورہ روایت میں سلیمان بن مهران الأعمش **ایک کثیر الروایہ راوی ہیں، ان سے یہ حدیث روایت کرنے والے کثیر تعداد میں ان کے شاگرد ہیں جن کی تفصیل ڈایاگرام میں دیکھی جا سکتی ہے، جب کہ** سلیمان الأعمش رحمہ اللہ **خود بھی وسیع المشرب ہونے کی وجہ سے کثیر تعداد میں اپنے اساتذہ وشیوخ سے روایات نقل کرتے ہیں، لہٰذا مذکورہ دونوں طرق میں اگرچہ سند کا اختلاف واضح نظر آرہا ہے، لیکن علماء العلل نے مدارِ سند "** سلیمان الأعمش **" کے کثیر الروایہ ہونے کی وجہ سے ان کے یہ دونوں طرق صحیح قرار دیئے ہیں، اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی دونوں طرق نقل کرنے کے بعد دونوں پر صحت کا حکم لگایا ہے** [1] **۔ یہی وجہ ہے کہ شیخین (امام بخاری رحمہ اللہ ومسلم رحمہ اللہ) بھی صحیحین میں طریق ثانی کے نقل**

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 5/251.

کرنے میں متفق ہیں، جب کہ طریق أول کو إمام مسلم رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ سليمان الأعمش کی مذکورہ روایت کے دونوں طرق صحیح ہیں اور وہی اس اختلاف کے اصل منبع ہیں۔

اگلی روایت أبو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو قتادة بن دعامة رحمہ اللہ سے مروی ہے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 83:

ڈایاگرام نمبر 83
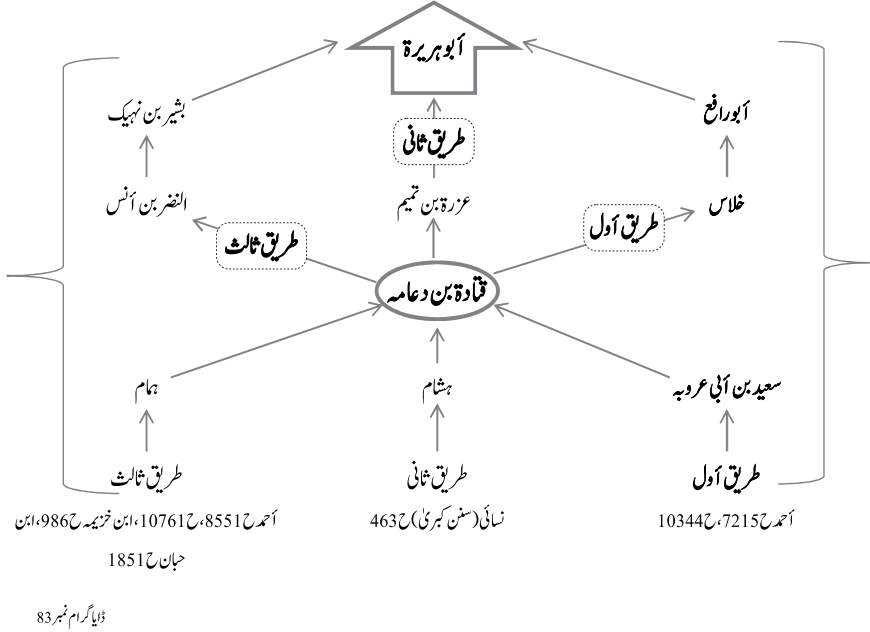
مذکورہ روایت میں إمام قتادة بن دعامة رحمہ اللہ ایک ثقہ اور کثیر الروایہ راوی ہیں، مذکورہ روایت کے تینوں طرق انہی سے مروی ہیں، اور ان سے آگے پھر اُن کے تلامذہ نے اُن سے یہ روایت جیسے سنی اسی طرح آگے نقل کر دی، اگرچہ سند میں اختلاف واضح نظر آ رہا ہے، لیکن أئمہ علل نے تینوں طرق کو صحیح قرار دیا ہے، جب کہ إمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے بالتصریح إمام قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کے وسیع المشرب ہونے

کی طرف اشارہ فرما کر اُن کے تینوں طرق کی تصویب فرمائی[1]۔ اور طرق میں اختلاف کی وجہ انہیں ہی قرار دیا گیا۔

اسی سلسلے کا اگلا راوی "أبو إسحاق" ہے، جو کہ ثقہ راوی ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع الروایہ بھی ہیں، مثال کے لئے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 84:

"من قرأ القرآن، فليتعلم الفرائض، فإن لقيه أعرابي قال: يا مهاجر، أتقرأ القرآن؟ فإن قال: نعم، قال: تفرض؟ فإن قال: نعم، فهو زيادة وخير، وإن قال: لا، قال: فما فضلك علي يا مهاجر"
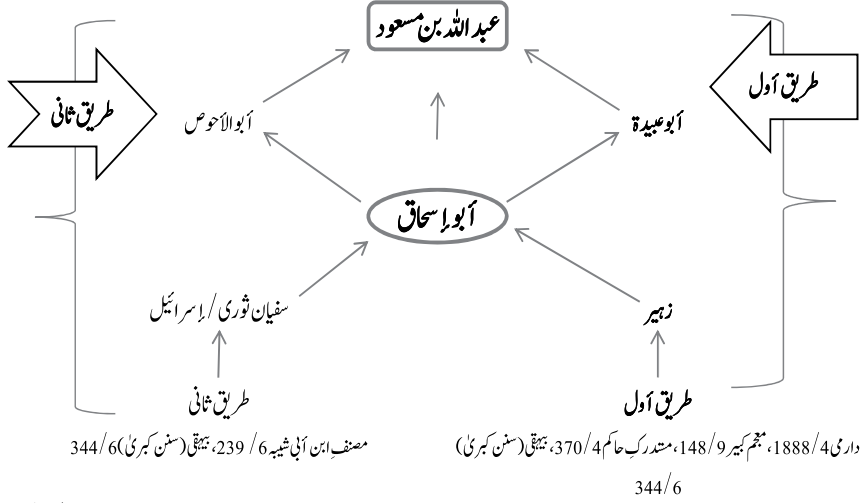
ڈایاگرام نمبر 84

مذکورہ روایت کا مدارِ سند "أبو إسحاق" ہے، جن سے اس روایت کے دو طرق مروی ہیں، چونکہ راوی وسیع المشرب ہیں لہٰذا ائمہ علل نے اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس روایت کے دونوں طرق پر صحت کا حکم لگایا، جن میں أبو حاتم رحمہ اللہ سرفہرست ہیں[2]، اور اختلاف کا مصدر اسی مدارِ سند کو قرار دیا۔

[1] علل الحدیث 2/81.
[2] علل الحدیث 4/547.

مزید وضاحت کے لئے أبو إسحاق کی اگلی روایت ڈایاگرام نمبر 85:

"إن أثقل الصلاة على المنافقين صلاة العشاء، وصلاة الفجر، ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوا، إن صف المقدم على مثل صف الملائكة، ولو تعلمون فضيلته لابتدرتموه، وإن صلاتك مع رجل أزكى من صلاتك وحدك، وصلاتك مع رجلين أزكى من صلاتك مع رجل، وما أكثر فهو أحب إلى الله"
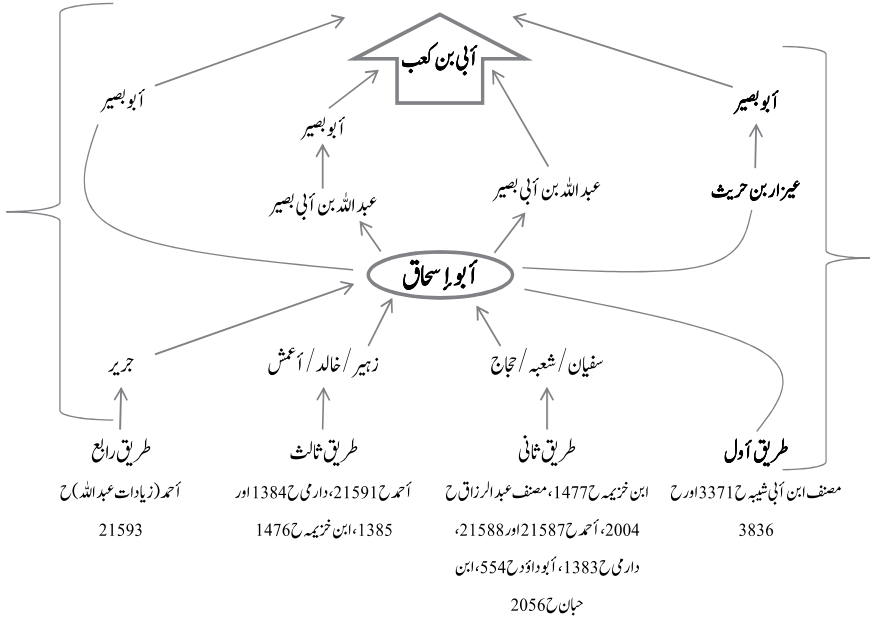
ڈایاگرام نمبر 85

أبو إسحاق کے وسیع المشرب اور کثیر الروایہ ہونے کے سبب إمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے تینوں طرق کے بارے میں فرمایا کہ أبو إسحاق کا سَماع ان تینوں طرق میں ممکن ہے کہ کبھی عیزار سے سنا ہو اور کبھی ابن أبي بصير سے، اور کبھی أبو بصير سے براہِ راست روایت کی ہو۔ لہٰذا تینوں طرق صحیح ہیں [1]۔

درج بالا أمثلہ سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آئی کہ مدارِ سند اگرچہ ثقہ ہو، لیکن کثیر الروایہ ہونے کے سبب اس سے روایت کی سند و متن میں اختلاف کا صدور ممکن ہے، اور اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے باحث کے لئے یہ سہولت رہتی ہے کہ وہ روایات میں اختلافِ أسانید و متون کی صورت میں مدارِ سند کی

---

[1] علل الحديث 2/148.

حالت کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے ہی قرینہء ترجیح قرار دے اور اس کی اَساس پر کسی بھی طریق کی ترجیح کا فیصلہ صادر کرے۔

ب. وہ راوی (مدارِ سند) جن کے اَحوال تمام اَوقات و اَماکنہ میں ایک ہی جیسے ہوں **ان کی دوسری نوع میں وہ رجالِ حدیث شامل ہیں جو اپنی غایت درجہ احتیاط کی وجہ سے روایات میں اختلاف کا سبب بنتے ہیں،**

اسی احتیاط و تورع کے سبب کبھی وہ روایت کو موقوف نقل کرتے ہیں اور کبھی اسے مرفوع نقل کرتے ہیں، جیسے مُحَمَّد بن سیرین رحمہ اللہ، عبد اللہ بن عون رحمہ اللہ اور مسعر بن کدام رحمہ اللہ اس نوع کی بہترین مثالیں ہیں، اور کئی دفعہ راوی اپنی صفت تدلیس کی وجہ سے بھی روایت میں زیادت و نقصان کا متحمل نظر آتا ہے۔

احتیاط اور تورع پر مبنی روایات کی مثال کے لئے ملاحظہ ہو مُحَمَّد بن سیرین کی درج ذیل روایات

ڈایاگرام نمبر86:

درج بالا روایت میں مختلف ادوار میں مختلف "مدارِ سند" احتیاط سے روایت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً تابعین میں سے "ابن سيرين" رحمہ اللہ کبھی مرفوع روایت نقل کرتے ہیں اور کبھی احتیاط کرتے ہوئے موقوف طریق پر انحصار کرتے ہیں۔ اسی طرح اگلے دور میں "ابن عون" رحمہ اللہ مدارِ سند ہیں جو کہ کبھی مرفوع طریق کو ترجیح دیتے ہیں اور کبھی حد درجہ محتاط طبیعت کی وجہ سے موقوف سند کو نقل کرتے ہیں، یہی حالت انہی کے معاصر "أبو هلال الراسبي" رحمہ اللہ کی بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ ان تمام مدارِ سند کی محتاط طبائع کی وجہ سے ائمہ علل بھی کسی ایک طریق کو ترجیح دینے میں احتیاط سے کام لیتے دکھائی دیتے ہیں، اسی بناء پر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اپنی علل میں تمام طرق کی طرف اشارہ کرنے کے بعد کسی طرف رجحان ظاہر نہیں کیا جو غالباً اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ "اختلافِ أسانید" مدارِ سند کی محتاط طبیعت کی وجہ سے صادر ہوئی ہیں، لہٰذا تمام طرق صحیح ہیں، جب کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے أبو هلال الراسبي کی احتیاط کی طرف خصوصی توجہ بھی دلائی [1]۔

اگلی مثال بھی ابن سیرین **اور** ابن عون **کے احتیاط اور تقویٰ پر مبنی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 87:**
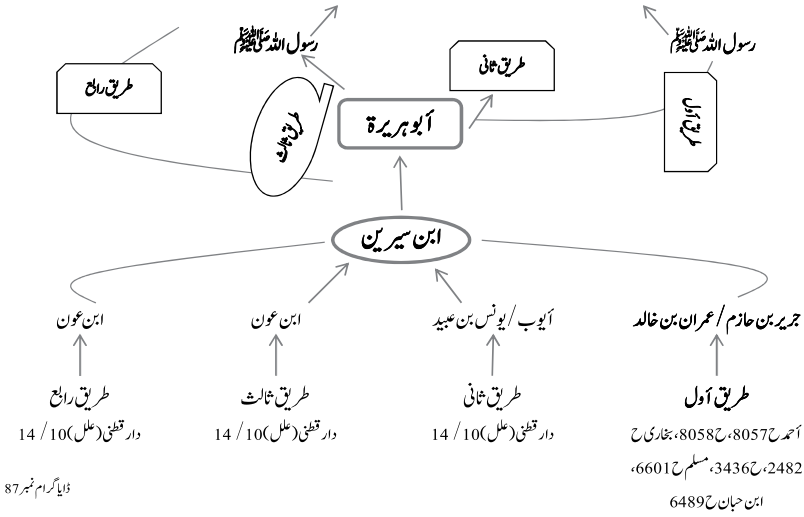
[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 8/115.

گزشتہ روایت کی طرح اس روایت میں بھی مدارِ سند "ابن سیرین" رحمہ اللہ اور "ابن عون" رحمہ اللہ ہیں، جن سے اس روایت کے مرفوع اور موقوف دونوں طرق منقول ہیں، اور اُن سے اس روایت کے دونوں طرق منقول ہونے کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے اس روایت کو ذکر کرنے میں احتیاط کو مدنظر رکھتے ہوئے کبھی موقوف نقل کر دیا، اور کبھی حالت نشاط میں سند کو مرفوع ذکر کر دیا۔

اس سلسلے کی اگلی مثال بھی ابن سیرین کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 88:

ڈایاگرام نمبر 88
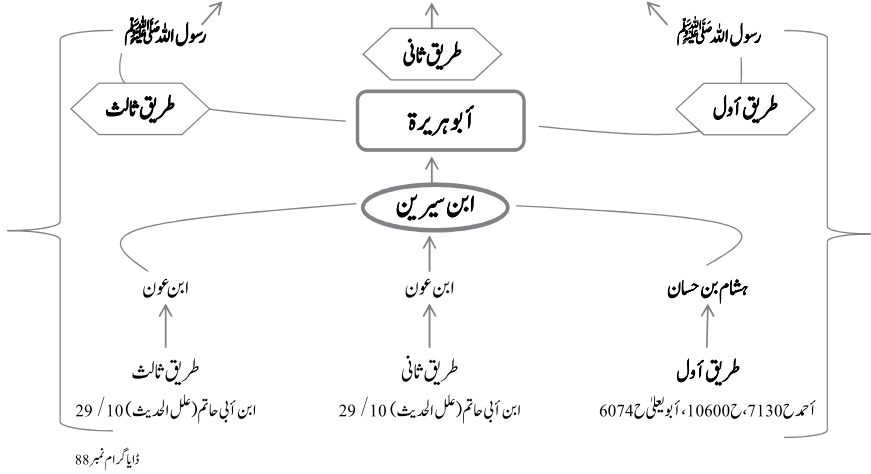
مذکورہ روایت میں بھی امام ابن سیرین اور ابن عون جو کہ مختلف ادوار میں اس روایت کے مدارِ سند کی حیثیت رکھتے ہیں، دونوں نے اپنی اپنی روایت میں احتیاط کی وجہ سے کبھی مذکورہ روایت کی سند أبو ھریرۃ رضی اللہ عنہ پر موقوف قرار دی، اور کبھی مرفوع ذکر کی۔ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی علل میں اس روایت کے طرق میں ابن سیرین اور ابن عون کے مرفوع اور موقوف طرق پر تفصیل ذکر کی ہے، اور مدار سند کی احتیاط کی طرف بھی اشارہ فرمایا[1]۔

اگلی مثال اس روایت کی ہے جس میں راوی (مدارِ سند) اپنی صفتِ تدلیس کی وجہ سے کسی بھی سند

[1] علل الحدیث 10/29.

میں زیادت ونقصان کا متحمل ہوتا ہے، امام اَعمش کی روایت جوانہوں نے اَبوذر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، "فلان في النار ينادي يا حنان يا منان"، جس میں امام سلیمان الأعمش رحمہ اللہ ابراہیم التیمی کے واسطے سے روایت نقل کرتے ہیں، لیکن جب امام سلیمان الأعمش کے شاگرد نے ان سے پوچھا کہ آپ نے یہ روایت إبراهيم التيمی سے براہِ راست سنی ہے، توانہوں نے فرمایا، کہ میں نے یہ روایت إبراهيم التيمی سے "حكيم بن جبير" کے واسطے سے نقل کی ہے [1]۔ چونکہ امام سلیمان الأعمش مشہور مدلّس راوی ہیں، لہٰذا اس روایت میں وہ سند میں اختلاف کا باعث بنے ہیں، جس کی وجہ سے انہوں نے کبھی روایت میں "حكيم بن جبير" کا ذکر کیا اور کبھی انہیں ساقط کردیا، اور یہ اپنی صفتِ تدلیس کی وجہ سے اختلافِ سند کے مرتکب واقع ہوئے ہیں، جب کہ وہ خود مدارِ سند بھی ہیں۔ ایسی صورت میں ترجیح کے لئے یہی قرینہ کافی ہوتا ہے کہ مدارِ سند کے اَحوال پر وافر علم ہو، خصوصاً جب مدارِ سند "مدلس" بھی ہو۔

مزید وضاحت کے لئے امام سلیمان الأعمش کی اگلی روایت ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 89:

ڈایاگرام نمبر 89

1 تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: امام حاکم کی معرفة علوم الحديث ص: 105.
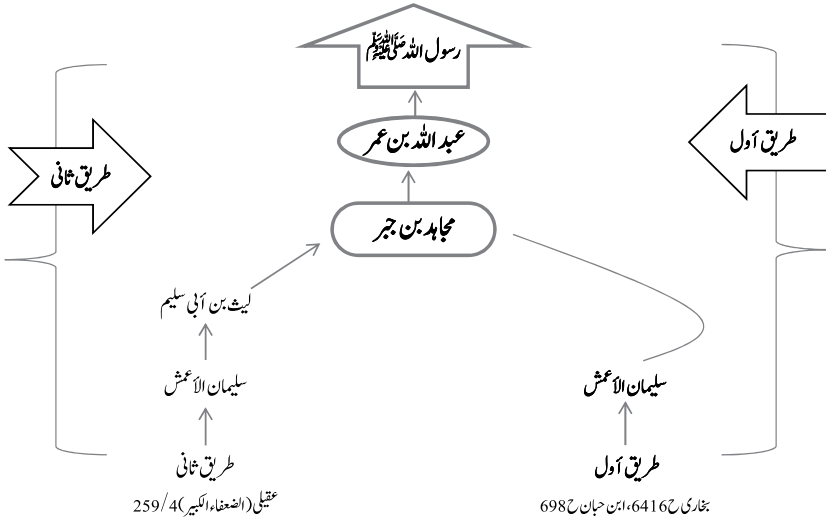
مذکورہ روایت کے طریقِ اُول میں اِمام سلیمان الأعمش رحمہ اللہ، مجاهد بن جبر رحمہ اللہ سے براہِ راست حدیث نقل کرتے ہیں، جب کہ اِمام سلیمان الأعمش چونکہ مدلس ہیں، لہٰذا ائمہ محدثین نے یہاں اُن کے مجاهد بن جبر رحمہ اللہ سے براہِ راست سماع میں جرح کی ہے، جس کی رُو سے یہاں سلیمان الأعمش اور مجاهد بن جبر کے درمیان واسطہ موجود ہے، جیسا کہ اِمام عقیلی رحمہ اللہ کی اس بارے میں تصریح منقول ہے [1]، جب کہ اِمام ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اِمام سلیمان الأعمش کے مجاہد سے سماع کی نفی ذکر کی ہے اور اس روایت کو تدلیس پر محمول کیا ہے [2]۔ اِمام یحییٰ القطان رحمہ اللہ، ابن معین رحمہ اللہ، أبو حاتم الرازی رحمہ اللہ اور دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی کی تائید کی ہے [3]۔

مثال سے معلوم ہوا کہ مدارِ سند اگر مدلّس ہو تو سند میں زیادت و نقصان اسی کی وجہ سے ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے متون و اَسانید میں اختلاف کا وقوع ہوتا ہے، لہٰذا اگر باحث کو مدارِ سند کے اَحوال کا علم ہو تو اس کے لئے اختلاف کی صورت میں مدار سند کے اَحوال کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیح کے لئے کسی بھی قرینہ تک پہنچنا نہایت آسان ہوتا ہے۔

راوی کی تدلیس کی وجہ سے روایت میں کمی و زیادت کی اگلی مثال أبو هريرة رضی اللہ عنہ کی درج ذیل روایت ملاحظہ ہو۔ ڈایاگرام نمبر 90:

---

[1] الضعفاء الكبير 4/ 259.

[2] فتح البارى 11/ 233.

[3] ان کے اقوال کے لئے دیکھئے بالترتیب: الجرح والتعديل 1/ 241، تاریخ ابن معین بروایتِ ابن طهمان ص: 59، ابن أبی حاتم کی علل الحدیث سوال نمبر 2119، العلل الواردة في الأحاديث النبوية سوال نمبر 1541.
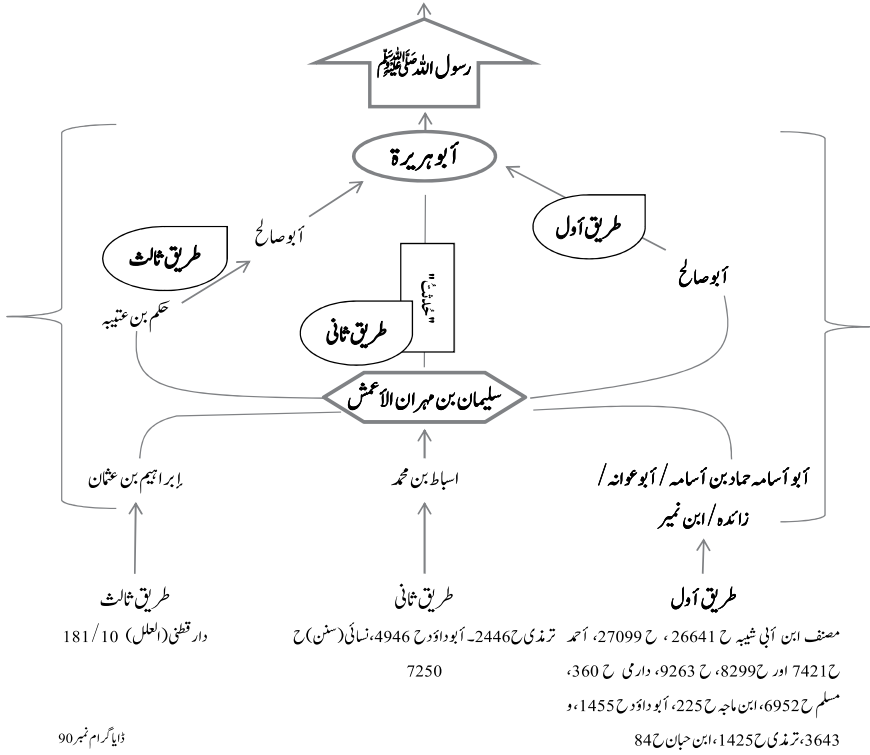
اِمام ترمذی رحمہ اللہ مذکورہ روایت کا طریق أول نقل کرنے کے بعد طریق ثانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ أبو صالح سے یہ روایت اِمام أعمش کسی واسطہ کے ذریعہ سے نقل کرتے ہیں [1] ، لیکن چونکہ اِمام أعمش مدلس راوی ہیں لہٰذا اُس مبہم راوی کا نام و نسب ذکر نہیں کرتے بلکہ "حُدِّثتُ" کے مجہول صیغہ سے واسطہ کا ذکر کرتے ہیں، اسی طرح اِمام أبو داؤد رحمہ اللہ اور اِمام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اپنی اپنی سنن میں انقطاع کی طرف اشارہ فرمایا [2] ۔اسی وجہ سے جب اِمام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے اپنے والد أبو حاتم رحمہ اللہ اور أبو زرعۃ رحمہ اللہ سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں

[1] سنن الترمذي، أبواب القراءات، باب منه 5/195 حدیث نمبر 2945.

[2] سنن أبي داؤد، كتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم 4/287 حدیث نمبر 4946، سنن النسائي، كتاب الرجم، باب الترغيب في ستر العورة وذكر الاختلاف على إبراهيم بن نشيط في خبر عقبة في ذلك 6/466 حدیث نمبر 7250.

نے بھی یہاں انقطاع کا ذکر کر کے اس روایت کو ترجیح دی جس میں اِمام أعمش نے اپنے اور أبو صالح کے درمیان واسطہ کا ذکر کیا[1]۔

جب کہ اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب العلل میں اس روایت کے مفصل طرق نقل کرنے کے دوران اِمام أعمش سے یہ روایت بواسطہ "حکم بن عتیبۃ" نقل کی ہے۔ جو کہ ڈایاگرام میں طریق ثالث کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔

اس صراحت کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ روایت کی سند میں جو اختلاف واقع ہوا تھا، اس کا اصل مصدر اِمام أعمش کا مدلس ہونا تھا جو کہ خود ہی اس روایت کے لئے "مدارِ سند" کی حیثیت رکھتے ہیں، اور یہی مدارِ سند ان تمام طرق کے مابین ترجیح کا قرینہ بن سکتا ہے۔

اگلی روایت اِمام زهري رحمہ اللہ کی تدلیس پر مشتمل ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 91:

[1] ملاحظہ ہو: علل الحدیث 5/275.

مذکورہ روایت کا طریق ثانی نقل کرنے کے بعد اِمام نسائی رحمہ اللہ نے صراحتًا فرمایاکہ اِمام زهري رحمہ اللہ کا قبیصة سے سماع ثابت نہیں ہے [1]، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق ثانی میں انہوں نے تدلیس سے کام لیتے ہوئے "عثمان بن إسحاق"کو حذف کردیا تھا۔اسی بات کی تائید کرتے ہوئے اِمام أبو الحجاج المزي رحمہ اللہ نے بھی حدیثِ مالک کوصحیح قرار دیا [2]۔ جب کہ اِمام دارقطنی بھی اسی طرف مائل نظر آتے ہیں [3]۔

معلوم ہواکہ اِمام زہری کی تدلیس کی وجہ سے مذکورہ سند میں اختلاف واقع ہوا، اور چونکہ اس سند میں اِمام زہری خود مدارِ سند ہیں، توظاہر ہوتا ہے کہ کبھی کبھی مدارِ سند بھی اختلافِ اسانید کا سبب بنتا ہے، تاہم اگرمدار سند کے أحوال کاعلم ہوتوایسی صورت میں ترجیح کے لئے قرینہ ڈھونڈنانہایت سہل ہوتا ہے۔

اگلی روایت ابن جریج کی تدلیس والی روایت ہے، ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر92:

ليس على المنتهب قطع، ومن انتهب نهبة مشهورة فليس منا، وقال: ليس على الخائن قطع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جابر بن عبد اللہ

طریق ثانی

طریق أول

أبو الزبیر

طریق ثانی

طریق أول

یاسین الزیات

عبد الملک ابن جریج

عبد الملک ابن جریج

طریق ثانی

أبو داوٗد ح 4393

طریق أول

مصنف عبد الرزاق ح18844، 18858، 18860، مصنف ابن أبی شیبہ ح 29254، ح29261، اور 29261، أحمد ح15136، دارمی ح2459، ابن ماجہ ح 2591، اور 3935، أبو داوٗد ح4391، 4392، اور 4393، ترمذی ح1448، نسائی(سنن کبریٰ) ح7419، اور 7422، 7420، 7423، 7424، اور 7426، 7421، 7425، ابن حبان ح4458

ڈایاگرام نمبر92

[1] السنن الکبری للنسائي، کتاب الفرائض، باب ذکر الجدات والأجداد ومقادير نصيبهم6/111حدیث نمبر6308.

[2] دیکھئے:تحفة الأشراف 11232.

[3] ملاحظہ ہو:العلل الواردة في الأحاديث النبوية1/248.

اِمام اَبو داوٗد رحمہ اللہ نے اپنی سنن میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن جریج کی تدلیس کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس بات کی تردید کی ہے کہ اُنہوں نے یہ روایت براہِ راست أبو الزبیر سے حاصل کی ہے، بلکہ ان کے درمیان یاسین الزیات کا واسطہ نقل کیا ہے۔ چونکہ جرح وتعدیل کے باب میں علماء کے نزدیک "یاسین الزیات" کا حال کچھ زیادہ اچھا نہیں، اسی وجہ سے ابن جریج نے اس روایت میں تدلیس کرتے ہوئے یاسین الزیات کو حذف کیا، جب کہ کہیں کہیں اس کو ذکر بھی کیا، اسی وجہ سے ائمہ علل نے بھی ابن جریج کی براہِ راست أبو الزبیر سے نقل کی گئی روایت کو معلل ٹھہرایا ہے[1]۔

چونکہ ابن جریج مدلس بھی ہیں اور اس روایت میں مدارِ سند بھی ہیں، تو یہاں اختلافِ سند کے ذمہ دار بھی وہی ہیں، اور ان کو مدنظر رکھتے ہوئے باحث کے لئے ایسی صورت میں کسی بھی طریق کو ترجیح دینا آسان ہوتا ہے۔

یہ تمام اَمثلہ مدارِ سند سے متعلق قرائنِ ترجیح کے سلسلے میں ان دلائل کی وضاحت کے لئے پیش کی گئیں جن میں ان امور کی وضاحت کی گئی کہ ایسی کون سی اشیاء ہیں جن کو مدنظر رکھتے ہوئے باحث اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ کسی بھی روایت میں اختلافِ اَسانید ومتون کا سبب خود "مدارِ سند" ہے، ایسے دلائل کو ہم نے تین اَنواع میں تقسیم کیا تھا، جن میں سے مذکورہ اَمثلہ اس دوسری نوع کی وضاحت کے لئے تھیں، جس میں "مدارِ سند" اگرچہ بذاتِ خود ثقات ہوتے ہیں لیکن اپنی حد درجہ احتیاط اور حساس ہونے کی وجہ سے یا تدلیس کی وجہ سے سند یا متن میں اختلاف کا سبب بنتے ہیں۔

ت. وہ راوی/مدارِ سند شامل ہیں جن کے اَحوال تمام اَوقات واَماکنہ میں ایک ہی جیسے ہوں ان کی تیسری نوع میں **وہ رجال حدیث شامل ہیں، جن کی روایات میں تردد اور اضطراب پایا جاتا ہو، اگرچہ وہ ثقات ہی کیوں نہ ہوں** جیسے اِمام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ لیکن ان کی بعض روایات میں ان کی جلالتِ شان کے باوجود اپنے ضبط وحفظ پر حد درجہ اعتماد کی وجہ سے

[1] دیکھئے: علل الحدیث 4/188.

تردد کا وقوع ہوتا ہے، اسی طرح داؤد بن أبي هند رحمہ اللہ کا بھی حال ہے۔

مزید وضاحت کے لئے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کی یہ روایت ملاحظہ ہو، دیکھئے ڈایاگرام نمبر 93:
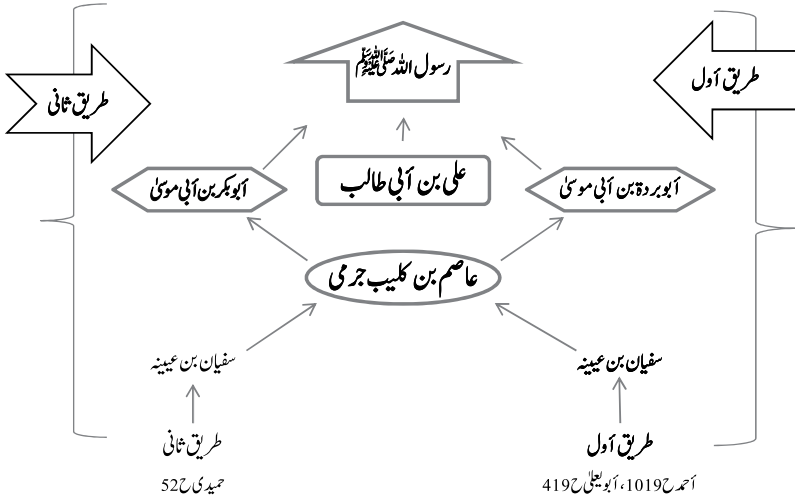
ڈایاگرام نمبر 93

درج بالا روایت میں امام سفیان بن عیینة رحمہ اللہ اگرچہ ثقہ راوی ہیں، لیکن اپنی جلالتِ قدر اور عظمتِ شان کے باوجود ان سے اس روایت کی سند میں تردد واقع ہوا، جس کی وجہ سے وہ کبھی "أبو بردة بن أبي موسىٰ" رحمہ اللہ کا نام ذکر کرتے اور کبھی "أبو بكر بن أبي موسىٰ" رحمہ اللہ کا نام لیتے، جیساکہ ڈایاگرام سے واضح ہے، اسی وجہ سے امام حمیدی رحمہ اللہ نے روایت ذکر کرنے کے بعد یہ بھی ذکر کیا کہ جب امام ابن عیینة رحمہ اللہ نے "أبو بكر" کا نام لیا تو انہیں کہا گیا کہ محدثین تو "أبو بردة" کا نام لیتے ہیں، تو فرمایا کہ میں نے اسی طرح یاد کیا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا تردد قائم تھا اور گاہے بگاہے وہ أبو بردة کا نام بھی لے ہی لیتے [1]۔

[1] ملاحظہ ہو: مسند حمیدی 1/179 حدیث نمبر 52.

واضح ہوا کہ مدارِ سند اگرچہ قابل اعتماد ثقہ راوی ہی کیوں نہ ہو، کبھی تردد کی وجہ سے اس سے سند یا متن میں اختلاف واقع ہو جاتا ہے، اور اگر باحث کی مدارِ سند کے متعلق معلومات کامل ہوں تو اس نتیجہ تک پہنچنا آسان ہوتا ہے کہ اختلاف سند و متن کی صورت میں مدارِ سند کے متعلق قرائن کو زیر تحقیق لا کر کسی ایک طریق کو ترجیح دی جائے۔

اگلی مثال بھی سفیان بن عيينة کے تردد پر مشتمل ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 94:

ڈایاگرام نمبر 94
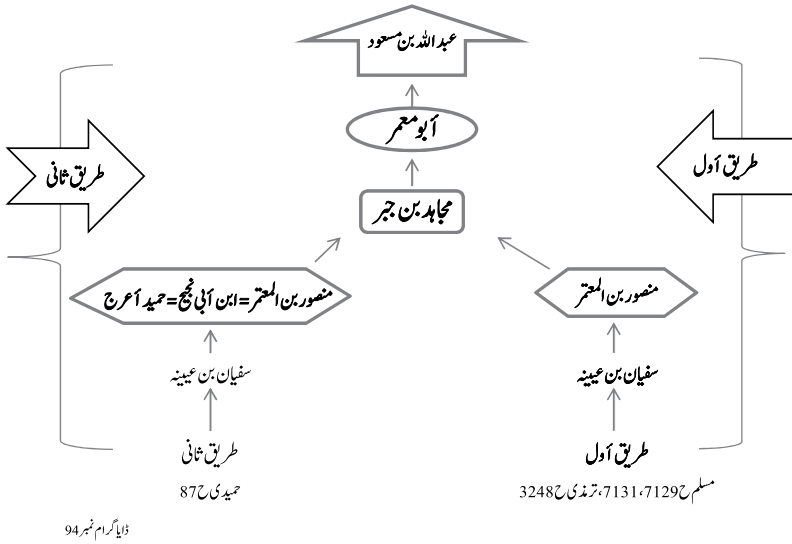
مذکورہ روایت میں سفیان بن عيينة جو کہ مدارِ سند ہیں، انہوں نے روایت کرتے ہوئے طریق أول میں صراحتاً منصور بن المعتمر کا نام لیا ہے، جب کہ طریق ثانی میں اپنی متردد طبیعت کی وجہ سے انہوں نے تین اُساتذہ کے نام ذکر کرتے ہوئے وقتاً فوقتاً تردد کا اظہار کیا۔ اگرچہ بعد میں منصور بن المعتمر پر اعتماد کا اظہار کیا[1]۔

[1] مسند حمیدی حدیث نمبر 87.

اس مثال سے واضح ہوا کہ مدارِ سند کی متردد طبیعت کی وجہ سے بھی متن یا سند میں اختلاف کا صدور ممکن ہے، اسی مدارِ سند سے متعلق قرائن کو سامنے رکھتے ہوئے باحث اختلاف أسانید و متون کی صورت میں ترجیح کا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے اس سلسلے کی اگلی مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 95:

لا تصلح قبلتان في أرض، وليس على مسلم جزية
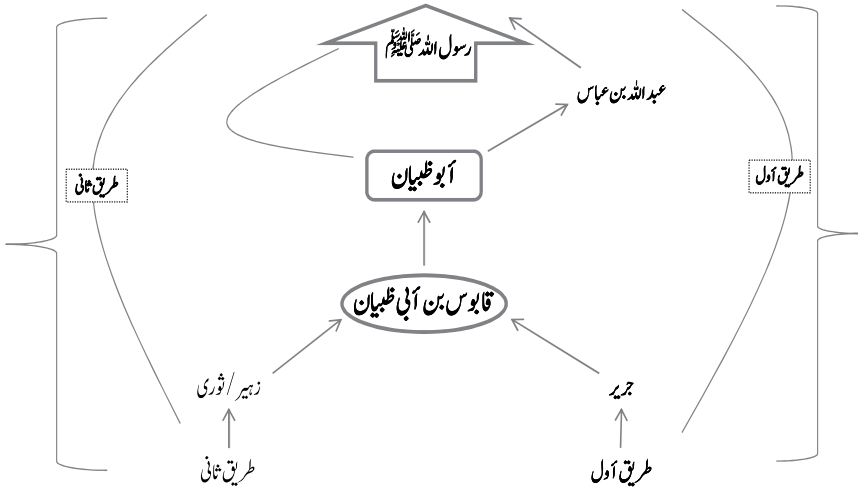
أبو عبيد (الأموال) ص: 121، (لابن زنجويه) ص: 182

مصنف ابن أبی شیبہ ح10680، أحمد ح1949، ح2577، 2576، أبو داؤد ح 3032، اور 3053، ترمذی ح633 اور 634

ڈایاگرام نمبر 95

مذکورہ روایت میں بھی مدارِ سند "قابوس" سے تردد کی وجہ سے سند میں اختلاف واقع ہوا ہے، طریق أول میں وہ متّصل سند ذکر کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں وہ إرسال کی طرف مائل نظر آتے ہیں، اور یہی روایت مرسل نقل کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے إمام ترمذی رحمہ اللہ اور إمام أبو حاتم رحمہ اللہ نے اسے معلول ٹھہرایا[1]۔ معلوم ہوا کہ مدارِ سند کی وجہ سے اختلافِ أسانید و متون کا صدور یقیناً ممکن ہے

[1] سنن الترمذي، أبواب الزكاة، باب ما جاء ليس على المسلمين جزية 3/18 حدیث نمبر 633 اور 634، علل الحديث 3/371.

اور اسی کو بنیاد بنا کر روایات کے مابین قرینہء ترجیح تلاش کیا جا سکتا ہے۔

اگلی مثال "عبد الله بن مُحَّد بن عقيل" کے تردد پر مشتمل ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 96:

ڈایاگرام نمبر 96

درج بالا روایت میں مدارِ سند "عبد الله بن مُحَّد بن عقيل" رحمہ اللہ سے چار طرق منقول ہیں، اور چاروں تقریبًا سند میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، یقینًا یہ مدارِ سند کا اپنا تردد ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی ایک طریق لاتے ہیں اور کبھی دوسرا طریق ذکر کرتے ہیں، اور یہی اختلافِ سند کا موجب بھی ہیں، اسی لئے اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ اور اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے اپنی اپنی کتب میں اس اضطراب کو "عبد الله بن مُحَّد بن عقيل" کی طرف منسوب کیا ہے جو کہ اس سند کے مدار بھی ہیں، جب کہ أبو زرعة رحمہ اللہ نے صراحتًا یہ بھی کہا کہ اضطراب کا سبب عبد اللہ ہی ہیں کیونکہ ان سے روایت کرنے والے اُن کے شاگرد تمام کے تمام ثقات میں سے ہیں [1]۔

[1] ابن أبی حاتم کی علل الحديث 4/497، دار قطنی کی "العلل الواردة في الأحاديث النبوية" 7/19.

یہاں تک دلائل کی ان اقسام کا بیان تھا جس کو مد نظر رکھتے ہوئے باحث کے لئے اس بات کا تعین آسان ہو جاتا ہے کہ اختلاف سند ومتن کا موجب مدارِ سند ہی ہے یا اس کے علاوہ دیگر راوی اختلاف کا باعث ہیں۔

قسم ثانی : وہ راوی جن کے اَحوال مخصوص اَوقات واَماکن میں بدلتے رہتے ہوں

دلائل کی دوسری قسم میں وہ راوی/مدارِ سند شامل ہیں جن کے اَحوال مخصوص اَوقات و اَماکن میں بدلتے رہتے ہوں، یعنی کسی ایک استاد/شیخ سے روایت کرتے وقت ان کی روایت پر اعتماد کا درجہ ان کی اپنے شیخ کے ساتھ ملازمت تامہ، وسعت روایت اور اس شیخ کے ساتھ انتہائی قربت کی وجہ سے نہایت اونچا ہو، اور یا حالات اس کے برعکس ہوں، یعنی وہ راوی جو کسی بھی مخصوص سند میں "مدارِ سند" واقع ہوا ہو، وہ مخصوص حالات میں مخصوص شیوخ/اساتذہ سے روایت کرتے ہوئے ضعف کا شکار ہوئے ہوں۔

(الف): وہ مدارِ سند جن کے اَحوال مخصوص اَوقات میں مختلف ہوتے ہوں، لیکن اپنے شیخ کے ساتھ ملازمت تامہ اور طویل رفاقت کی وجہ سے ان سے ذکر شدہ تمام طرق ٹھیک ہی ہوں، اس صورت میں بھی اختلافِ سند ومتن کا دارو مدار یہی مدارِ سند ہی ہونگے، اور انہی پر ان اختلافات کا بوجھ ڈالا جائے گا، اور انہیں ہی اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا، مثال کے طور پر مدارِ سند کسی روایت کو نقل کرنے میں اپنے استاد کے ساتھ ملازمت تامہ اور کثرت صحبت رکھتے ہوں اور انہیں وسیع الروایہ بھی مانا گیا ہو، تو چونکہ انہیں اپنے اساتذہ کے ساتھ طویل مصاحبت حاصل رہی ہے اور روایتِ حدیث میں وسیع تجربہ بھی ہے تو یہی قرینِ قیاس ہے کہ اسی ایک روایت کی متعدّد اَسانید اسی مدارِ سند کی مرہون منت ہیں، مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 97:
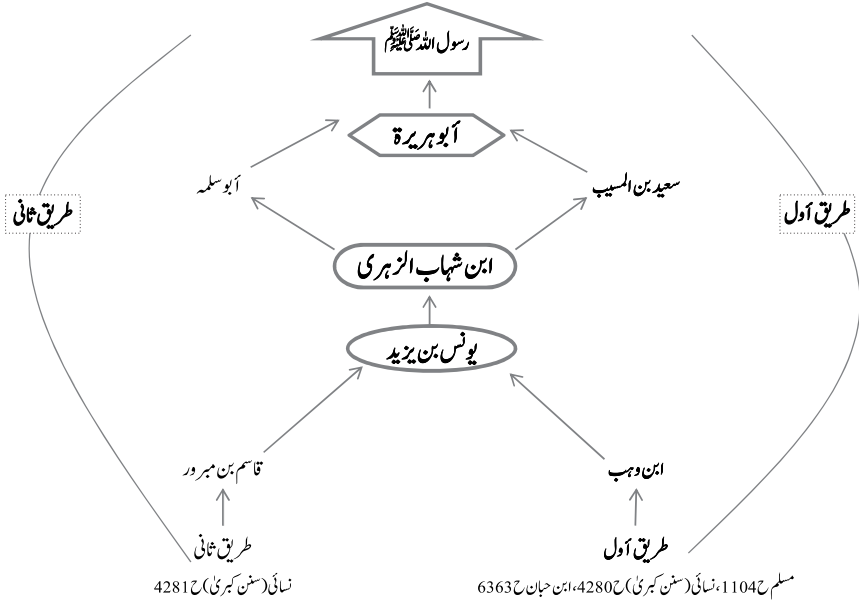
ڈایاگرام نمبر 97

مذکورہ روایت میں یونس بن یزید جوکہ مدارِ سند ہیں، لیکن وہ اپنے شیخ کے انتہائی قریبی اور طویل رفاقت والے شاگرد شمار کئے جاتے ہیں، جوکہ امام ابن شہاب زهري رحمہ اللہ سے اس روایت کی دو قسم کی سند ذکر کرتے ہیں، طریق اَول میں سعید بن المسیب رحمہ اللہ کو ذکر کرتے ہیں اور طریق ثانی میں أبو سلمة رحمہ اللہ کا نام لیتے ہیں۔ چونکہ یونس بن یزید امام ابن شہاب زهري کے بہترین تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں اور خود مدارِ سند امام ابن شہاب زهري رحمہ اللہ ایک وسیع المشرب محدث ہیں، لہٰذا ائمہ علل ان دونوں طرق کو محفوظ قرار دیتے ہیں اور سند میں اختلاف کا موجب "یونس بن یزید" کو ہی قرار دیتے ہیں [1]، لیکن چونکہ وہ ابن شہاب زهري رحمہ اللہ کے قریبی تلامذہ میں سے ہیں لہٰذا دونوں طرق صحیح ہیں۔

توجب باحث کو مدارِ سند کے ایسے اَحوال کا علم ہو گا تو ان کے لئے اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہو گا کہ

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 8/95.

مذکورہ طرق میں اختلاف کا سبب کیا ہے اور اس اختلاف سے نکلنے میں کون سا قرینہ ترجیح کی صورت پیدا کر سکتا ہے۔

اگلی مثال جس سے اس قضیہ کی مزید وضاحت ہو سکتی ہے وہ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 98:
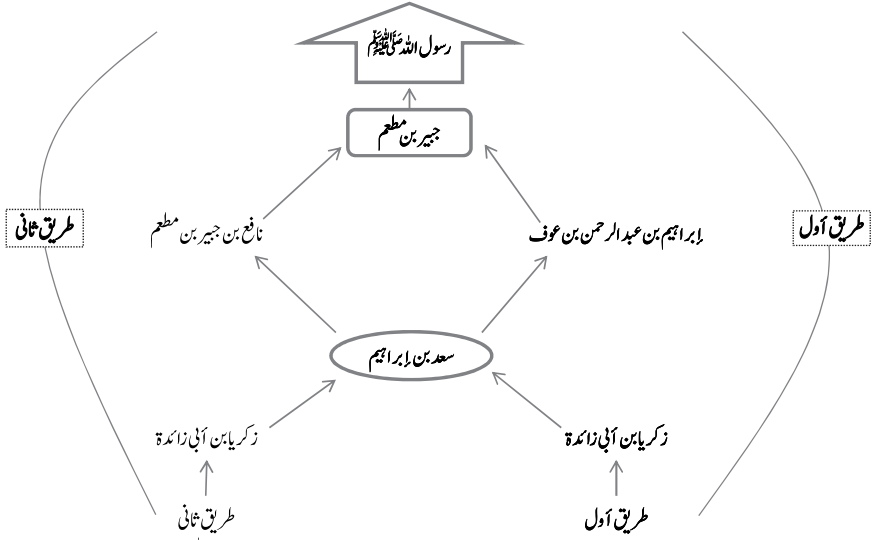
ڈایاگرام نمبر 98

مذکورہ روایت مدارِ سند "سعد بن إبراهيم" سے دو طرق سے مروی ہے اور انکے انتہائی قریبی اور طویل مصاحبت والے شاگرد "زكريا بن أبي زائدة" رحمہ اللہ یہ دونوں طرق نقل کرتے ہیں، جو کہ "مدارِ سند" بھی ہیں، چونکہ زکریا بن أبي زائدة وسیع الروایہ ہیں لہٰذا مذکورہ سند میں اختلاف انہی کی بدولت واقع ہوا ہے، لیکن چونکہ زکریا، سعد بن إبراهيم کے طویل رفاقت والے شاگرد ہیں لہٰذا یہی وجہ ہے کہ اُن کی حالت کے مدنظر علماء محدثین نے دونوں طرق کو محفوظ قرار دیا[1]۔ معلوم ہوا کہ مدارِ سند کے حالات اگرچہ بدلتے

[1] صحیح ابن حبان حدیث نمبر 4372.

رہتے ہوں لیکن چونکہ ان کا اپنے شیوخ کے ساتھ طویل رفاقت رہی ہوتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں ان کے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا جائے گا جیسا کہ آگے مزید مثالوں سے واضح ہوگا۔

ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 99:

بعث إلي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: خذ عليك ثيابك وسلاحك، ثم ائتني، فأتيته وهو يتوضأ، فصعد في النظر ثم طأطأ، فقال: إني أريد أن أبعثك على جيش، فيسلمك الله ويغنمك، وأزعب لك من المال زعبة صالحة، قال: فقلت: يا رسول الله، ما أسلمت من أجل المال، ولكني أسلمت رغبة في الإسلام، وأن أكون مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: يا عمرو، نعم المال الصالح للمرء الصالح

مصنف ابن أبی شیبہ ح22627، أحمد ح17915، 17916، 17955، أبو یعلیٰ ح 7336، ابن حبان ح3210، اور 3211

مصنف عبد الرزاق ح7602، مصنف ابن أبی شیبہ ح9008، أحمد ح17914، 17923، 17952، دارمی ح1820، مسلم ح2518، 2519، أبو داؤد ح2343، ترمذی ح709، ابن خزیمہ ح1940، ابن حبان ح3477

ڈایاگرام نمبر 99
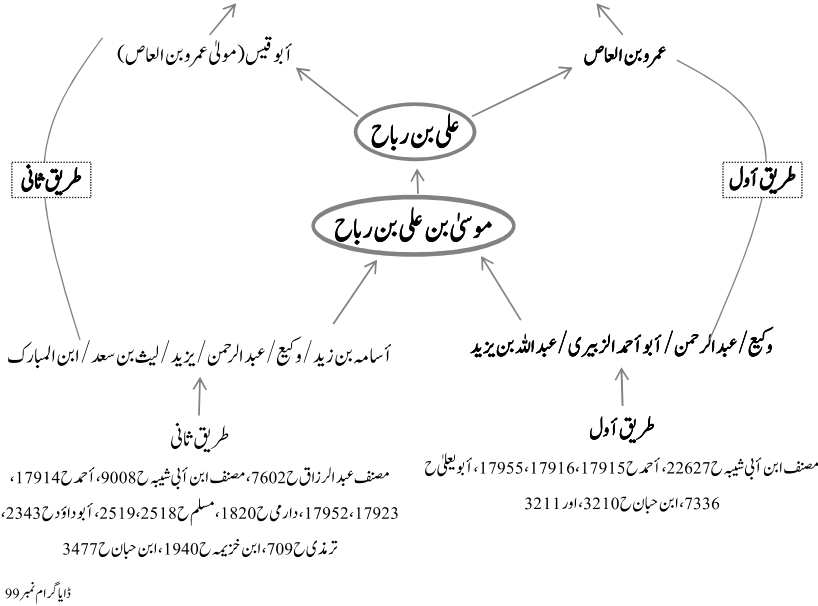
مذکورہ روایت کے مدارِ سند "موسیٰ بن علي بن رباح" رحمہ اللہ ہیں جو کہ اس روایت کے دو طرق نقل کرتے ہیں، اور چونکہ وہ اپنے شیخ "علی بن رباح" کے ساتھ طویل عرصہ تک مصاحبت میں رہے، لہٰذا أئمہ علل کے نزدیک یہ دونوں طرق صحیح گردانے جاتے ہیں [1]۔

مذکورہ أمثلہ میں چونکہ مدارِ سند ہی اختلاف أسانید کا موجب ہیں، لیکن چونکہ وہ اپنے شیوخ کے

[1] صحیح ابن حبان حدیث نمبر 3210.

ساتھ طویل رفاقت اور کثرۃ ملازمت کی صفت سے متّصف رہے، لہٰذا اختلاف کی صورت میں ان کے دونوں طرق کو صحیح قرار دیا گیا۔ اور سببِ اختلاف خود مدارِ سند ہی ٹھہرا، یہ تمام اُمثلہ اس بات کی وضاحت کے لئے تھیں کہ وہ کونسے دلائل ہیں جن کو مدنظر رکھ کر کوئی باحث اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ اختلاف کا سبب مدارِ سند ہے نہ کہ اس کے بعد آنے والے اس کے شاگرد، تو اگر مدارِ سند کے اُحوال معلوم ہوں تو اختلاف کی صورت میں اوپر مذکورہ تمام دلائل بمعہ اُمثلہ اس بات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ ترجیح کے لئے مدارِ سند سے متعلق قرائن کو زیر بحث لایا جائے گا۔ جو کہ قرائنِ ترجیح کی پہلی قسم ہے۔

(ب): **یا کسی خاص علاقے کے شیوخ** سے روایت کرتے وقت اس کی روایات میں ضعف در آتا ہو، یا کسی خاص شہر میں اس کی روایات ضعف و اضطراب کی حامل ہوں، یا اس کے علاوہ کوئی ایسا عمل جس کی وجہ سے اس کی روایات میں ضعف واضح ہوتا ہو، مثلاً اگر اپنے حافظہ سے روایت کرے یا آخری عمر میں اختلاط کی وجہ سے یا ضعف بصر کی وجہ سے اس کی روایت قابل اعتماد نہ رہی ہوں، تو ایسی صورت میں یقیناً یہ اختلاف اسی راوی کے انہی اسباب کی وجہ سے روایات میں واقع ہوا ہوگا۔ اور یہی "مدارِ سند" ان اسانید و متون میں اختلاف کا موجب ہوگا۔

مثال کے طور پر ابن أبي ذئب رحمہ اللہ کی روایات کہ بغداد میں ان کی روایات کی گئی اُحادیث، مدینہ میں روایت کی گئی اُحادیث سے قطعاً مختلف تھیں، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 100:

والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، والله لا يؤمن، قالها ثلاث مرات، قالوا: وما ذاك يا رسول الله؟ قال: الجار لا يامن جاره بوائقه، قالوا: وما بوائقه؟ قال: شره
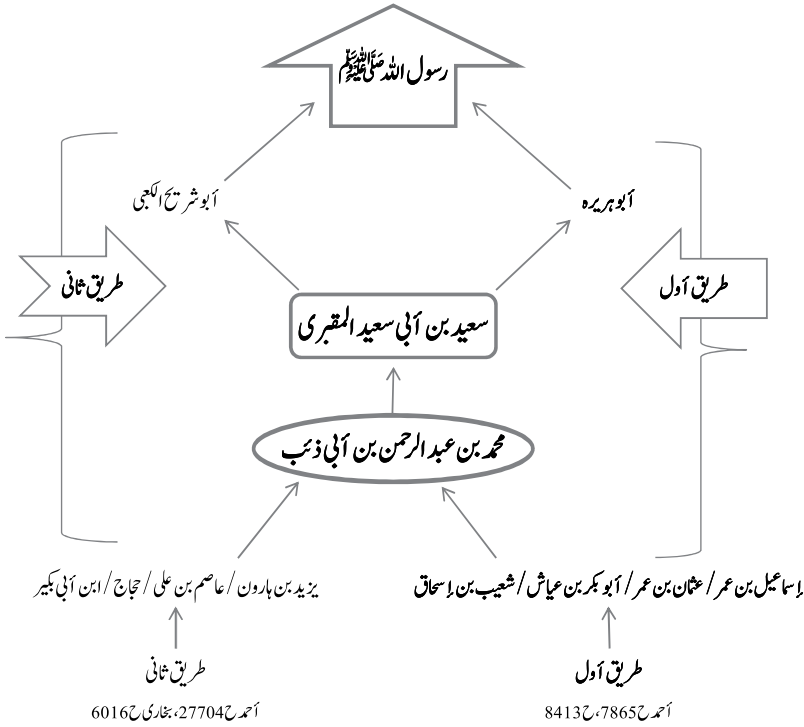
ڈایاگرام نمبر100

مذکورہ روایت میں مدارِ سند "محمد بن عبد الرحمٰن بن أبي ذئب" رحمہ اللہ **سے روایت کے دو طرق منقول ہیں**، ان کی اس تنوعِ روایات کے متعلق محدثین فرماتے ہیں کہ بغداد میں وہ ایک طرح کی روایت کرتے تھے جب کہ مدینہ میں ان کی روایت مختلف ہوا کرتی تھی [1]، یہ الگ مستقل بحث ہے کہ اس اختلاف کی صورت میں ان کی کونسی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، تاہم یہاں صرف یہ دکھلانا مقصود ہے کہ مدارِ سند کے أحوال مختلف ہوتے ہیں اور کسی خاص شہر میں ان کی روایات ایک طرح کی ہوتی ہیں اور دوسرے شہر مین ان کی روایات دوسری طرح ہوتی ہیں۔

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذی 2/780، علل الحدیث 5/597، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 8/160.

اسی طرح معمر بن راشد رحمہ اللہ کی روایت مسئلہ کی مزید وضاحت کرتی ہے،

ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 101:
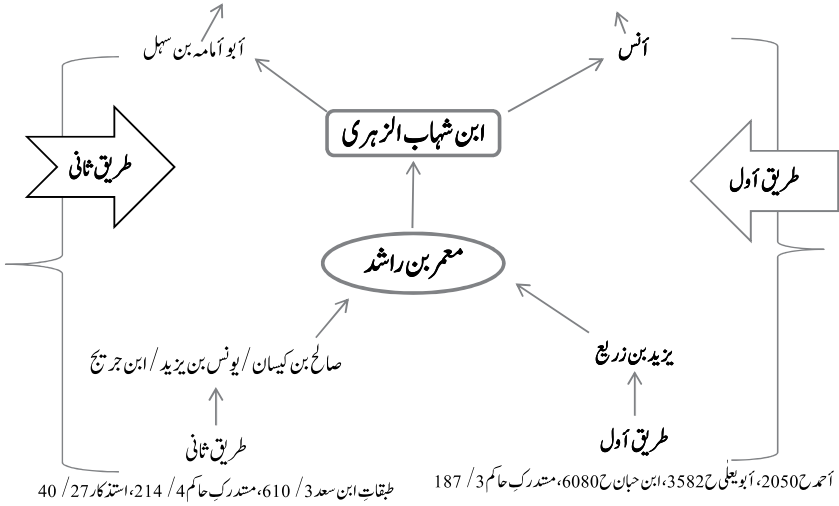
ڈایاگرام نمبر 101

مذکورہ روایت میں معمر بن راشد رحمہ اللہ مدارِ سند ہیں اور ان کے بارے میں تاریخ دمشق میں واضح طور سے عباس بن يزيد البحراني رحمہ اللہ کا یہ قول منقول ہے کہ بصرہ میں ان سے روایت میں خلط واقع ہوتا رہا، چونکہ ان کی کتب اُن کے پاس موجود نہیں تھیں تو بصرہ میں وہ روایت کرتے وقت غلطیوں میں مبتلا ہوتے رہے[1]، لہٰذا اگر ہم دیکھیں تو "یزید بن زریع" رحمہ اللہ بصری ہیں، یہی وجہ ہے کہ علماء علل نے طریق اُول، جو کہ یزید بن زریع سے مروی ہے، کو معمر کا وہم قرار دیا ہے۔ اور اس کے مقابل طریق ثانی کو صحیح ٹھہرایا ہے[2]۔

[1] تاریخ دمشق 59/392.

[2] شرح علل الترمذی 2/603، ابن عبد البر کی التمهيد 24/60، علل الحديث 6/19، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 12/201.

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 102:
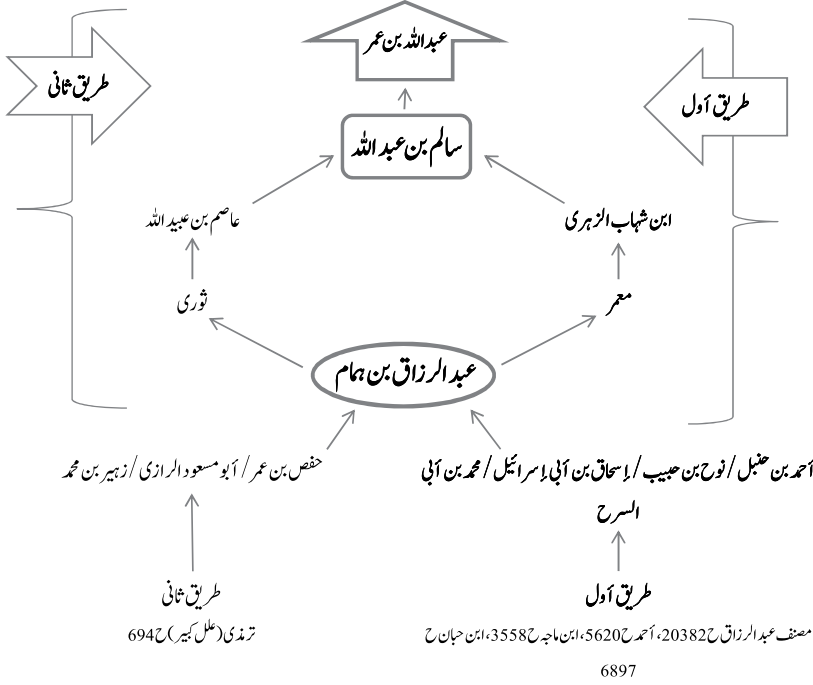
ڈایاگرام نمبر 102

مدارِ سند عبد الرزاق بن همام رحمہ اللہ کی اس روایت کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ انہوں نے "نابینا" ہونے کے بعد روایت کی تھی، جسکی وجہ سے ان کی روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے۔ اور یہی مدارِ سند اس اختلاف کے ذمہ دار ہیں [1]۔

ان تمام مثالوں سے ثابت ہوا کہ خاص أحوال میں اختلافِ سند کی ذمہ داری "مدارِ سند" پر عائد ہوتی ہے، جیسے اوپر تفصیل گزر چکی۔

[1] مزید تفصیل کے لئے: علل الترمذی الکبیر حدیث نمبر 694 اور إمام طبرانی کی "الدعاء" حدیث نمبر 400.

اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں کی مثالیں اور وضاحت پچھلی فصل "متون واَسانید میں اختلاف کے اَسباب" کے تحت تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہیں۔

توجب باحث کو مدارِ سند کے اَحوال کا علم ہو گا تو اس کے لئے کسی بھی اختلاف کی صورت میں قرائنِ ترجیح کی طرف رجوع کرنا آسان ہو گا، جو قرائن کی پہلی قسم مدارِ سند سے متعلق ہیں۔

الغرض اس مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مدار سند کے شاگردوں کے احوال کی بحث و تفتیش سے پہلے پہلے بذات خود "مدارِ سند" کے احوال کی رعایت رکھنا ضروری ہے، اور کسی بھی روایت کی اَسانید و متون میں اختلاف کے مابین ترجیح کے لئے سب سے پہلے مدار سند کے اَحوال پر تحقیق کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بعد کا درجہ اِس مدار سند سے روایت کرنے والے رجال حدیث پر غور و فکر کرنے کا آتا ہے، جب کہ عموماً محققین کے ہاں اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ابتداء ہی سے مدار سند کے تلامذہ کے اَحوال کو دیکھنا شروع کر دیا جاتا ہے جو کہ صریحاً غلطی پر منتج ہوتا ہے، اس سلسلے میں مزید وضاحت مثال سے بھی ہوتی ہے کہ جب مدار سند کے شاگردوں کو مد نظر رکھتے ہوئے کسی بھی روایت پر حکم لگایا جائے اور "مدارِ سند" کی طرف التفات نہ کیا جائے تو کیا اَغلاط و اَوہام واقع ہو سکتی ہیں، مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 103:

أن امرأة من نساء النبي صلى الله عليه وسلم استحمت من جنابة، فجاء النبي صلى الله عليه وسلم يستحم من فضلها، فقالت: إني اغتسلت منه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الماء لا ينجسه شيء
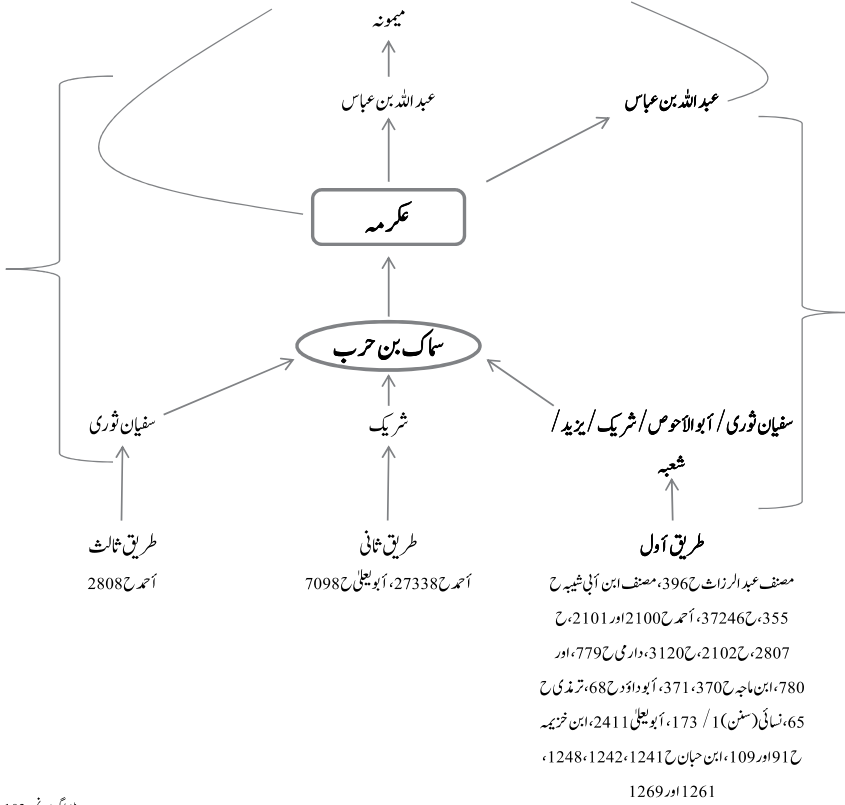
ڈایاگرام نمبر 103

سماك بن حرب رحمہ اللہ سے مذکورہ روایت کے مزید طرق بھی منقول ہیں، لیکن معروف طرق یہی تین ہی ہیں، چونکہ مدارِ سند "سماك بن حرب" ہیں، لہٰذا اگر دیکھا جائے تو تینوں طرق میں قواعدِ علل کی رُو سے طریقِ أول راجح ہے کیونکہ سماك بن حرب کے بہترین تلامذہ میں سفیان ثوري رحمہ اللہ کا نام سر فہرست آتا ہے، اسی وجہ سے امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے بھی طریقِ أول جو کہ موصول مروی ہے، اسے ہی راجح ٹھہرایا ہے [1]۔

---

[1] التمهيد 1/ 333.

یہاں تک تو بات قواعدِ علل کی رُو سے بالکل ٹھیک ہے، اگر سماك بن حرب کے تلامذہ میں اختلاف کرنے والے شاگردوں کو دیکھا جائے اور ان کے اَحوال کے مطابق فیصلہ صادر کیا جائے اور سفیان ثوری کی مزید متابعات کو دیکھا جائے۔

لیکن سماک بن حرب کو بطورِ "مدارِ سند" بھی دیکھنا ضروری ہے، خصوصًا جب وہ عکرمۃ سے روایت کر رہے ہوں، کیونکہ محدثین کے نزدیک سماك بن حرب رحمہ اللہ جب عکرمۃ سے روایت کرتے ہیں تو اضطراب کی کیفیت کا شکار نظر آتے ہیں [1]۔

لہٰذا یہاں سماک بن حرب سے آگے بڑھ کر اس کے شاگردوں کی طرف جانے سے پہلے خود سماك بن حرب کو بطورِ "مدارِ سند" جانچنا ضروری ہے، جو کہ اختلافِ اَسانید ومتون کی صورت میں قرائنِ ترجیح کی پہلی قسم یعنی "مدارِ سند سے متعلق قرائن" سے تعلق رکھتا ہے۔ تو اگر مدارِ سند کی طرف رجوع نہ کیا جائے تو پھر اس میں غلطیاں اور اَوہام واقع ہو سکتے ہیں۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے، کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 104:

[1] دیکھئے: اِمام اَحمد کی العلل ومعرفة الرجال 1/395، اِمام مزی کی تهذيب الكمال 12/119-120.

الحياء من الإيمان، والإيمان في الجنة، والبذاء من الجفاء، والجفاء في النار
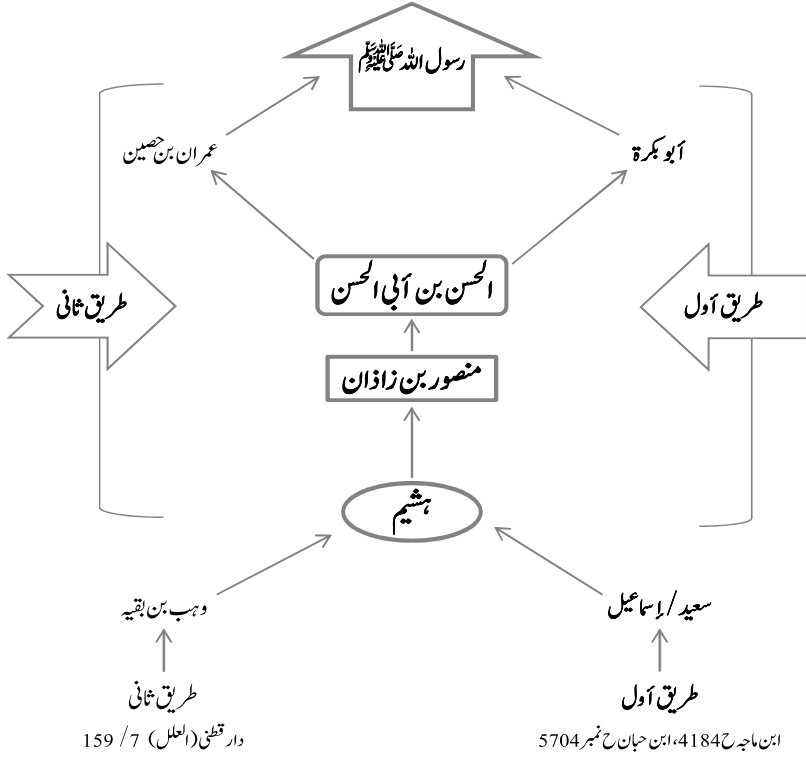
ڈایاگرام نمبر 104

یہاں بھی اسی طرح کی صورتحال ہے، کہ ھشیم "مدارِ سند" ہیں، اور ان سے روایت کرنے والے طریق أول کے راوی اسے "مسند أبي بكرة" میں سے ٹھہراتے ہیں، جب کہ طریق ثانی کے شاگرد اسے "مسند عمران بن حصين" میں سے گردانتے ہیں۔ لیکن یہاں مدارِ سند کے تلامذہ کی طرف جانے سے پہلے ہمیں خود "مدارِ سند" کے أحوال کا جائزہ لینا ضروری ہے کیونکہ "مدارِ سند سے متعلق قرائن" کو ہی پہلی فرصت میں زیرِ بحث لانا قواعدِ علل کی رُو سے صحیح فیصلہ ہے۔ اور اگر مذکورہ صورت میں مدارِ سند کے أحوال کو زیرِ مطالعہ نہ لایا جائے تو کوئی بھی باحث اس غلطی میں واقع ہو سکتا ہے کہ وہ مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین موازنہ کرتے ہوئے کسی ایک جانب کو راجح قرار دے، جب کہ اصل حقیقت یہ

ہے کہ علماء و محدثین کے نزدیک مدارِ سند "ھشیم" سے روایات میں اضطراب کا وقوع عام ہے، یہی روایت بغداد میں وہ أبو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں جب کہ واسط میں وہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں [1]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس روایت میں اضطراب کا سبب ھشیم ہی ہیں نہ کہ اس سے روایت کرنے والے اُن کے شاگرد، لہٰذا ترجیح کے لئے قرائن کو زیرِ بحث لانے کی صورت میں سب سے پہلے مدارِ سند سے متعلق قرائن کو سامنے رکھا جائے گا۔ اسی صورت میں ہی باحث کسی بھی قسم کی غلطی سے بچ سکتا ہے، ورنہ لازماً اسے کسی نہ کسی وَہم میں واقع ہونا پڑے گا، جوکہ گذشتہ دونوں مثالوں سے واضح ہوچکا ہے۔

یہ تمام فصل ان امور پر مشتمل تھی کہ اختلاف اسانید و متون کی صورت میں کسی طریق کو ترجیح دینے کے لئے محدثین نے کون سے اصول و قرائن ترجیح وضع کئے ہیں، ان میں سے پہلے درجہ پر مدار سند سے متعلق قرائن کی اہمیت تھی جوکہ بالتفصیل بمعہ امثلہ ذکر کئے جاچکے، اب اگلی فصل میں ان قرائن ترجیح کو ذکر کیا جائے گا جوکہ مدار سند کے تلامذہ سے متعلق ہیں۔

[1] دیکھئے امام أبو نعیم کی "حلیۃ الاولیاء" 3/60.

فصل ثانی : مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن

مبحث اُول: قرائن ترجیح عامہ

قرینہ اُولیٰ: کثرتِ رجال/تعدد رواۃ

قرینہ ثانیہ: ضبط وحفظ اور تثبتِ راوی

قرینہ ثالثہ: اختصاص بالشیخ/شیوخ کے ساتھ مصاحبت

قرینہ رابعہ: سلوکِ جادۃ

قرینہ خامسہ: غرابتِ سند/تفردِ راوی

قرینہ سادسہ: اتفاقِ بلدان/اشتراکِ علاقہ

مبحث ثانی: قرائن ترجیح خاصہ

اَ. راوی کا اپنے گھر/خاندان والوں سے روایت کرنا

ب. روایت بالمعنیٰ

ت. محفل/مجلس کا اختلاف

ث. مدارِ سند کا وسعتِ روایت کی صفت سے متّصف ہونا

ج. سند کا شاذ ہونا

ح. راوی کا اپنی روایت کے مخالف عمل کرنا

خ. سند یا متن میں کسی قسم کی تفصیل یا واقعہ کا وجود

د. تفردِ راوی

ذ. متن میں غریب الفاظ کی موجودگی

ر. روایت کی اصل کا موجود ہونا

ز. حفاظ حدیث کا کسی روایت کی صحت پر اعتماد

س. مدلس کی تدلیس کا احتمال
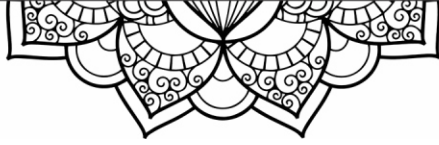
فصل ثانی :

مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن

اختلاف اسانید و متون سے نکلنے کے مراحل میں سے دوسرے مرحلے پر ’’مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن‘‘ کا ذکر آتا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ جب کبھی بھی کوئی روایت کسی بھی ’’مدارِ سند‘‘ کے تلامذہ سے متعدّد مختلف طرق کے ساتھ منقول ہو، تو ان تلامذہ کے اُحوال کا جائزہ لیا جائے گا کہ کون سا شاگرد اپنے استاد کی روایت کو محفوظ رکھتا تھا اور کس شاگرد سے غلطی کا صدور ہو جایا کرتا تھا، عموماً کسی نہ کسی قرینہ کی موجودگی کی وجہ سے متون واسانید کا اختلاف ترجیح کی صورت میں ڈھل جاتا ہے، تاہم کبھی کبھار ایسی صورتحال بھی درپیش آتی ہے کہ ان تمام طرق میں سے کوئی بھی طریق راجح نہیں ہوتا بلکہ اضطراب کی شکل اختیار کر جاتا ہے، اور کسی ایک جانب کو ترجیح دینا انتہائی دشوار ہوتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ’’مدارِ سند‘‘ کے تلامذہ کے احوال پر غور وفکر اور تحقیق کے بعد باحث اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ تمام طرق ٹھیک ہیں، کیونکہ تمام اختلاف کرنے والے راوی مرتبے کے لحاظ سے ایک ہی درجہ کے ہوتے ہیں، لہذا یہی نظر آتا ہے کہ تمام رجالِ حدیث نے جو جو طرق نقل کئے ہیں وہ اپنے اپنے فہم کے مطابق بالکل ٹھیک نقل کئے ہیں، اور اسی طرح انہوں نے متعدّد طرق کے ساتھ اپنے شیخ سے یہ روایت سنی ہوگی۔

مذکورہ بالا دو احتمالات کے علاوہ علماء و ماہرینِ فن کے ہاں متعدّد قرائن کو زیر استعمال لانے کا منہج و اسلوب شائع و معروف ہے، جن کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کسی بھی روایت کے متون وأسانید میں موجود اختلاف میں سے کسی ایک جانب کو ترجیح دیتے ہوئے مَخلَص کا راستہ اپناتے ہیں، ان قرائن کو دیکھتے ہوئے باحث اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ فلاں روایت کے مختلف متعدّد طرق میں سے فلاں طریق

کسی بھی قرینہ کی موجودگی کی وجہ سے راجح ہے، جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ راوی نے یہ روایت اپنے شیخ سے سنتے وقت باقی رجال حدیث سے زیادہ احتیاط اور ضبط کا مظاہرہ کیا ہو گا۔

مدارِ سند کے تلامذہ سے متعلق قرائن کو ہم بنیادی طور پر دو بڑے بڑے قرائن میں تقسیم کر سکتے ہیں، پھر اس کے بعد علماء العلل نے ہر قرینہ کے تحت متعدّد فروع ذکر کی ہیں جن کا تفصیلی ذکر اپنے اپنے مواقع پر تدریجاً بمعہ امثلہ کے واضح ہوتا جائے گا۔

قرائن ترجیح عامہ **قرائن ترجیح خاصہ**

مبحث أول : قرائن ترجیح عامہ

أ. قرینہ أولیٰ: کثرتِ رجال/تعدد رواۃ

ان میں سے پہلا قرینہ **"کثرتِ رجال/تعدد رواۃ"** کا ہے:

ائمہ حدیث اور ماہرین فن کے ہاں اختلافِ أسانید و متون کی صورت میں یہ قرینہ بہت زیادہ مستعمل ہے، کیونکہ کثرتِ رجال کی بناء پر کسی بھی طریق کو ترجیح دینا امر بدیہی ہے۔ کسی بھی روایت کی سند یا متن میں فردِ واحد کے تفرد اختیار کرنے سے، اس کی روایت میں وہم اور غلطی کے درآنے کا احتمال قوی ہوتا ہے۔ کیونکہ تفرد بذاتِ خود، اگرچہ اس کی مخالفت کرنے والا کوئی بھی نہ ہو، پھر بھی اس میں غلطی کے وقوع کا احتمال کثرت سے ہوتا ہے، تو جب اختلاف اسانید و متون کی صورت میں تفرد سامنے آئے تو ایسی صورت میں بطریقِ اُولیٰ منفرد کی روایت، غلطی کے احتمال کی وجہ سے مرجوح رہے گی۔ اور کثرتِ رجال/تعدد رواۃ پر مشتمل طریق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ نقاد محدثین اس قرینہ کو زیادہ زیرِ بحث لاتے ہیں کیونکہ غالب گمان یہی ہوتا ہے کہ رواۃ کی ایک بڑی جماعت کسی بھی روایت کے محفوظ کرنے میں زیادہ محتاط تصور کی جاتی ہے۔

تعدد رجال سے مراد یہ ہے کہ کسی بھی روایت کے متون واسانید میں اختلاف واقع ہوا ہو، اور سب طرق کا مدارِ سند ایک ہی ہو، جب کہ اس مدارِ سند سے روایت کرتے وقت اس کے تلامذہ/أصحاب کے مابین اس روایت کی سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف سامنے آئے، اور ثقات کی ایک جماعت اُس مدارِ سند سے ایک قسم کی روایت نقل کرے، جب کہ فردِ واحد اُن سب کی مخالفت کرتے ہوئے مدارِ سند کے بعد سند یا متن میں کسی قسم کی تبدیلی ذکر کرنے میں تفرد کا راستہ اختیار کرے تو ایسی صورت میں اُس طریق کو یقیناً ترجیح حاصل ہوگی جس میں مدارِ سند کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد اتفاق کرتے ہوئے ایک ہی قسم کی روایت ذکر کریں، کیونکہ ثقات کی جماعت کے مقابلے میں، فردِ واحد سے غلطی کا صدور قوی تر ہے۔

ائمہ حدیث کے ہاں اس قرینہ کے استعمال کے لئے متعدّد الفاظ کتبِ حدیث میں منقول ہیں،

جس سے اس قرینہ کے کثرت استعمال پر دلالت واضح ہوتی ہے۔ مثلاً امام شافعی رحمہ اللہ کا قول: ”والعدد أولى بالحفظ من الواحد“[1]، اور امام بیہقی رحمہ اللہ کا قول: ”والجماعة أولى بالحفظ من الواحد“[2]، اسکے علاوہ بھی متقدمین کی کتابوں سے بکثرت اس قرینہ کا استعمال نظر آتا ہے، جیسے امام یحییٰ القطان رحمہ اللہ امام ثوری رحمہ اللہ کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمارا گمان اس روایت کے بارے میں یہ ہے کہ اس میں امام ثوری کو ”وہم“ لاحق ہوا ہے، کیونکہ امام ثوری کی اس طریق میں مخالفت کرنے والے کثرت سے ہیں[3]۔

اسی طرح امام دارقطنی رحمہ اللہ یحییٰ بن أبي کثیر رحمہ اللہ کی روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ”چار راویوں کا اِس روایت میں یحییٰ بن أبي کثیر رحمہ اللہ کی مخالفت میں متفق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی روایت محفوظ ہے“[4]۔ اسی بات کو مزید وضاحت کے ساتھ امام دارقطنی اِن الفاظ میں بیان کرتے ہیں جب اُن سے ایسی حدیث کے بارے میں پوچھا گیا جس میں ثقات آپس میں مختلف ہوں، فرماتے ہیں: ”جہاں دو یا زیادہ ثقات آپس میں متفق ہوں تو ان کی روایت پر صحت کا حکم لگے گا“[5]۔

ان تمام اَقوال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ”کثرتِ اَصحاب“ کا مدارِ سند سے کسی روایت کے نقل کرنے میں کسی ایک طریق پر اتفاق ہو تو وہی طریق راجح ہوگا، اور یہ قرینہ ماہرین فن اور نقاد محدثین کے ہاں معمول بہ ہے۔

---

[1] دیکھئے: امام شافعی کی اختلاف الحديث ص127 اور شرح علل الترمذی 1/425 .

[2] ملاحظہ ہو: امام بیہقی کی شعب الإيمان 4/7 .

[3] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 5/211 .

[4] دیکھئے امام دارقطنی کی ”السنن، كتاب البيوع، باب منه“ 3/471 حدیث نمبر 2994 .

[5] دیکھئے: امام ابن حجر کی ”النكت“ 2/689، اور یہ قول شیخ سلمی کے امام دارقطنی سے سؤالات میں موجود ہے دیکھئے: سؤالات السلمي للدارقطني سوال نمبر 435.

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 105:
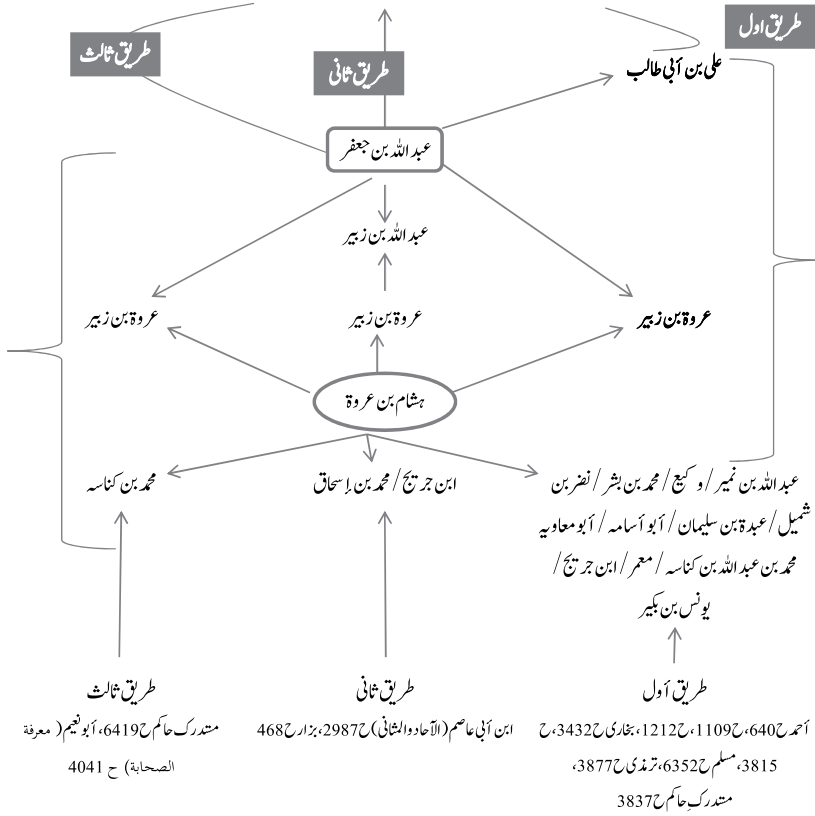
ڈایاگرام نمبر 105

مذکورہ روایت کے ان تینوں طرق کی تحقیق کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ طریق أول ہی راجح وصحیح ہے، کیونکہ مدارِ سند "هشام بن عروة" رحمہ اللہ سے نقل کرنے والے اُن کے تلامذہ کو طریق أول میں "عددی برتری" حاصل ہے، اور ائمہ علل کے مطابق مدارِ سند سے اختلاف کی صورت میں قرائن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جن میں سے اہم قرینہ "کثرتِ تعداد" ہے، لہٰذا یہاں اس روایت میں طریق أول کو بوجہ "کثرتِ رواۃ وتعدد رجال" "ترجیح حاصل ہے۔ اور اسی بناء پر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی طریق

اُول کوراجح قرار دیا ہے [1]، اگرچہ طریق ثانی کے رواۃ میں ثقہ راوی بھی موجود ہیں لیکن چونکہ انہوں نے ثقات کی ایک بڑی جماعت کی مخالفت کی ہے لہٰذا ان کی روایت کو اعتبار نہیں، اور اسی طریق اول کو شیخین نے صحیحین میں جگہ دی ہے، واللہ اعلم۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ممکن ہے، وہ زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر106:

جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت کے سات طریق اَحادیث کی کتب میں موجود

[1] دیکھئے: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 3/ 115.

ہیں، جب کہ ہم تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ طریق ثانی راجح وصحیح ہے، کیونکہ اس کے رواۃ کی تعداد باقی طرق کے نقل کرنے والوں سے زیادہ ہے، اور یہی "تعددِ رواۃ" اس بات کا قرینہ ہے کہ مدار سند سے منقول اختلاف کی صورت میں طریق ثانی راجح ہے، اور وہی اس روایت کو اپنی کثرت تعداد کی وجہ سے زیادہ محفوظ کرنے والے ہیں۔ اور اسی بناء پر امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کو ترجیح دی ہے [1]۔ جب کہ اس روایت کے مذکورہ راجح طریق میں امام هشام بن عروة رحمہ اللہ کی متابعت کرنے والے بھی بڑے بڑے نام موجود ہیں، جیسے امام سفیان بن عیینة رحمہ اللہ، عبد العزیز رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ [2]۔

اگلی مثال أم هاني رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایا گرام نمبر 107:

قالت: أجرت حموين من المشركين يوم فتح مكة، فدخل علي بن أبي طالب ليقتلهما ... الحديث، وفي آخره قد أجرنا من أجرت.
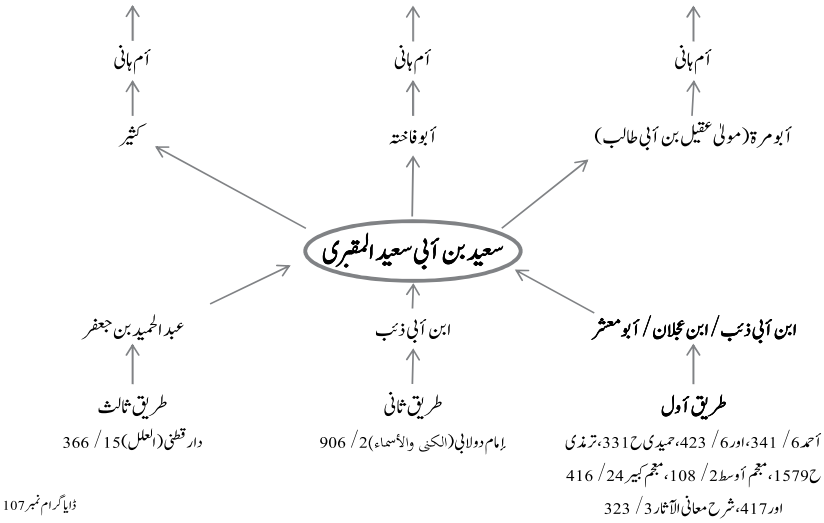
[1] ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 4/ 242.

[2] ان کی روایت ملاحظہ ہو: مسند حمیدی حدیث نمبر 1231، مسند أحمد 3/ 307 حدیث نمبر 14348، اور 3/ 338 حدیث نمبر 14688، الصحيح البخاری، كتاب الجهاد والسير، باب فضل الطليعة 4/ 27 حدیث نمبر 2846 اور 2847، الصحيح للإمام مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل طلحة والزبير 4/ 1879 حدیث نمبر 2415، سنن الترمذي، أبواب المناقب، باب منه 5/ 646 حدیث نمبر 3745، سنن ابن ماجة، افتتاح الكتاب في الإيمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل الزبير رضي الله عنه، 1/ 45 حدیث نمبر 122.

مذکورہ ڈایاگرام سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ طریق أول ہی صحیح وراجح ہے، کیونکہ مدار سند "سعيد بن أبي سعيد المقبري" رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے ایک بڑی تعداد اس کے نقل کرنے والے ہیں اور یہی سبب اس طریق کی ترجیح کے لئے قرینہ ہے۔ اسی وجہ سے إمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کو راجح ٹھہراتے ہوئے إمام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی طرف وہم کی نسبت کی [1]، مذکورہ تمام أمثلہ اس بات کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ جب کبھی بھی مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین کسی بھی روایت میں کسی قسم کا اختلاف (چاہے وہ متن کا ہو یا سند کا) واقع ہو جائے تو ایسی صورت میں قرینہء "تعددِ رواۃ" کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، تو جس طریق کے روایت کرنے والے کثیر تعداد میں ہوں، اس طریق کو باقی طرق پر فوقیت حاصل ہوگی اور اُسے ہی صحیح ٹھہرایا جائے گا، واللہ أعلم۔

ب. قرینہ ثانیہ: ضبط وحفظ اور تثبتِ راوی

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ جب کبھی بھی مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین کسی بھی روایت کی سند یا متن میں اختلاف واقع ہو جائے تو اِس روایت کے اُس طریق کو أصح اور راجح قرار دیا جائے گا جس کے روایت کرنے والے اس مدارِ سند کے وہ شاگرد ہوں جو قوتِ ضبط اور حفظِ صدر یا کتابت میں باقی طرق کے رواۃ سے ممتاز ہوں، یہ بات ماہرینِ فن اور علوم الحدیث کے ماہرین سے مخفی نہیں ہے کہ جرح و تعدیل کے میزان میں رواۃِ حدیث کے مختلف مراتب ہیں، کوئی ایک راوی ضبط و عدل میں کسی دوسرے راوی کے بالکل مماثل نہیں ہوتا بلکہ ہر راوی دوسرے راوی سے ضبط وحفظ میں کافی تفاوت رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ نقاد محدثین نے دیگر خدمات حدیث کے ساتھ ساتھ راویانِ حدیث کا آپس میں مقارنہ جیسا مشکل ترین کام بھی سرانجام دیا ہے، اور مختلف عبارات سے ان کے ضبط وحفظ کے تفاوت کو واضح کیا ہے، مثلاً إمام أبو حاتم رازی رحمہ اللہ کا یحییٰ بن أبی کثیر رحمہ اللہ کے تلامذہ کے درمیان مقارنہ کی صورت میں کیا گیا قول، کہ انکے شاگردوں میں سے هشام الدستوائي رحمہ اللہ ان کی روایت کے بہترین حفظ کرنے والے ہیں۔ اسی طرح قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کے شاگرد، جو شعبة بن الحجاج

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 15/366.

رحمہ اللہ اور هشام الدستوائي رحمہ اللہ ہیں، ان کے آپس میں اختلاف کی صورت میں هشام کو شعبة پر فوقیت حاصل ہوگی[1]۔

اسی مقارنہ کی بدولت محققین علم جرح و تعدیل کے مختلف قواعد و اُصول تک رسائی حاصل کرتے ہیں، جن میں سے اَہم ترین یہ ہے کہ کسی بھی روایت میں راویانِ حدیث کے مابین سند و متن میں اختلاف کی صورت میں کس طریق کو ترجیح دی جائے گی، لامحالہ اُسی طریق کو راجح قرار دیا جائے گا جس کے روایت کرنے والے دوسرے طریق کے رواۃ سے ضبط و اتقان میں اونچے درجہ پر فائز ہوں، اسے ضبطِ صدر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس بات کو امام ابن رجب رحمہ اللہ ایک قاعدہ کی صورت میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر ثقات کی ایک جماعت کسی بھی روایت کو ایک سند سے نقل کرتے ہیں اور اس کے مقابلے میں ایک ثقہ راوی دوسرا مختلف طریق روایت کرتا ہے تو ایسی صورت میں اس متفرد راوی کی روایت کو مطلقاً تفرد کی وجہ سے رد نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے "زيادة الثقة" کی قبیل سے قرار دیا جانے کا بھی اِمکان ہو سکتا ہے، مزید فرماتے ہیں کہ اگر تفرد اختیار کرنے والا راوی ثقہ ہو اور وسیع الروایہ کی صفت سے متّصف ہو جیسے اِمام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ، شعبة رحمہ اللہ اور سليمان الأعمش رحمہ اللہ وغیرہم، تو مخالفین اگرچہ ثقات ہوں لیکن اس متفرد کی روایت کو بھی اس احتمال کے تحت لایا جائے گا کہ مذکورہ روایت کے متعدّد طرق ہو سکتے ہیں[2]۔

لیکن اگر مخالفت میں ضعیف رواۃ ہوں تو پھر اس ثقہ راوی کی روایت کو فوقیت حاصل ہوگی، اور اسی کی روایت کو قبول کیا جائے گا، اور یہی اس قرینہ کا بنیادی مقصد ہے کہ اس راوی کی روایت کو ترجیح ہوگی جس کا ضبط و حفظ میں درجہ دوسرے رواۃ کے مقابلے میں بہتر اور اونچا ہو۔ مزید وضاحت مثالوں سے ان شاء اللہ ہوگی۔

---

[1] شرح علل الترمذی 2/678 اور 695.

[2] شرح علل الترمذی 2/719.

ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 108:

بعد از تحقیق یہ بات سامنے آتی ہے کہ طریق اَول تمام تینوں طرق میں اَرجح و اَصح ہے کیونکہ مدارِ سند "هشام بن عروة" رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے اُسی طریق کے روایت کرنے والے توثیق و تعدیل میں باقی رواۃ سے بڑھے ہوئے ہیں، لہٰذا قرینہ کی رُو سے انہی کے طریق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ جن میں یحییٰ القطان رحمہ اللہ اور وکیع بن الجراح رحمہ اللہ نمایاں ہیں۔ اسی وجہ سے یہی طریق صحیحین میں بھی مروی ہے، جیسا کہ ڈایاگرام میں تخریج سے واضح ہو رہا ہے، اِمام العلل اِمام دارقطنی رحمہ اللہ کا میلان بھی اسی طرف واضح نظر آتا ہے[1]۔

[1] دیکھئے: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 13/ 173.

اگلی مثال جس سے اس قرینہ کی مزید وضاحت ممکن ہے وہ أم بجید رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر109:
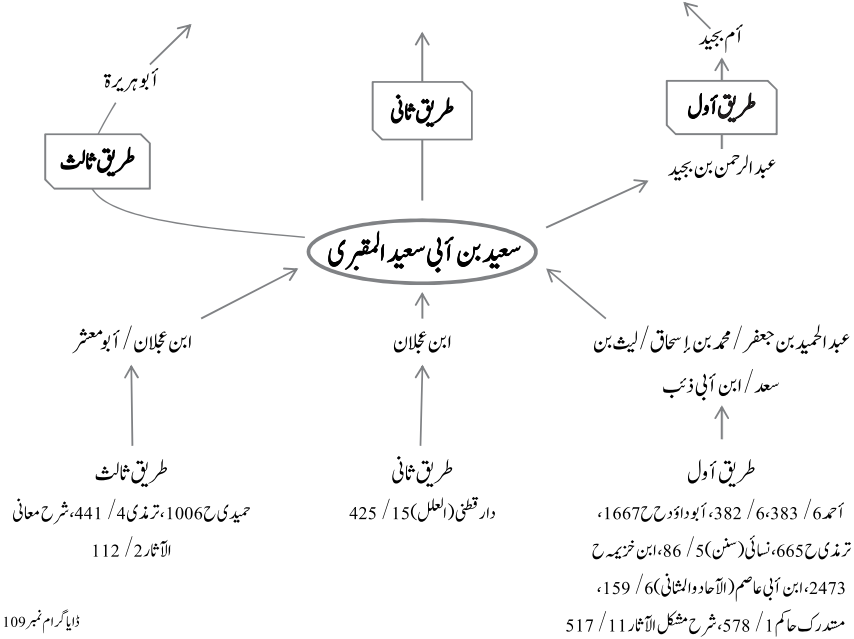
دراسہ وتحقیق کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ مدارِ سند "سعید بن أبي سعید المقبري" سے اس روایت کے نقل کرنے والے طریق أول کے راوی توثیق وتعدیل کے لحاظ سے دوسرے طرق کے رواۃ سے درجہ میں زیادہ ہیں، لہٰذا ان کی روایت کو ترجیح حاصل ہے، باقی قرائن کی موجودگی کے ساتھ ساتھ یہاں پر ضبط وتثبتِ رواۃ کا قرینہ بھی متوجہ ہے جسکی وجہ سے علماءِ علل نے طریق أول کو ہی راجح ٹھہرایا ہے [1]۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے وہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی درج

[1] ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 15/ 425.

ذیل روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 110:
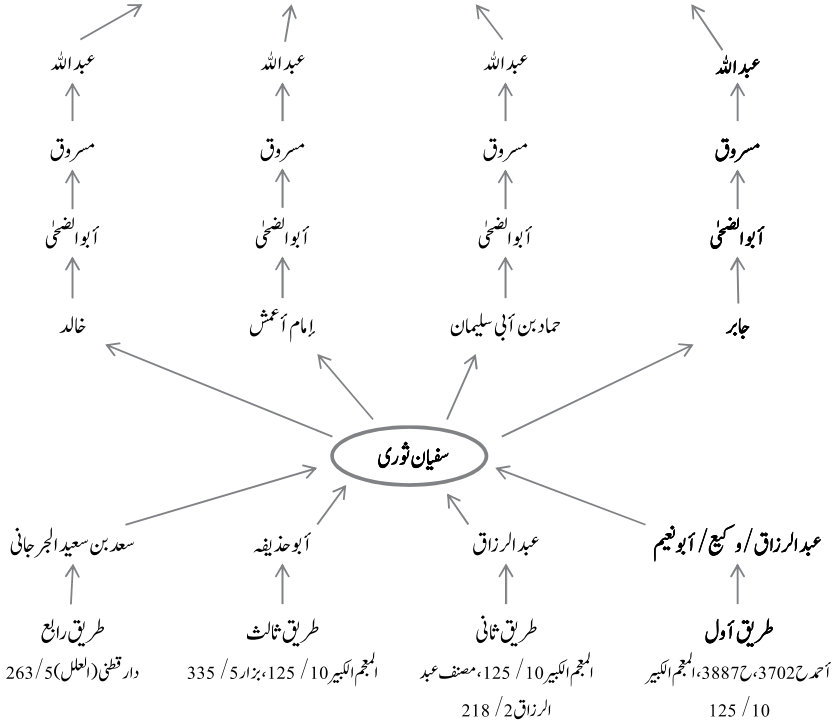
ڈایاگرام نمبر 110

مذکورہ مثال پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طریق أول راجح وصحیح ہے، اور اس کے سبب میں دیگر اسباب کے ساتھ ساتھ مدارِ سند "سفیان ثوری" رحمہ اللہ کے تلامذہ کا توثیق وتعدیل میں باقی طرق کے رجال ورواۃ سے بڑھا ہوا ہونا ہے۔ اگرچہ دوسرے قرائن بھی یہاں معمول بہ ہیں، تاہم ہمارا موضع استشہاد چونکہ قرینہ ثانیہ "تثبت راوی" ہے اس وجہ سے یہاں طریق أول کو ہم رواۃ کے ضبط واتقان کی وجہ سے ترجیح دیتے ہیں۔

ضبط میں جیسے ضبطِ صدر شامل ہے اسی طرح ضبطِ کتابت بھی شامل ہے، یعنی اختلاف رواۃ کی

صورت میں اس طریق کو ترجیح حاصل ہوگی جس کے راوی کے پاس وہ روایت مکتوب شکل میں موجود ہو، یا جو روایت کرتے وقت اپنے صحائف کو سامنے رکھتا ہو، کیونکہ "کتابت" یاد کرنے اور محفوظ کرنے کے بنیادی اَہم وسائل میں سے ہے، اور ایسی صورت میں غلطی کا احتمال بالکل ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کتابت کی غیر موجودگی کی وجہ سے محدثین کی ایک بڑی تعداد اَوہام واَغلاط میں واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی بھی شیخ کے شاگردوں میں روایت کے نقل کرنے میں اختلاف پایا گیا تو ایسی صورت میں اگر کسی راوی کے پاس مذکورہ حدیث لکھی ہوئی شکل میں موجود ہو تو اسی کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، جیسے عبید الله الأشجعي رحمہ اللہ کی روایات کہ مجلسِ روایت میں ان کے اَحادیث کے لکھنے کا اہتمام فرمانے کی بناء پر ان کی روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے انہیں سفیان ثوری رحمہ اللہ کے تلامذہ میں نمایاں ترین مقام حاصل ہے[1]۔

محدثین کے ہاں اس قرینہ کا استعمال گاہے بگاہے ملتا ہے، جیسے شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کے شاگردوں کے درمیان اختلاف کی صورت میں "غندر" رحمہ اللہ کی کتاب کو فوقیت حاصل ہونا اور اسی بناء پر ان کا شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کی روایات کے باب میں قليل الخطأ ہونا[2]، اسی طرح ليث بن سعد رحمہ اللہ اور إسرائيل رحمہ اللہ کی کتاب پر اعتماد کا ہونا وغیرہ[3]۔

ان اَمثلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین کے ہاں اختلاف اَسانید کی صورت میں ترجیح کے لئے مختلف قرائن کے درمیان جس طرح ضبطِ صدر کو اَہمیت حاصل ہے اسی طرح ضبطِ کتابت کو بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔

---

[1] تاریخ بغداد 10/312، تهذيب التهذيب 3/20.

[2] شرح علل الترمذی 2/703.

[3] علل الحدیث 1/188، تهذيب التهذيب 1/133.

مذکورہ مسئلہ کی مزید وضاحت مثالوں سے ہوگی، ملاحظہ ہوڈایاگرام نمبر 111:
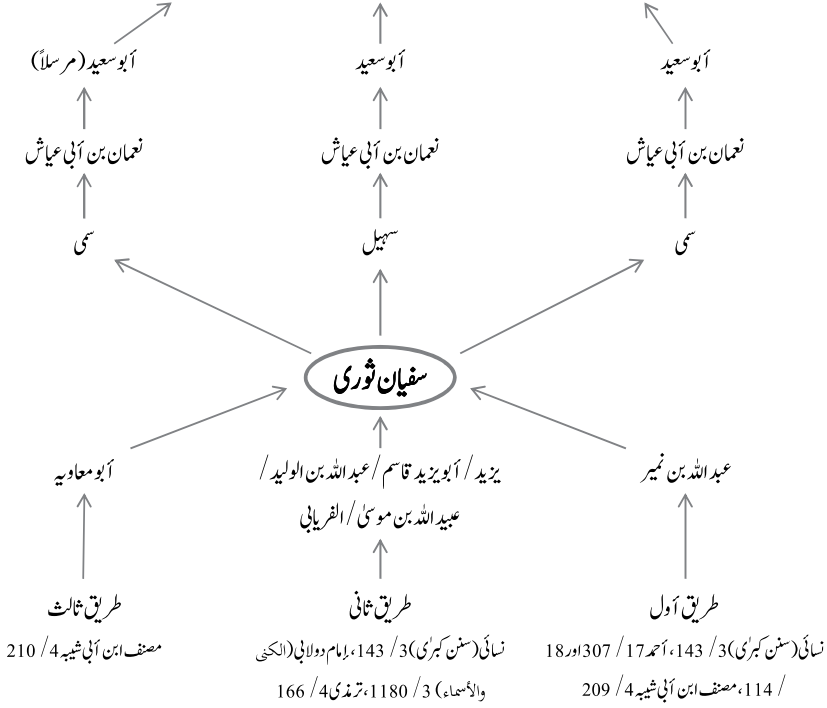
ڈایاگرام نمبر 111

مذکورہ روایت کی تخریج وتحقیق اور دراسہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طریق ثانی صحیح ہے، دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ اس میں اہم ترین وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت میں مدارِ سند کے تلامذہ میں سے وہ شاگرد اس میں شامل ہیں جو "مدار سند" سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایات کو نہ صرف یہ کہ یاد رکھتے تھے بلکہ اسے ساتھ ساتھ لکھتے بھی تھے، جوکہ "عبيد الله بن موسىٰ الأشجعي" رحمہ اللہ ہیں، اور یہ امام ثوری سے روایات حدیث کی کتابت میں معروف تھے [1]، تو ضبطِ کتابت کی وجہ سے ان کی روایت کو ترجیح حاصل ہے۔

---

[1] تقریب التهذیب ص:373.

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی بخوبی وضاحت ممکن ہے، وہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام 112:
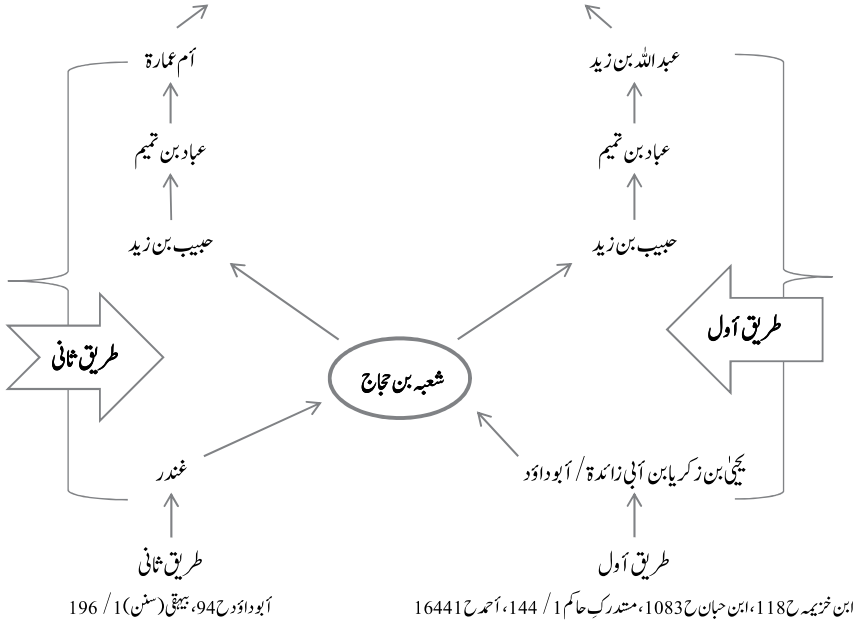
ڈایاگرام 112

مذکورہ روایت میں طریق أول اگرچہ ثقہ اور أثبات محدثین جن میں أبو داؤد الطیالسی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، سے مروی ہے۔ تاہم علماء العلل یہاں ترجیح طریق ثانی کو دیتے ہیں کیونکہ طریق ثانی "محمد بن جعفر غندر" رحمہ اللہ سے مروی ہے، جو کہ مدارِ سند امام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کے ان تلامذہ میں سے ہیں جو ان کی روایات کو ضبطِ قلم میں لانے کا اہتمام کرتے تھے۔ اسی وجہ سے ائمہ علل خصوصاً امام أبو زرعة رحمہ اللہ نے مذکورہ اختلاف کی صورت میں "غندر" کی روایات کو قابل ترجیح گردانا ہے [1]۔

[1] دیکھئے: علل الحدیث 1 / 458.

ت. قرینہ ثالثہ: اختصاص بالشیخ/شیوخ کے ساتھ مصاحبت

اختصاص سے مراد کسی بھی راوی کا اپنے شیخ کے ساتھ طویل صحبت، کثرتِ ملازمت اور عمیق رفاقت ہے، جو راوی جتنا اپنے شیخ کے قریب ہو گا اور جتنی طویل رفاقت اور صحبت ہو گی اتنا ہی اس کی روایت کو اُس شیخ سے اختلاف کی صورت میں باقی راویوں کی روایت پر ترجیح حاصل ہو گی، اس قرینہ کے اہتمام کی وجہ سے اور حفاظ حدیث وعلماء محدثین کے شاگردوں کے طبقات اور درجات پر علم کی بدولت باحث کو اس بات پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ اختلاف سند و متن کی صورت میں کسی بھی مدارِ سند کے شاگردوں کے درمیان اس شاگرد کی روایت کو ترجیح دے، جس کو اس شیخ کے ساتھ صحبتِ تامہ اور رفاقت کاملہ حاصل ہو، بنسبت اس شاگرد کے جو کہ قلیل الملازمہ ہو اور اس شیخ کی صحبت میں تھوڑا وقت گزارا ہو۔

اس قرینہ کی اہمیت کی وجہ سے علماء محدثین نے کافی عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ حفاظِ حدیث کے شاگردوں کے طبقات مرتب فرمائے ہیں، جیسا کہ امام علی ابن المدینی رحمہ اللہ اور نسائی رحمہ اللہ نے اَصحابِ نافع کو نو طبقات میں تقسیم کیا، جب کہ اَصحابِ اَعمش کو سات طبقات میں تقسیم کیا[1]۔

تو جب رواۃ کی ایک جماعت کسی شیخ سے ایک روایت نقل کر رہی ہو اور دوسری جماعت اسی روایت کو دوسرے طریق سے نقل کر رہی ہو تو اس طریق کو ترجیح حاصل ہو گی جس کے راوی اُس شیخ کے انتہائی قریب ہوں، اور طویل عرصہ تک اس کی صحبت سے مستفید ہوئے ہوں۔ امام ابن رجب رحمہ اللہ اس قرینہ کو کافی تفصیل سے اپنی کتاب میں واضح فرماتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ طبقاتِ حفاظ اور ثقات کے مراتب کی وجہ سے ہی کسی بھی روایت کے متعدّد طرق میں سے کسی ایک طریق کی طرف صحت و سُقم کی نسبت آسان ہوتی ہے، اور انہی طبقات کی معرفت کی بدولت اور کثرتِ ممارست

---

[1] شرح علل الترمذی 1/104-105.

کی وجہ سے ہی باحث کے لئے علم علل الحدیث کے دقیق مسائل کی طرف رسائی ممکن ہوتی ہے[1]۔

محدثین کے ہاں اس قرینہ کے استعمال کے کافی شواہد ملتے ہیں، اور اختلافِ اَسانید و متون کی صورت میں ترجیح کے لئے مختلف کلمات کے ذریعے وہ اس قرینہ کی طرف رجوع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، مثلاً "فلان أثبت الناس"، یا" لازمه كثيراً "، یا"كان يكتب"، وغیرہ جیسے الفاظ جو اس بات پر دلالت کرتے ہوں کہ مذکورہ راوی اپنے شیخ کے ساتھ طویل رفاقت اور کثرت ملازمت کی صفت سے متّصف ہے، جوکہ ترجیح کے لئے بہترین قرینہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

اس کے برعکس کئی مرتبہ کوئی راوی کسی شیخ سے روایت میں خصوصی طور سے ضعف کا شکار ہوتا ہے اگرچہ باقی شیوخ سے روایت میں اسے ثقات میں شمار کیا جاتا ہو، جیسے سفیان ثوری رحمہ اللہ کے شاگردوں میں قبیصة رحمہ اللہ کو ضعیف شمار کیا جاتا ہے اگرچہ باقی روایات میں اسے ثقہ گردانا جاتا ہے۔

الغرض نقادِ حدیث اختلاف اسانید و متون کی صورت میں عموماً اس شخص کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں جو کہ اپنے شیخ سے معروف بالرواية ہوں، نیز اپنے شیخ کے ساتھ طولِ ملازمت سے متّصف ہوں، اور اس شخص کی روایت کی طرف توجہ نہیں دیتے جو ان صفات سے متّصف نہیں ہوتے۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 113:

[1] شرح علل الترمذی 2/467-468.

ڈایاگرام نمبر 113

جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہے کہ مذکورہ بالا سند کے سات مختلف طرق کتب حدیثیہ میں موجود ہیں، اور تمام طُرُق مدار سند "هشام بن عروة" رحمہ اللہ کے تلامذہ کے درمیان ہی مختلَف فیہ ہیں۔ جب کہ غور کیا جائے تو تمام تلامذہ تعدیل کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں، لیکن علماء العلل نے یہاں طریق ثانی کو ترجیح دی ہے، جن میں دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ بطورِ خاص یہ سبب اہم ہے کہ اس کے روایت کرنے والے اِمام هشام بن عروة رحمہ اللہ کے وہ شاگرد ہیں جن کا هشام بن عروة کے ساتھ مصاحبتِ خاصہ اور ملازمتِ تامہ کا تعلق ہے۔ مثلاً طریق ثانی کے ایک راوی ہیں، "عبد الرحمٰن بن أبو

الزناد" رحمہ اللہ، جن کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ هشام بن عروة کے تمام تلامذہ میں قوی ترین ہیں اور هشام بن عروة کی روایات کے امین ہیں [1]۔ اسی طرح "أبو أسامة" کے بارے میں امام أحمد رحمہ اللہ کا یہ قول منقول ہے کہ میں نے هشام بن عروة کی روایات کو أبو أسامة سے زیادہ بہتر اور خوبصورت انداز میں نقل کرتے کسی کو بھی نہیں دیکھا [2]۔

ائمہ علل سے ان جیسے اقوال کا صدور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اختلافِ رواۃ کی صورت میں مدارِ سند کے انہی تلامذہ کو ترجیح دی جائے گی، جو کہ شیخ کے ساتھ مصاحبت قویہ اور ملازمتِ تامہ سے سرفراز رہے ہوں۔ اسی وجہ سے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کو ترجیح دی ہے [3]۔ اور انہی وجوہات کی بناء پر شیخین نے بھی صحیحین میں اسی طریق کو نقل کیا ہے، جیسا کہ تخریج میں گزر چکا۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہو گی، وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایا گرام نمبر 114:

---

[1] دیکھئے: میزان الاعتدال 2/575 اور تذکرة الحفاظ 1/248.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذی 2/498 اور تهذيب الكمال 7/222.

[3] دیکھئے: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 13/278.

ما غرت على أحد ما غرت على خديجة، من كثرة ذكر رسول الله صلى الله عليه وسلم لها، ولقد بشر رسول الله صلى الله عليه وسلم خديجة ببيت في الجنة من قصب، لا سخب فيه ولا نصب

ڈایاگرام نمبر 114

مذکورہ روایت میں بھی مدارِ سند "هشام بن عروة" رحمہ اللہ **کے تلامذہ کے مابین اختلاف واقع ہوا ہے، لیکن بعد از تحقیق ہم اس بات تک پہنچتے ہیں کہ طریق أول أرجح و أصح ہے کیونکہ من جملہ دیگر وجوہات کے، اہم ترین وجہ یہ ہے کہ اس کے روایت کرنے والے** هشام بن عروة **کے وہ شاگرد ہیں جو ان کے ساتھ خصوصی مصاحبت رکھتے تھے، جیسے** ليث بن سعد **کہ جن کے بارے میں محدثین کی متفقہ رائے ہے کہ وہ** هشام بن عروة **کے تمام شاگردوں میں ان کی روایات کے سب سے بڑے حافظ ہیں**[1]**۔ اسی طرح** أبو أسامة **کے بارے میں إمام أحمد** رحمہ اللہ **کا قول ابھی کچھ دیر قبل گزر چکا کہ وہ فرماتے**

[1] دیکھئے: شرح علل الترمذي 2/ 680 وسؤالات ابن بكير للدارقطني 2/ 134.

ہیں کہ میں نے هشام بن عروة کی روایات کو أبو أسامة سے زیادہ بہتر اور خوبصورت انداز میں نقل کرتے کسی کو بھی نہیں دیکھا[1]۔ انہی وجوہات کو دیکھتے ہوئے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کو راجح قرار دیا ہے[2]۔

اگلی مثال جس سے یہ مسئلہ مزید واضح ہوگا، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 115:
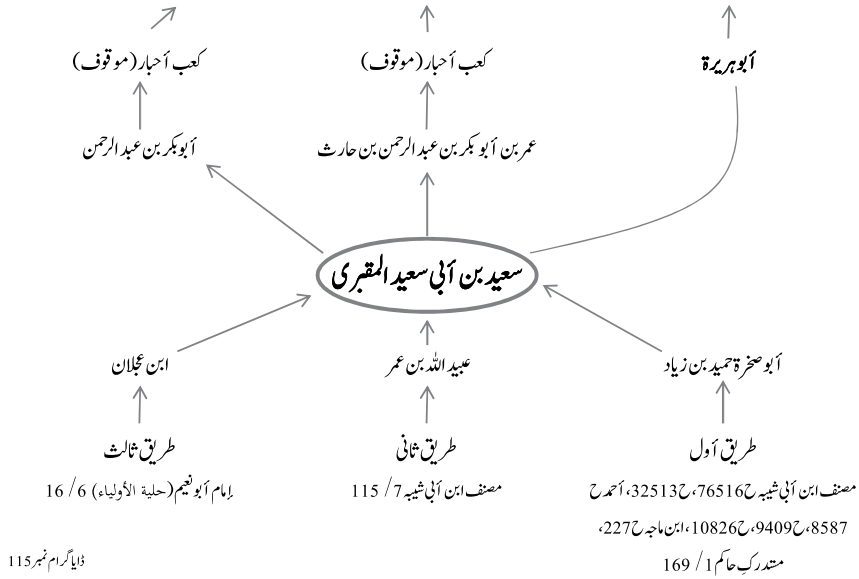
مذکورہ روایت کے مدارِ سند "سعيد بن أبي سعيد المقبری" سے ان کے تلامذہ نے روایت نقل کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا ہے، قواعد علل اور قرائن ترجیح کی رُو سے طرق ثانی صحیح قرار پاتا ہے کیونکہ اس کے روایت کرنے والے ان کے نزدیک ترین شاگرد "عبيد الله بن عمر" ہیں، جن کی اپنے استاد سعيد بن أبي سعيد المقبری کے ساتھ طویل مصاحبت رہی ہے، اسی وجہ سے امام دارقطنی نے بھی

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذی 2/ 498 اور تهذيب الكمال 7/ 222.

[2] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 14/ 170.

انہی کی روایت کو اصح قرار دیا ہے [1]۔

اگلی روایت بطور مثال، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 116:
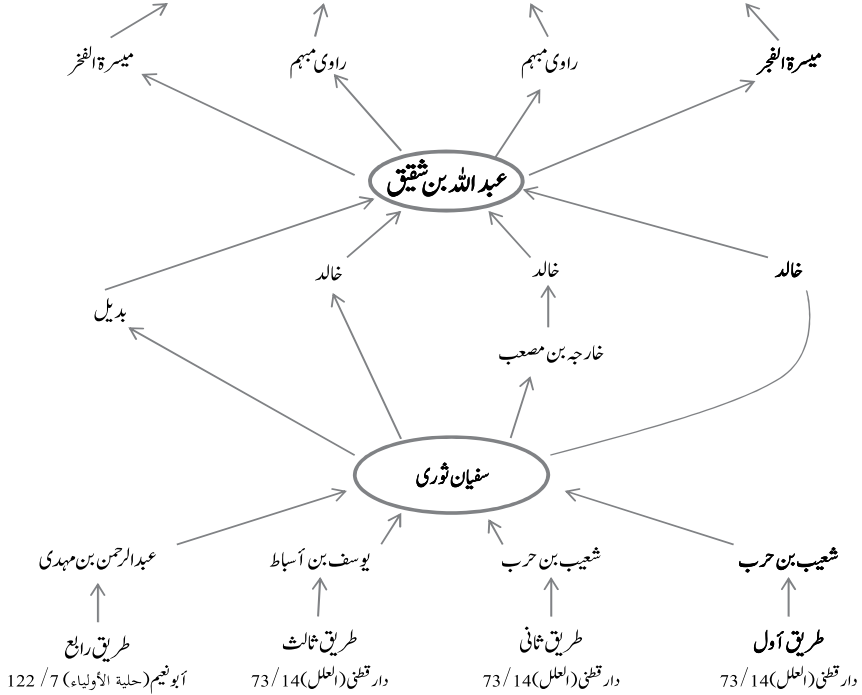
ڈایاگرام نمبر 116

مذکورہ روایت کے تمام طُرق میں سے طریقِ رابع راجح و اصح ہے، اس کی متعدّد وجوہات میں سے اہم ترین وجہ یہ ہے کہ اس روایت کے مدارِ سند "سفیان ثوری" کے تلامذہ میں سے عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ ایسے راوی ہیں جو کہ ان کے ساتھ مصاحبتِ خاص کی صفت سے متّصف ہیں، لہٰذا اس صفت کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ قرینہ "اختصاص راوی بالشیخ" متوجہ ہوتا ہے کہ اس طریق کو ترجیح دی جائے، اسی وجہ سے محدثین کرام سفیان ثوری رحمہ اللہ کے تلامذہ کے مابین اختلاف کی صورت میں عبد

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 10/380.

الرحمٰن بن مهدی رحمہ اللہ کے طریق کو ترجیح دیتے ہیں [1]۔

ان تمام مثالوں سے اس بات کا بخوبی ادراک ہوتا ہے کہ جہاں کہیں مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین کسی بھی روایت کے طرق میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسرے قرائنِ ترجیح کے ساتھ ساتھ قرینہ اختصاص بھی متوجہ ہوتا ہے، جس سے مراد یہ ہے کہ اس طریق کو ترجیح دی جائے گی جس کے روایت کرنے والے اپنے شیخ اور استاد کے ساتھ طولِ رفاقت اور قربتِ خاص کی صفت کے ساتھ متّصف ہوں۔

ث. قرینہ رابعہ: سلوکِ جادۃ

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ بعض اَوقات کوئی سلسلہء سند کسی ایک راوی سے معروف ہوتا ہے، جسے تمام رجالِ حدیث، اس سلسلہ کے معروف ہونے کی وجہ سے ازبر یاد رکھتے ہیں، تو اس کے معروف ہونے کی وجہ سے وہ سلسلہ سند زبان زدِ عام ہوتا ہے، اسی وجہ سے اس میں غلطی اور وَہم کا احتمال زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا جس راوی کا حافظہ کمزور ہوتا ہے اسے اگر کسی بھی حدیث کی سند ذکر کرتے وقت کسی قسم کے وَہم میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو اس سلسلہ سند کے معروف ہونے اور زبان زدِ عام ہونے کی وجہ سے وہ اسے ہی روانی میں ذکر کر دیتا ہے، بخلاف اس شخص کے کہ جس کا حافظہ قوی ہوتا ہے، تو وہ عموماً اسی معروف سلسلہ سند کو ہر حدیث کی سند کے طور پر بیان نہیں کرتا بلکہ وہ اس حدیث کی اپنی الگ نئی سند ذکر کرتا ہے۔ اس نئے پن کا سند میں در آنا اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ یہی روایت درست اور صحیح تر ہے، وگرنہ عموماً رجالِ حدیث اسی معروف سلسلہء سند کو ذکر کرتے ہیں جو لوگوں کی زبانوں پر جاری رہتا ہے [2]۔

"سلوکِ جادۃ" جس طرح سند میں ہوتا ہے اسی طرح متن میں بھی ہوتا ہے، لیکن متن میں انتہائی نادر الوقوع ہوتا ہے بخلاف سند کے، کیونکہ غالب اوقات میں رجالِ حدیث سند کے ذکر کرنے میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ابن أبی حاتم کی الجرح والتعدیل 7/353، تاریخ الخطیب 10/155، اور تهذيب الكمال في أسماء الرجال 30/476.

[2] مزید تفصیل کے لئے: شرح علل الترمذی 2/844.

معروف سلسلہ سند کی طرف رجوع کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور اسی عجلت میں اُن سے غلطی صادر ہو جاتی ہے، مثلاً اِمام قتادۃ بن دعامۃ رحمہ اللہ کے شاگرد ان سے روایت کرتے وقت اختلاف کا شکار ہوئے ہوں، اور کچھ نے اِمام قتادۃ بن دعامۃ رحمہ اللہ سے غیر معروف سند ذکر کی ہو، اور کچھ نے اُن سے اَنس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہو تو ایسی صورت میں اختلاف کو دور کرنے کے لئے قرینہ کی ضرورت پڑے تو سلوکِ جادۃ کی رُو سے اَنس رضی اللہ عنہ کی روایت مرجوح ٹھہرے گی۔ جب کہ سند غیر مشہور کو ترجیح حاصل ہوگی، کیونکہ سند کے مشہور ہونے کی وجہ سے یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ راوی کو اس میں وَہم لاحق ہوا ہو۔

اس قرینہ کے لئے علماء کے ہاں کئی قسم کی تعبیرات استعمال ہوتی ہیں، مثلاً ”سلك المحجَّة“، یا ”سلك الجادة“[1]، اور ”تبع العادة“[2]، اسی طرح ”لزم الطَّريق“، اور ”أخذ طريق المجرة“[3]، ان تمام عبارات کا مطلب و مآل تقریبًا ایک ہی ہے۔ اسی طرح اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ اور ابن عدی رحمہ اللہ اس مقصد کے لئے نقدِ حدیث کرتے ہوئے ”أسهل عليه“[4]، کا لفظ بکثرت استعمال کرتے پائے گئے ہیں۔ کبھی کبھی علماء علل و محدثین سلوکِ جادۃ کے مقابلے میں غرابتِ سند کو ترجیح دیتے ہیں، جسکا بیان ان شاءاللہ اگلے قرینہ میں ”غرابة السَّنَد“ کے تحت آئے گا۔

قدماء محدثین کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ ان کے ہاں اس قرینہ کی کافی اہمیت پائی جاتی ہے، جیسا کہ امام یحییٰ القطان رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے درمیان مکالمہ سے واضح ہوتا ہے، جب اِمام ثوری نے روایت بیان کرتے ہوئے سند ذکر کی اور کہا، ”عن عبيد الله بن عمر عن نافع عن ابن عمر قال: قال رسول الله ﷺ: ”الذي يشرب في آنية الذهب والفضة إنَّما يجرجر

---

[1] ملاحظہ ہو: ابن حجر کی نتائج الأفكار 2/194.

[2] ملاحظہ ہو: ابن حجر کی النکت 2/610.

[3] دیکھئے: معرفة علوم الحديث ص118.

[4] انکی کتاب ”الكامل في ضعفاء الرجال“ میں کئی مواضع میں، مثلاً: 1/331، 2/144 اور 397. اسی طرح ابن اَبی حاتم کی علل الحدیث 2/354 میں اس تفصیل کو دیکھا جاسکتا ہے.

في بطنه نار جهنّم[1]"تو امام یحییٰ القطان رحمہ اللہ نے فوراً ٹوکا اور کہا کہ "هذا أهون عليك"، تو انہوں نے "هذا أهون عليك"، کے الفاظ کے ساتھ سلوکِ جادۃ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ یہ سلسلہ سند آپ کو ازبریاد ہے، اسی وجہ سے آپ نے اسے فوراً نقل کر دیا حالانکہ اور پھر خود صحیح سند ذکر فرمائی، "عبيد الله بن عمر عن نافع عن زيد بن عبد الله بن عمر عن أمّ سلمة"[2]، [3].

اسی طرح یہ بات بھی مدنظر رہے کہ جس طرح ایک راوی سلوکِ جادۃ کا شکار ہو سکتا ہے، اسی طرح ایک مکمل جماعت بھی اس میں مبتلا ہو سکتی ہے[4]۔ مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 117:
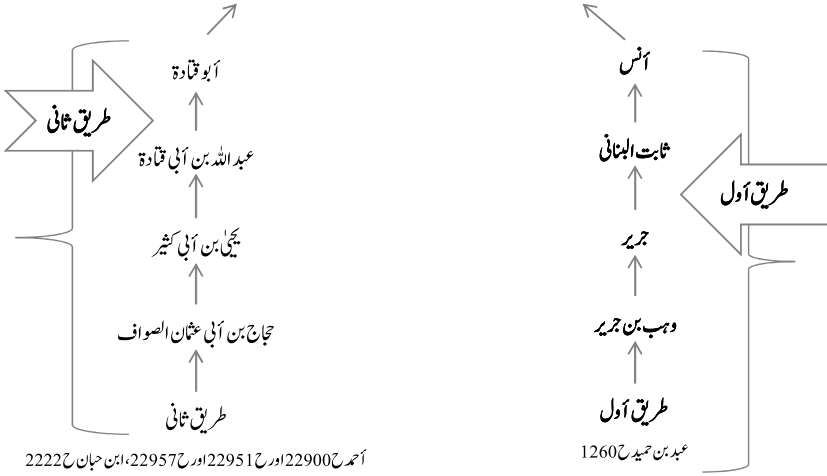
ڈایاگرام نمبر 117

مذکورہ بالا روایت میں جریر رحمہ اللہ سلوک جادۃ کا شکار ہوئے ہیں، اور اس سند کو "سلکِ جادۃ"

---

[1] دیکھئے امام طبرانی کی "المعجم الأوسط" حدیث نمبر 4189 اور المعجم الصغير حديث 563.

[2] نافع کی روایت، الصحيح البخاري، كتاب الأشربة، باب آنية الفضة 7/113 حدیث نمبر 5634 اور الصحيح للإمام مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال أواني الذهب والفضة في الشرب وغيره على الرجال والنساء 3/1634 حدیث نمبر 2065.

[3] دیکھئے واقعہ کی تفصیل کے لئے: تاریخ بغداد 14/136-137.

[4] فتح الباری 10/446.

سے متاثر ہو کر انس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ثابت بیان کر رہے ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے جب امام بخاری رحمہ اللہ سے اس روایت کے بارے میں استفسار فرمایا تو انھوں نے تفصیل بیان کرتے ہوئے وضاحت فرمائی کہ در حقیقت حجاج الصواف رحمہ اللہ ثابت البناني رحمہ اللہ کے پاس بیٹھے تھے جب کہ جریر بھی مجلس میں موجود تھے، اور حجاج الصواف نے طریق ثانی کے واسطہ سے مذکورہ روایت بیان کی، جس سے جریر کو یہ وَہم لاحق ہوا کہ مذکورہ روایت ثابت البناني نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جب کہ حقیقت میں انس رضی اللہ عنہ سے "كان النَّبي ﷺ إذا أقيمت الصَّلاة يتكلَّم مع الرَّجل حتى ينعس بعض القوم" روایت مروی ہے[1]۔

اسی بات کی طرف امام احمد رحمہ اللہ اور امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے بھی اشارہ فرمایا[2]۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اپنایا اور طریق ثانی کو صحیح ٹھہراتے ہوئے طریق اول کو سلوک جادۃ کی وجہ سے رد کر دیا[3]۔

جماعت کا سلک جادۃ میں مبتلا ہونے کی مثال، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 118:
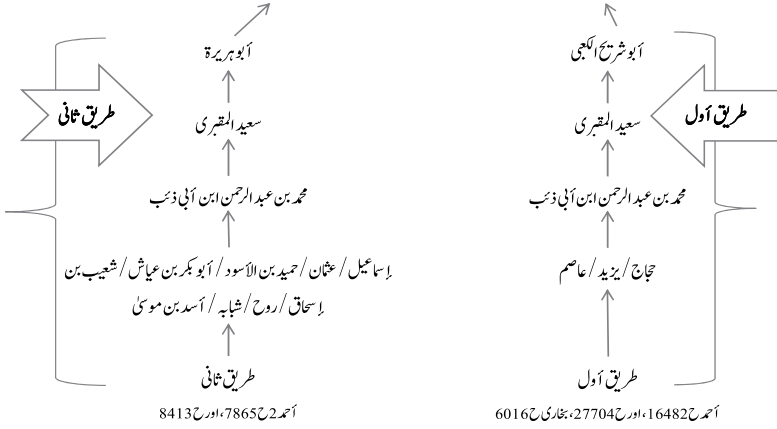
ڈایاگرام نمبر 118

[1] دیکھئے: العلل الكبير للترمذي 1/276-278.

[2] امام احمد کی العلل ومعرفة الرجال بروایتِ عبد اللہ 2/172.

[3] الكامل فی ضعفاء الرجال 2/349، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 12/22.

اس روایت کے دونوں طرق کو دیکھتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اختلاف کی صورت میں اگر دیکھا جائے تو کثرت تعداد کی رُو سے طریق ثانی کو ترجیح حاصل ہونی چاہیئے، لیکن حقیقت میں اسی سے معارض دوسرا قاعدہ بھی سامنے ہے اور وہ یہ کہ سعید المقبري رحمہ اللہ، أبو هريرة رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے میں مشہور ہیں، لہٰذا اس روایت میں جس نے بھی أبو هريرة رضی اللہ عنہ کا نام لیا اگرچہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں لیکن وہ "سلوک جادة" کا شکار ہوئے ہیں، جب کہ جنہوں نے "أبو شريح الكعبي" سے روایت نقل کی، گویا وہ زیادتِ علم کا دعوی کرتے ہیں جس سے دوسرے راوی عاجز معلوم ہوتے ہیں، اسی وجہ سے امام ابن حجر رحمہ اللہ نے طریق أول کو صحیح قرار دیا[1]۔

مذکورہ مثال سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح فرد واحد "سلوکِ جادة" کا شکار ہو سکتا ہے اسی طرح مکمل جماعت بھی اس میں مبتلا ہو سکتی ہے۔

مزید وضاحت کے لئے مثال، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 119:
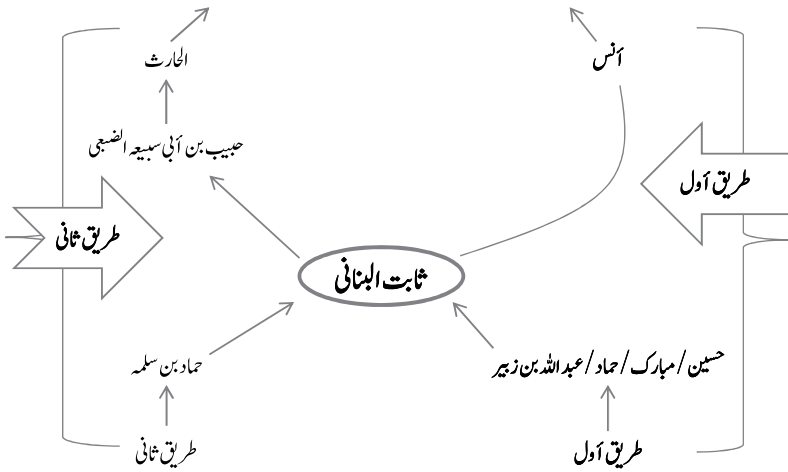
---

[1] فتح الباری 10/546.

مذکورہ روایت کے دونوں طرق میں سے اختلاف کو رفع کرنے کے لئے حفاظِ حدیث طریق ثانی کو ترجیح دیتے نظر آتے ہیں، جن میں أبو حاتم رحمہ اللہ ,إمام نسائی رحمہ اللہ اور إمام دارقطنی رحمہ اللہ شامل ہیں [1]۔ اور ترجیح کی بنیادی وجہ رجال حدیث کا طریق اول میں "سلوک جادۃ" کا شکار ہونا ہے، جب کہ إمام أبو حاتم رحمہ اللہ صراحتًا یہ بات کہتے پائے گئے کہ "مبارك بن فضالة" اس روایت میں سلوکِ جادۃ کا شکار نظر آئے ہیں، کیونکہ محدثین کے ہاں ثابت البناني کی مرویات عموماً أنس رضی اللہ عنہ سے معروف ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس روایت میں بھی انہوں نے اسی معروف سلسلہ سند کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی سند بیان کردی، جب کہ حقیقت میں یہ روایت حبيب بن أبي سبيعة رحمہ اللہ کے واسطہ سے مروی ہے جیساکہ طریق ثانی میں دکھایا گیا ہے [2]۔ اور جسے حماد بن سلمة رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں، چونکہ ان کی روایت میں معروف سند سے ہٹ کر ایک نئی سند کی طرف اشارہ ہے جسکا صدور ثقہ اور حافظ راوی سے ہی ممکن ہے۔ اور حماد بن سلمة رحمہ اللہ اس درجے پر پورا اترتے ہیں۔

اگلی مثال جس سے اس قضیہ کی مزید وضاحت ممکن ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 120:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أنا وكافل اليتيم، له ولغيره، في الجنة كهاتين

مرة الفهر
أم سعيد (بنت مرة الفهري)
أنيسه
طریق أول
عطاء بن يسار
طریق ثانی
صفوان بن سلیم
مالک
سفیان بن عیینہ
طریق ثانی
ابن أبي حاتم (علل الحدیث) 5/336
طریق أول
حمیدی ح 861
ڈایاگرام نمبر 120

---

[1] السنن الكبري للنسائي، كتاب عمل اليوم والليلة، باب يقول لأخيه إذا قال: إني لأحبك 9/79 حدیث نمبر 9940، علل الحديث 5/657، العلل الواردة في الأحاديث النبوية 12/24.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحديث 5/657.

طریق اُول کو اگر دیکھا جائے تو طریق ثانی کی بنسبت وہ تھوڑا مغلق اور مشکل نظر آرہا ہے، جب کہ طریق ثانی کو کہنا اور اُداء کرنا آسان محسوس ہو رہا ہے، اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محدثین فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت طریق ثانی کی سند سے صحیح ہوتی تو ہمارے لئے اس دوسرے طریق کو یاد کرنا اور پھر اُداء کرنا سہل اور آسان ہوتا، طریق اُول جیسی مغلق سند سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی صحیح ہے، اسی وجہ سے أبو زرعة رحمہ اللہ اور اُبو حاتم رحمہ اللہ نے اِمام سفیان رحمہ اللہ کے طریق کو اِمام مالک رحمہ اللہ کی سند پر ترجیح دی ہے، جو کہ اس سند میں "سلوک جادۃ" پر چلتے نظر آتے ہیں [1]۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 121:

ڈایاگرام نمبر 121

مذکورہ روایت میں دیکھا جائے تو سعید بن أبي سعید المقبري کی روایات کی ایک بڑی تعداد عموماً أبو ھریرۃ رضی اللہ عنہ سعید کے والد أبو سعید المقبري کے واسطے سے منقول ہوتی ہیں، جیسا کہ طریق ثانی

[1] علل الحدیث 5/336.
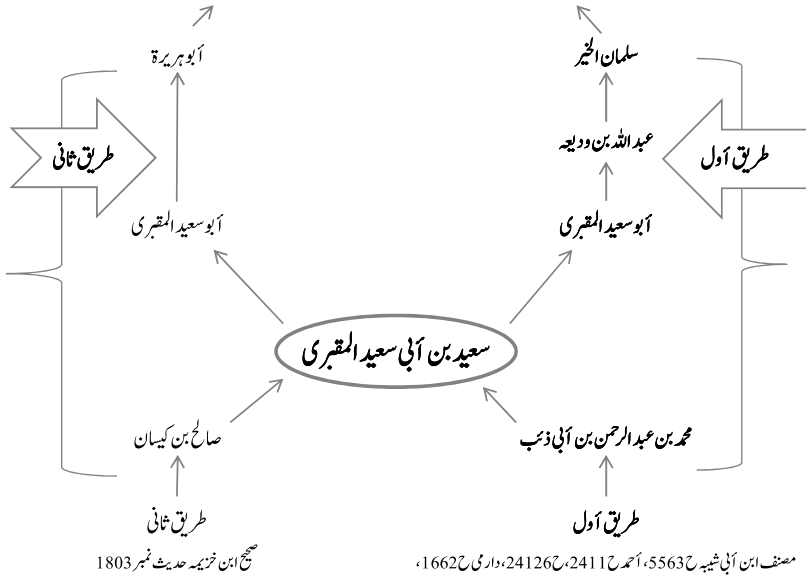
سے ظاہر ہے اور صالح بن کیسان رحمہ اللہ نے اسی "سلک جادۃ" پر چلتے ہوئے مذکورہ روایت کو أبو هريرة رضی اللہ عنہ سے نقل کیا، جب کہ حقیقتاً یہ روایت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ اسی کی طرف حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی اشارہ فرمایا[1]۔ کیونکہ "سعيد المقبري رحمہ اللہ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ" یا "عن أبيه رحمہ اللہ، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ" ایک معروف اور مشہور سلسلہ ہے، جس کی طرف سبقت لسانی کی وجہ سے جلد ہی میلان ہوتا ہے، جب کہ طریق اُول میں جو سلسلہ سند مذکور ہے وہ سند کی ایک نئی جہت دکھا رہا ہے جو کہ اس طریق کے روایت کرنے والے رواۃ حدیث کے کمال ضبط واتقان پر دلالت کر رہا ہے، اور اسی طریق کو علماء نے صحیح قرار دیا ہے[2]۔

ج. قرینہ خامسہ: غرابتِ سند/تفرد راوی

اگرچہ سند کا غریب ہونا اس بات کا محتمل ہے کہ اس میں ضعف دَر آئے، تاہم کبھی اختلاف کی صورت میں باوجود غرابت کے، اُسی سند کو ترجیح حاصل ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر سند میں مدارِ سند کے بعد اسکے شاگردوں میں بعض رواۃ کے مابین کسی قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے اور ایک راوی طریقِ غریب استعمال کرے جب کہ اس طریق میں کسی قسم کے "سلوک جادۃ" کا احتمال بھی نہ ہو، تو ایسی صورت میں اِسی غریب طریق کو ترجیح دی جاتی ہے، کیونکہ ایسی صورت میں کسی طریق میں وَہم کا دَر آنا انتہائی نادر الوقوع ہوتا ہے۔ لہٰذا اسی روایت کو قوت دیتے ہوئے راجح ٹھہرایا جائے گا۔ کیونکہ نادر الوقوع ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس راوی نے مذکورہ روایت کی سند کو کافی احتیاط سے سنبھال کر رکھا ہے، اور اس کی حفاظت کا بیڑا وہی اٹھا سکتا ہے جس کا حافظہ معیاری اور ناقابل یقین حد تک بہترین ہو، اسی لئے اس کی روایت کو اسی "غرابتِ سند" کے قرینہ کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی۔

اس تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ یہ قرینہ کسی حد تک "سلوک جادۃ" کا متضاد قرینہ ہے۔ کیونکہ اگر کسی سند کو "سلک جادۃ" کی بدولت مرجوح ٹھہرایا جا سکتا ہے تو دوسری طرف اگر سند کا راوی

[1] فتح الباری 8/109.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 2/549.

منفرد ہو تو "غرابتِ سند" کی وجہ سے اسے ترجیح بھی حاصل ہو سکتی ہے تاوقتیکہ اس میں کسی قسم کے "سلک جادۃ" کا احتمال نہ ہو۔ یعنی سلک جادۃ کا احتمال نہ ہو تو یہی سند غرابتِ سند کہلاتی ہے اور ایسی صورت میں راوی کے تفرد کو اس کے حافظہ کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے راجح قرار دیا جائے گا۔ اس لحاظ سے یہ دونوں قرائن کسی حد تک آپس میں متضاد ٹھہرتے ہیں، وہ ایسے کہ اگر طریق اول کے راوی سلوک جادۃ کے شکار ہوں اور طریق ثانی میں ایک ہی راوی ہو جو کہ تفرد اختیار کر رہا ہو تو ایسی صورت میں سلوکِ جادۃ ہونے کی وجہ سے طریق اَول مرجوح ہو گا تو طریق ثانی کی وجہء ترجیح میں "غرابتِ سند" بھی شامل ہو گی۔ جب کہ اگر کوئی بھی طریق جس میں مدار سند کا شاگرد تفرد اختیار کرتے ہوئے سلوک جادۃ کا شکار ہو تو ایسی صورت میں یہ مرجوح ہو گا اگرچہ یہاں غرابتِ سند بھی پائی جا رہی ہے، یہ انتہائی باریک فرق ہے جو کافی غور و خوض اور ممارست حدیث کے بعد واضح ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اگر کوئی طریق سلوکِ جادۃ ہو تو اس کے متوازی دوسرا طریق لازماً "غرابتِ سند" پر مشتمل ہو گا، فتدبّر۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 122:

ڈایاگرام نمبر 122
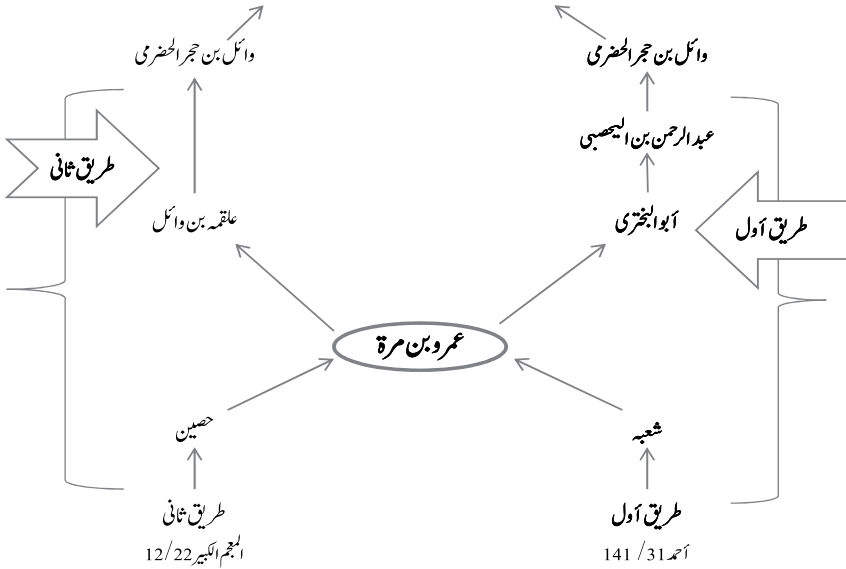
مذکورہ مثال میں دو مختلف طرق میں سے طریق اَول کو ترجیح حاصل ہے، کیونکہ مدارِ سند "عمرو بن مرة" سے ان کے شاگرد شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اگرچہ مذکورہ سند میں "طریق غریب" کو ذکر کر رہے ہیں، اور چونکہ ان کے قوت حافظہ میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے لہٰذا باوجود غرابت سند کے، عمرو بن مرة رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد حصین کے مقابلے میں اِمام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی [1]۔ اور راوی کے اس تفرد کو بطور قرینہ ترجیح استعمال کیا جائے گا۔ کیونکہ طریق اَول میں اِمام شعبة بن الحجاج نے اپنی عادت سے ہٹ کر ایسا نام استعمال کیا ہے جو وہ عادۃً اسانید میں استعمال نہیں کرتے تو سند کا نئی جہات پر مشتمل ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ یہی طریق زیادہ قوی ہے کیونکہ اسے یاد رکھنے اور محفوظ رکھنے میں راوی نے غیر معمولی قوت حافظہ کا مظاہرہ کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اِمام ابن رجب رحمہ اللہ بھی اکثر مقامات پر یہ الفاظ نقل کرتے پائے جاتے ہیں، "فإنَّ في إسناده ما يُستغرب، فلا يحفظه إلا حافظ"، یعنی چونکہ سند میں ایک قسم کا استغراب ہے لہٰذا اسے یاد رکھنا کسی حافظ کا ہی کمال ہو سکتا ہے [2]۔

اسی سلسلے کی اگلی مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 123:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيها الناس، اتقوا الظلم، فإنه ظلمات يوم القيامة

طریق اَول | طریق ثانی

عبد اللہ بن عمر | اَبو الصدیق الناجی

محارب بن دثار

عطاء بن السائب | اَبو اِسحاق الشیبانی

زائدۃ بن قدامہ / علی بن عاصم | جریر

طریق اَول | طریق ثانی

مصنف ابن اَبی شیبہ ح 36392، اَحمد ح 5662، ح 5832، ح 6206

ابن اَبی حاتم (علل الحدیث) 3/374

ڈایاگرام نمبر 123
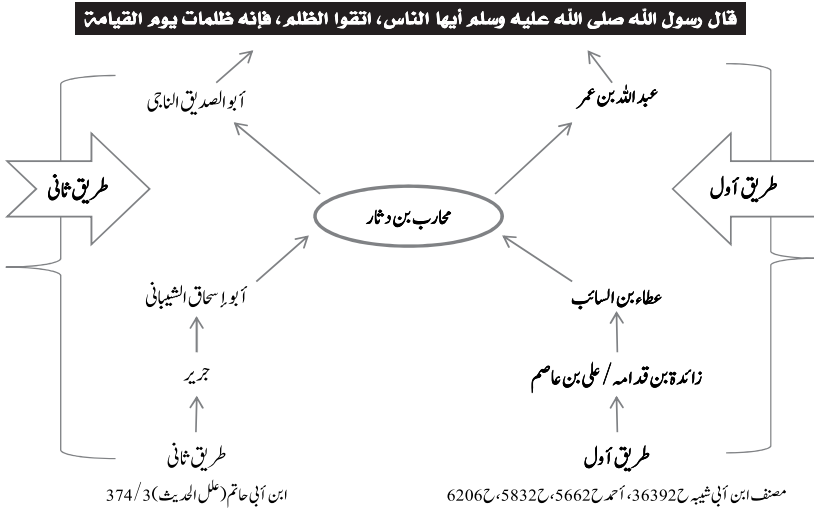
[1] دیکھئے: اِمام عبد اللہ بن اَحمد کی " العلل ومعرفة الرجال "1/181.

[2] شرح علل الترمذی 2/726.

مذکورہ روایت کے بارے میں جب اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے طریق ثانی کو ترجیح دی، جس کی وجوہات میں سے ایک تو "عطاء بن السائب" کے حافظہ میں نقصان کا در آنا ہے جنہوں نے مدارِ سند "محارب بن دثار" سے طریق اول روایت کیا ہے، جب کہ دوسری اہم ترین وجہ جو یہاں موضع استشہاد ہے، وہ یہ ہے کہ مدارِ سند "محارب بن دثار" کے دوسرے شاگرد أبو إسحاق الشيباني نے یہ روایت أبو الصديق الناجي سے روایت کی ہے، اگر حقیقتاً یہ "عبد الله بن عمر" سے مروی ہوتی تو أبو إسحاق کے لئے "ابن عمر" کا نام یاد رکھنا زیادہ آسان تھا، تو أبو الصديق الناجي کا ذکر کرنا اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ أبو إسحاق الشيباني نے اسے کمال ضبط وحفظ کا مظاہرہ کرتے ہوئے یاد رکھا ہے [1]۔

ان تمام امثلہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ رواۃ نے یہاں مختلف روایات میں تفرد اختیار کیا ہے، لیکن باوجود ان کے تفرد کے انہی کی روایات کو قابل ترجیح قرار دیا گیا ہے، اور اسے ہی "قرینہ غرابتِ سند" کہا جاتا ہے، جو کہ گذشتہ تمام امثلہ سے بخوبی واضح ہو چکا ہے۔

ح. قرینہ سادسہ: اتفاقِ بلدان/اشتراکِ علاقہ

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کہیں کسی مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین روایت کی سند یا متن میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اس طریق کو ترجیح دی جائے گی جو طریق اُن رواۃ یا راوی پر مشتمل ہو جو اس شیخ کے ہی علاقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ کیونکہ ایک ہی علاقے کے لوگ ہی اپنے شیوخ کی روایت کے زیادہ ماہر وعالم ہوتے ہیں بنسبت دوسرے علاقے کے شاگردوں کے، لہٰذا ایسی صورت میں اگر اس شیخ کے اپنے شہر یا علاقے کے لوگ روایت کرتے وقت باقی تلامذہ سے اختلاف کرتے ہوں تو انہی کی روایت کو ترجیح ہو گی جو "اہل علاقہ" ہوں۔ تو اگر اِمام مالک رحمہ اللہ کے شاگردوں میں

[1] ابن اَبی حاتم کی علل الحديث 3/374.

اختلاف پیدا ہو جائے تو "اہل مدینہ" کی روایت کو ترجیح دی جائے گی، اسی طرح قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کے تلامذہ کے مابین اختلاف کی صورت میں "اہل بصرہ" کی روایت راجح ہوگی۔

اسی طرح إمام أعمش یا أبو إسحاق کی روایت میں اختلاف کی صورت میں "اہل کوفہ" کو ترجیح ہو گی۔ جب تک کہ اس قرینہ کے مقابل دوسرا کوئی اس سے قوی ترین قرینہ سامنے نہ آجائے۔ اسی قرینہ کی نشاندہی کرتے ہوئے حماد بن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آدمی کے شہر کا رہنے والا اس کی روایات کو زیادہ جاننے والا ہوتا ہے [1]، اسی طرح إمام أبو زرعة الدمشقی رحمہ اللہ نے إمام نافع رحمہ اللہ کے شاگردوں میں اختلاف کی صورت میں عبید اللہ بن عمر رحمہ اللہ کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ عبید اللہ بن عمر ان کے شہر/علاقہ سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا ان کی روایت کو ترجیح حاصل ہوگی، اس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ اہل علاقہ اپنے علاقے کے شیوخ کی روایات کے زیادہ أمین ہوتے ہیں [2]۔

اسی طرح إمام أبوحاتم رحمہ اللہ کے سامنے جب إمام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ کی روایات میں ان کے شاگردوں کے مابین اختلاف کا مسئلہ ہوا تو انہوں نے صالح رحمہ اللہ کی روایات کو عقیل کی روایات پر ترجیح دیتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ إمام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ مدنی تھے لہٰذا صالح کی روایت کو قبول کیا جائے گا کہ وہ بھی حجازی تھے [3]۔ اسی طرح کے کلمات أئمہ محدثین کے ہاں کثیر تعداد میں مقبول ہیں جن سے اس بات کا بخوبی ادراک ہوتا ہے کہ وہ اختلاف أسانید و متون کی صورت میں "أہل بلد/أہل علاقہ" کی روایات کو بطور قرینہ استعمال کرتے ہوئے اسے ترجیح دیتے تھے۔

اس کی مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 124:

---

[1] الكفاية في علم الرواية ص133.
[2] دیکھئے: تاريخ أبي زرعة الدمشقي 1075 .
[3] تهذيب التهذيب 2/199.
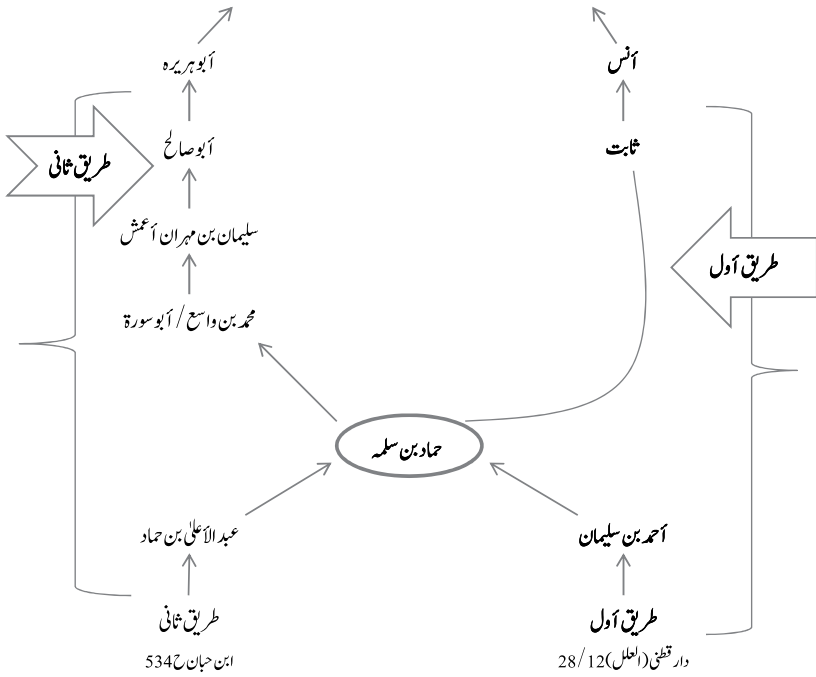
ڈایاگرام نمبر124

مذکورہ روایت کے طریق أول میں حماد بن سلمة سے روایت کرنے والے "أحمد بن سلیمان" ہیں، جوکہ اس روایت کو أنس رضی اللہ عنہ سے بواسطہ ثابت رحمہ اللہ نقل کررہے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں یہی روایت حماد بن سلمة سے "عبدالأعلیٰ بن حماد" بالکل مختلف سند کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جیساکہ نقشہ سے ظاہر ہے۔ یہاں طریق ثانی کو ترجیح حاصل ہے کیونکہ اس کو مدار سند "حماد بن سلمة" (جوکہ بصرہ سے تعلق رکھتے ہیں[1]) سے نقل کرنے والے "عبدالأعلیٰ بن حماد" بھی بصری ہی ہیں[2]۔ اور چونکہ أہل علاقہ اپنے علاقے کے شیوخ کی روایت کے زیادہ امین ہوتے ہیں تو اس وجہ سے طریق

[1] تقریب التهذیب 1/178.
[2] تقریب التهذیب 1/331.

ثانی ہی کو ترجیح ہوگی، یہی وجہ ہے کہ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسی طریق کو ہی ترجیح دی ہے [1]۔

اگلی روایت جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے، وہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 125:

ڈایاگرام نمبر 125
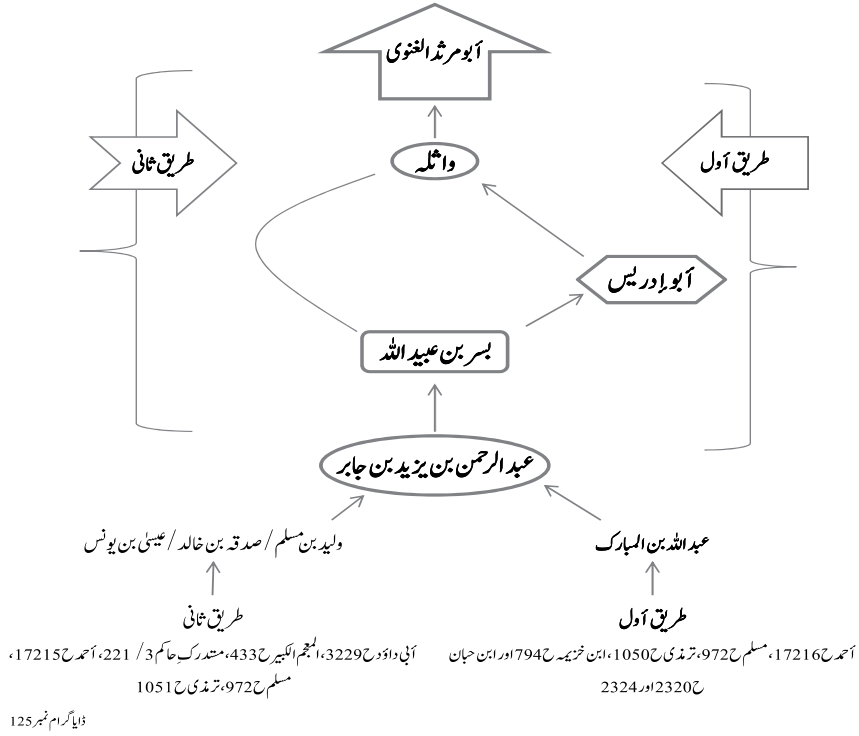
مذکورہ روایت میں علماءِ علل نے طریق ثانی کو ترجیح دی ہے اگرچہ طریق أول کے روایت کرنے والے مشہور و معروف راوی "عبد اللہ بن المبارک" رحمہ اللہ ہیں، لیکن چونکہ مدارِ سند "عبد الرحمٰن بن یزید بن جابر" رحمہ اللہ ملکِ شام سے تعلق رکھتے ہیں، جب کہ ان سے مذکورہ روایت کے نقل کرنے والے طریق ثانی کے شاگرد "شامی" ہیں، جب کہ عبد اللہ بن المبارک رحمہ اللہ شام سے تعلق نہیں رکھتے

[1] ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 12/ 28.

توباوجودان کے ثقہ ہونے کے، ان کی روایت مرجوح ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ یہاں "اتفاق بلدان" کا قرینہ متوجہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ نے بھی عبد الله بن المبارك رحمہ اللہ کی روایت کو غلط گردانتے ہوئے طریق ثانی کو راجح قرار دیا کر صراحتًا اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اہل شام اپنی روایات کو زیادہ جانتے ہیں لہٰذا انہی کے طریق کو ترجیح ہوگی [1]۔

بلکہ دوسرے مقام پر انہوں نے زیادہ وضاحت کے ساتھ ان الفاظ کا ذکر کیا ہے کہ "وأهل الشام أضبط لحديثهم من الغرباء" [2]، اسی کی تائید کرتے ہوئے اِمام ترمذی رحمہ اللہ نے اِمام بخاری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ طریق ثانی صحیح ہے [3]، جب کہ اِمام دارقطنی رحمہ اللہ بھی اسی جانب اِشارہ کرتے پائے جاتے ہیں [4]۔

یہ چھ قرائن اختلاف اَسانید و متون کی صورت میں اَہم ترین قرائن شمار کئے جاتے ہیں۔

---

[1] علل الحديث 2/56.

[2] علل الحديث 3/567.

[3] علل الترمذي الكبير ص 151.

[4] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 7/44.

مبحث ثانی : قرائن ترجیح خاصہ

ان "قرائن ترجیح عامہ" کے بعد "قرائنِ خاصہ" کا نمبر آتا ہے، ان قرائن کی کوئی خاص تعداد محدثین کے ہاں معروف نہیں، کیونکہ ایسے قرائن ہر حدیث اور روایت کے لحاظ سے مختلف ہوسکتے ہیں۔ لہٰذا ہم یہاں ان میں سے چیدہ چیدہ کچھ ایسے قرائن کا تذکرہ کریں گے، جو کثیر الوقوع ہوتے ہیں اور عمومی طور سے محدثین اور باحثین کو ان سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

أ. راوی کا اپنے گھر/خاندان والوں سے روایت کرنا

یہ قرینہ اپنے عنوان سے ہی ظاہر المعنیٰ ہے کہ جب کسی بھی مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین اختلاف سند و متن کی صورت سامنے آئے تو اُس روایت کو ترجیح جائے گی جس میں اس مدارِ سند سے روایت کرنے والے اس کے اپنے خاندان یا گھر والے شریک ہوں، کیونکہ مدارِ سند کے اَہل بیت اور خاندان والے ہی اس کی روایات کے بہترین حافظ اور اسے یاد رکھنے والے ہوتے ہیں۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام 126:

مذکورہ روایت میں اگرچہ طریق ثانی کے روایت کرنے والے شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اور سفیان ثوری رحمہ اللہ ہیں، جوکہ "مدار سند" أبو إسحاق السبيعي سے مذکورہ روایت کو مرسل نقل کررہے ہیں، اور دونوں جرح وتعدیل کے ترازو میں اِمام مانے جاتے ہیں، تاہم علماءِ علل ان کے طریق کو راجح قرار نہیں دیتے، جس کی بنیادی وجہ دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ قرینہ ترجیح "راوی کا اپنے گھر/خاندان والوں سے روایت کرنا" شامل ہے، جس کی وجہ سے علماء ومحدثین کرام طریق اَول کو راجح قرار دیتے ہیں، کیونکہ طریق اَول، مدارِ سند سے اس کے گھر والے، جن میں إسرائيل بن يونس اور يونس بن أبي إسحاق شامل ہیں، روایت کررہے ہیں، تو دوسرے رواۃِ حدیث کے معاملے میں گھر والوں کی روایت قابل قبول ہوگی، اسی وجہ سے طریق اَول کو ترجیح دی گئی ہے [1]۔

ب. روایت بالمعنیٰ

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی شیخ کے دو شاگردوں کے درمیان کسی بھی روایت کی سند یا متن میں اختلاف واقع ہوجائے تو ایسی صورت میں اگر کوئی ایک راوی روایت بالمعنیٰ کررہا ہو تو اس کی روایت مرجوح قرار دی جائے گی، کیونکہ روایت باللفظ والا ہی اس روایت کو صحیح اَدا کرنے والا ہے، اور جو اس روایت کے ہو بہو الفاظ نقل کرنے میں احتیاط کا مظاہرہ نہیں کرتا تو یہ اس بات پر دلالت کررہا ہے کہ اس کی روایت اَوہام واغلاط سے عبارت ہے۔ اور روایت کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے سے اُس روایت کا اصل مقصد فوت ہورہا ہے، لہٰذا اس کی روایت مرجوح قرار دی جائے گی۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 127:

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الترمذي الكبير ص155.

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم
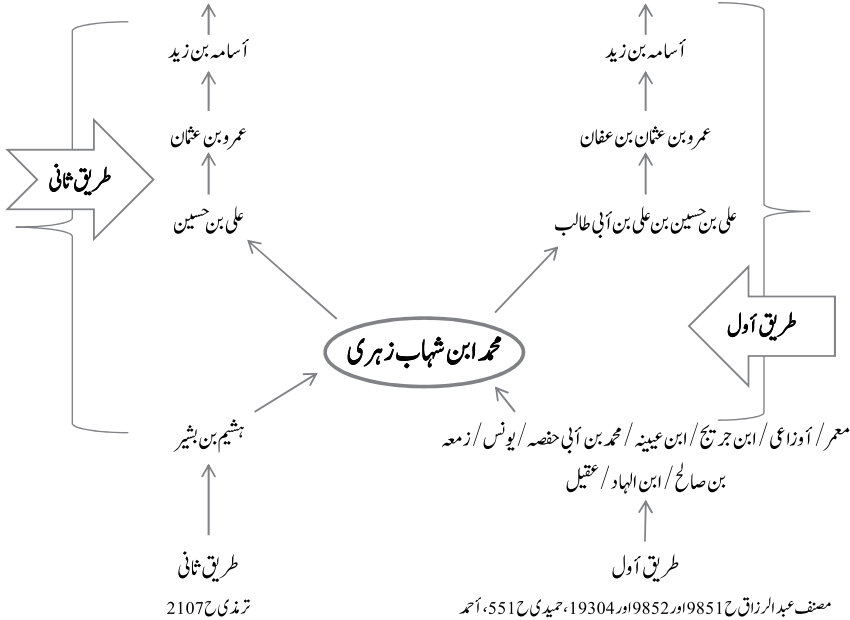
ڈایاگرام نمبر127

مذکورہ مثال ابن شہاب الزہري رحمہ اللہ سے **مشہور روایت** "قال رسول اللہ ﷺ: لا یرث المسلم الکافر، ولا الکافر المسلم" **مروی ہے، جسے ان سے کثیر تعداد میں ان کے تلامذہ انہی کلمات سے نقل کرتے ہیں، جب کہ انہی امام** ابن شہاب الزہري رضی اللہ عنہ **کے دوسرے شاگرد** "ہشیم بن بشیر" **تفرد اختیار کرتے ہوئے یہی روایت** "لا یتوارث أہل ملتین شتی" **کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں، محدثین اور علماءِ علل اس روایت کے طریق أول کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ وہی طریق امام** ابن شہاب الزہري رضی اللہ عنہ **کے قریب ترین تلامذہ روایت کرتے ہیں، دوسری اہم ترین وجہ جو کہ ہمارے**

موجودہ قرینہ سے متعلق ہے وہ یہ کہ طریق ثانی میں هشيم بن بشير مذکورہ روایت کو "روایت بالمعنیٰ" کے طور سے نقل کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں اگر کسی بھی مدار سند کے تلامذہ کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو روایت بالمعنیٰ والے طریق کو مرجوح قرار دیا جائے گا اور اُسی راوی کی روایت کو ترجیح دی جائے گی جو روایت کو ان کے بعینہ الفاظ سے نقل کرے گا۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے هشيم بن بشير کی روایت ذکر کرنے کے بعد صراحتاً اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ ابن شهاب الزهري کی روایات کے معاملے میں هشيم بن بشير قابل اعتماد نہیں ہیں [1]۔ جب کہ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی روایتِ هشيم بن بشير کی طرف "خطا" کی نسبت کی ہے [2]۔

ان تمام باتوں کی تائید خود هشيم بن بشير کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ سے تقریباً سو احادیث سنی ہیں، لیکن ان روایات کو لکھنے کی کوشش کبھی نہیں کی [3]۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی عادت کی وجہ سے وہ روایت کرتے ہوئے روایت بالمعنیٰ کر جاتے تھے جس سے ان کی روایت میں غلطیوں کا احتمال قوی ہو جاتا۔

اس سلسلے کی اگلی مثال بھی هشيم بن بشير ہی کی روایت ہے جس میں وہ روایت بالمعنیٰ کرتے ہوئے غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 128:

---

[1] دیکھئے: امام ابن عبد البر کی التمهيد 9/171.

[2] ملاحظہ ہو: تحفة الأشراف 113.

[3] ملاحظہ ہو: تاريخ بغداد 14/86 تهذيب التهذيب 4/280.
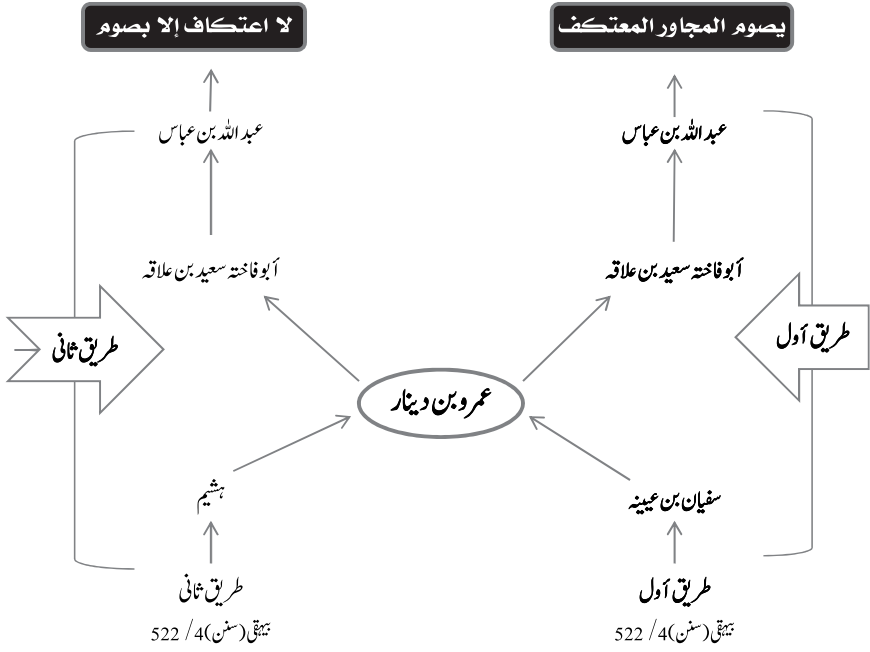
ڈایاگرام نمبر 128

مذکورہ روایت میں طریق اَول جوکہ اِمام سفیان بن عیینة رحمہ اللہ سے مروی ہے، اس میں وہ "يصوم المجاور المعتكف" کے الفاظ سے روایت نقل کرتے ہیں، جب کہ یہی روایت عمرو بن دينار سے "هشيم بن بشير" نقل کرتے وقت "لا اعتكاف إلا بصوم" کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں، جو دراصل طریق اَول کے معنیٰ سے مفہوم اخذ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے الفاظ میں کلمات نقل کر دیئے، جب کہ حقیقت میں روایت سے مراد وہ نہیں تھی جو هشيم بن بشير بتانا چاہ رہے ہیں۔ اسی وجہ سے اِمام سفيان بن عيينة رحمہ اللہ نے صراحتًا اس بات کا ذکر کیا ہے کہ مذکورہ روایت میں هشيم بن بشير سے غلطی صادر ہوئی ہے[1]۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے وہ اَنس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو

[1] ملاحظہ ہو: السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصيام، باب المعتكف بصوم 4/522 حدیث نمبر 8583.

ڈایاگرام نمبر129:

ڈایاگرام نمبر129
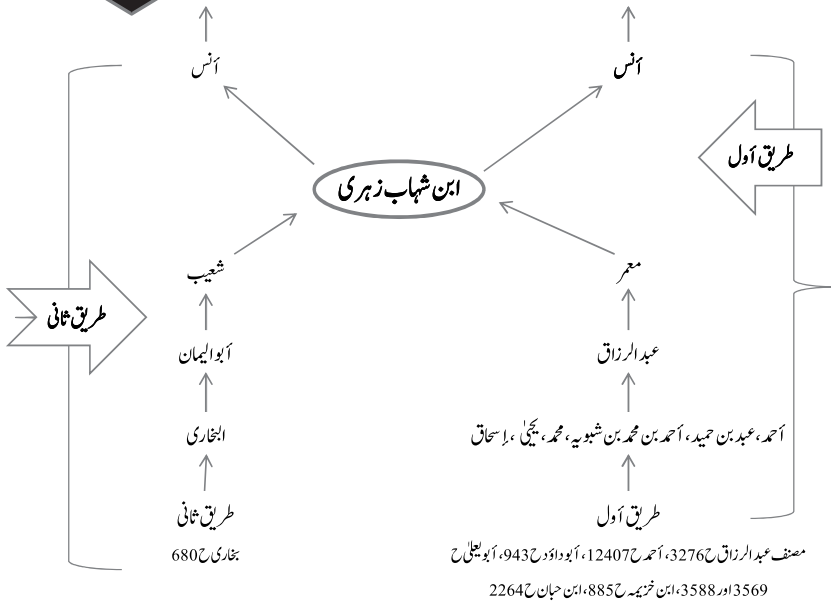
مذکورہ روایت کا طریق ثانی جو کہ إمام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس میں أنس رضی اللہ عنہ کی روایت کو إمام ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ کے شاگرد "شعیب" بالتفصیل قصہ کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز میں اشارہ کا ذکر ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے أبو بکر رضی اللہ عنہ کو کیا تھا تاکہ وہ اپنی نماز جاری رکھ سکیں، جب کہ إمام عبد الرزاق رحمہ اللہ نے یہ حدیث روایت بالمعنیٰ کے قبیل سے نقل کرتے ہوئے اس کو اپنے الفاظ میں نقل کیا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے

اشارہ کو تشہد میں اشارہ گردانتے ہوئے یہ ذکر کر دیا کہ نبی کریم ﷺ تشہد میں انگلی سے اشارہ کرتے تھے، جو کہ سراسر حقیقت حال کے منافی ہے۔ اس کو تفصیل کے ساتھ امام ابن اَبی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے[1]۔

ت. محفل/مجلس کا اختلاف

اس سے مراد یہ ہے کہ مدارِ سند سے رواۃ کی ایک جماعت کسی ایک مجلس میں کوئی بھی روایت کسی ایک طریقے سے بیان کرے اور یہی روایت اسی مدارِ سند کے باقی شاگرد دوسری مجلس میں کسی دوسرے طریقے سے بیان کریں، مثلاً ایک مجلس میں روایت کو موصول بیان کیا جائے اور دوسری مجلس میں وہی روایت مرسل روایت کی جائے تو ایسی صورت میں وہ طریق راجح ہو گا جس کے نقل کرنے والوں کا سماع اپنے شیخ یعنی مدارِ سند سے مختلف اَوقات اور متعدّد مجالس میں ثابت ہو، بنسبت اس روایت کے کہ جس کا سماع ایک ہی مجلس میں ہوا ہو۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ تعددِ مجالس کی ہر صورت میں کسی بھی روایت کے قبول و رد کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ بسا اَوقات تعددِ مجالس میں اضطرابِ راوی کا عنصر بھی کارفرما ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں توقف ہی قرین قیاس اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اسی قرینہ کو واضح کرتے ہوئے حافظ ابن رجب رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بھی محدث سے مختلف مجالس میں کسی روایت کے تحمل کو کسی ایک خاص مجلس میں تحمل پر فوقیت حاصل رہے گی اور اسے ترجیح دی جائے گی[2]۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 130:

---

[1] ملاحظہ ہو: علل الحدیث 2/379.

[2] شرح علل الترمذي 1/425 . النکت لابن حجر 2/607 .
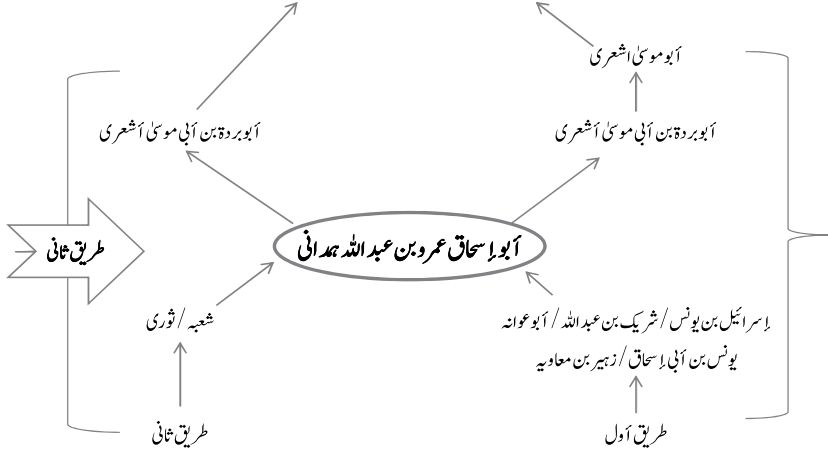
مصنف عبد الرزاق ح 10475، مصنف ابن أبی شیبہ ح 37271

مصنف ابن أبی شیبہ 4/ 2،14/ 168 أحمد ح 19747، ح 19947، دارمی ح 2323 اور 2324، ابن ماجہ ح 1881، أبو داؤد ح 2085، ترمذی ح 1101، أبو یعلیٰ ح 7227، ابن حبان ح 4077، اور 4078 اور 4083 اور 4090

ڈایاگرام نمبر 130

مذکورہ روایت میں اگرچہ طریق ثانی کے روایت کرنے والے شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اور سفیان الثوري رحمہ اللہ ہیں، جو کہ "مدار سند" أبو إسحاق السبيعي سے مذکورہ روایت کو مرسل نقل کر رہے ہیں، اور جرح و تعدیل کے میزان میں إمام مانے جاتے ہیں، تاہم علماءِ علل ان کے طریق کو راجح قرار نہیں دیتے، جس کی بنیادی وجہ دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ قرینہ ترجیح "راوی کا اپنے گھر/ خاندان والوں سے روایت کرنا" شامل ہے، اسی کے ساتھ ساتھ مذکورہ قرینہ بھی یہاں متوجہ ہونے کی وجہ سے طریق أول کی موصول روایت صحیح مانی جائے گی، کیونکہ طریق اول کے رواۃ کا سماع أبو إسحاق السبيعي سے مختلف مجالس میں واقع ہوا ہے جب کہ إمام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اور سفیان الثوري رحمہ اللہ اگرچہ ثقات اور اثبات رواۃ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے مذکورہ روایت ایک ہی مجلس میں سماعت فرمائی ہے، لہٰذا مذکورہ قرینہ کی رُو سے ان کی روایت مرجوح ٹھہرے گی، اسی وجہ سے طریق أول کو ترجیح دی گئی ہے [1]۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: سنن الترمذی، أبواب النكاح، باب ما جاء لا نكاح إلا بولي، 3/399 حدیث نمبر 1102، اور خطیب بغدادی کی "الكفاية في علم الرواية" ص 254 .

ث. مدارِ سند کا وسعتِ روایت کی صفت سے متّصف ہونا

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ مدارِ سند وسعتِ روایت کی صفت سے متّصف ہو اور اس سے کوئی روایت اس کے شاگردوں کی ایک جماعت کسی ایک طریق سے نقل کرے جب کہ دوسرے شاگرد اسے دوسرے طریق سے نقل کریں تو اس مدارِ سند کے وسعتِ روایت اور قوۃ حفظ کی صفت کی وجہ سے یہ دونوں طرق قبول کر لئے جائیں گے، کیونکہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ اپنے ضبط و حفظ کے اعلیٰ معیار اور کثرتِ روایت کی وجہ سے اس نے مختلف طرق سے اس روایت کا تحمل کیا ہو لہٰذا دونوں طرق قابل قبول ہونگے۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 131:

مذکورہ روایت کے بارے میں اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ مدارِ سند ”أبو إسحاق“ وسعتِ روایت کی صفت سے متّصف ہیں، لہٰذا اس بات کا قوی اِمکان ہے کہ موجودہ اختلاف کی صورت میں تمام طرق صحیح ہوں، کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مدار سند نے کبھی ”عبد الله بن أبي بصير“ سے روایت سنی ہو، اور کبھی ”أبو بصير“ سے براہِ راست روایت کا سماع کیا ہو اور کبھی ”عيزار بن حريث“ سے یہ روایت نقل کی ہو، تو چونکہ ان کا روایت نقل کرنے کا مجال انتہائی وسیع رہا ہے، لہٰذا ان کے تلامذہ نے یہی مختلف طرق ان سے روایت کردئے جس طریقے سے انہوں نے ”أبو إسحاق“ سے سماعت فرمائی تھی۔ اِمام ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے مذکورہ روایت اپنی کتاب میں نقل کرنے کے بعد اس پر تفصیلی کلام نقل کیا ہے، اور اسی بات کی تائید کی ہے کہ تمام طرق صحیح ہیں [1]، واللہ اعلم۔

ج. سند کا شاذ ہونا

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ روایت کسی ایسی سند سے مروی ہو کہ اس کے بارے میں علماء محدثین سے یہ بات منقول ہو کہ یہ سند غلط ہے اور اس سند سے روایات کا نقل کرنا صحیح نہیں۔ اسی سے یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اس قرینہ پر صرف وہی شخص خبردار ہو سکتا ہے جو کتب حدیثیہ کا مکمل استقصاء رکھتا ہو، اسی طرح علماء سابقین کے مختلف اَسانید کے بارے میں اَقوال پر اس کی گہری نظر ہو، تو ایسے باحث کے لئے آسانی ہوتی ہے کہ وہ ان اَسانید کو دیکھتے ہی سمجھ جائے کہ یہ شاذ اَسانید ہیں اور ان پر بناء کی گئی روایات صحیح نہیں ہیں۔

جیسا کہ اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ نے ”عکرمہ رحمہ اللہ کی اَنس رضی اللہ عنہ سے روایت“ کو بے اَصل قرار دیا ہے [2]۔ اسی طرح ” قَتادة عن الحسن عن أنس “، اور ” قَتادة عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة “، اور ” يحيى بن سعيد الأنصاري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة “، جیسے سلسلہ اَسانید کے

[1] علل الحدیث 2/148.
[2] علل الحدیث 1/273.

بارے میں ائمہ محدثین کے اَقوال معروف ہیں کہ ان سلاسل سے مروی کوئی بھی روایت ثابت نہیں ہے [1]۔اسی طرح مزید سلسلہء اَسانید بھی معروف ہیں۔

ح. راوی کا اپنی روایت کے مخالف عمل کرنا

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ راوی ایک روایت کو مرفوع نقل کرے لیکن وہی روایت اسی راوی سے بحیثیت اس کی رائے اور قول کے منقول ہو تو علماء محدثین ایسے اختلاف کی صورت میں راوی کی رائے اور قول کی طرف رجحان ظاہر کرتے دکھائی دیتے ہیں اور اسے ہی ترجیح دیتے نظر آتے ہیں، چاہے یہ اختلاف فقط ظاہری طور سے وصل وارسال کا ہو یا راوی کی مرفوع روایت کسی ایک حکم کا تقاضا کر رہی ہو اور اس کا اپنا ذاتی عمل یا قول اس روایت کے مخالف عمل کا تقاضا کر رہا ہو تو ایسی صورت میں بھی راوی کے قول اور ذاتی عمل کو ترجیح حاصل ہوگی۔اس قاعدہ کو مد نظر رکھتے ہوئے محدثین نے کئی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے [2]۔

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 132:

---

[1] شرح علل الترمذی 2/732–733.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: شرح علل الترمذی 2/796.

ڈایاگرام نمبر 132

مذکورہ روایت کے پہلے چار طرق سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اگر نابالغ بچہ نے حج ادا کر لیا تو اس کا حج ادا ہو جائے گا، اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ہے، جب کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں انہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت نقل کی ہے جو کہ ڈایاگرام میں طریق خامس کے تحت درج ہے جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اس بارے ذاتی قول یہ رہا کہ نابالغ بچہ کا حج ادا نہیں ہو گا بلکہ بلوغت کے بعد دوبارہ اس پر حج لازم ہو گا، تو چونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنا قول ان کی اپنی روایت کی گئی مرفوع حدیث کے خلاف ہے تو ایسی صورت میں ان کے قول کو ہی ترجیح حاصل ہو گی اور یہاں اختلاف روایت کی صورت میں یہی قرینہء ترجیح ہے، اسی وجہ سے امام بخاری

رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ کبیر میں طریق خامس کو ہی ترجیح دی ہے [1]۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ روایت مرفوعہ اور قول صحابی، اگر دونوں صحیح طرق سے ثابت ہوں تو روایت کو ہی فوقیت دی جائے گی، لیکن عموماً ایسے مقامات پر محدثین و حفاظ حدیث راوی کی اپنی روایت سے مخالفت کو اس بات پر محمول کرتے ہیں کہ اس روایت مرفوعہ میں مذکورہ راوی سے وَہم کا صدور ہوا ہے، تو جب راوی کو روایت میں وَہم لاحق ہوا ہے تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس کا اپنا قول ہی معتبر ہوگا، ورنہ یہ روایت کے خلاف جانے کی جرأت نہ کرتا، اس میں بہت باریک فرق ہے جو غور کرنے سے واضح ہوتا ہے، فتدبر۔

اگلی مثال جس سے اس مسئلہ کی مزید وضاحت ہوتی ہے وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 133:

[1] دیکھئے: التاریخ الکبیر 1/199.
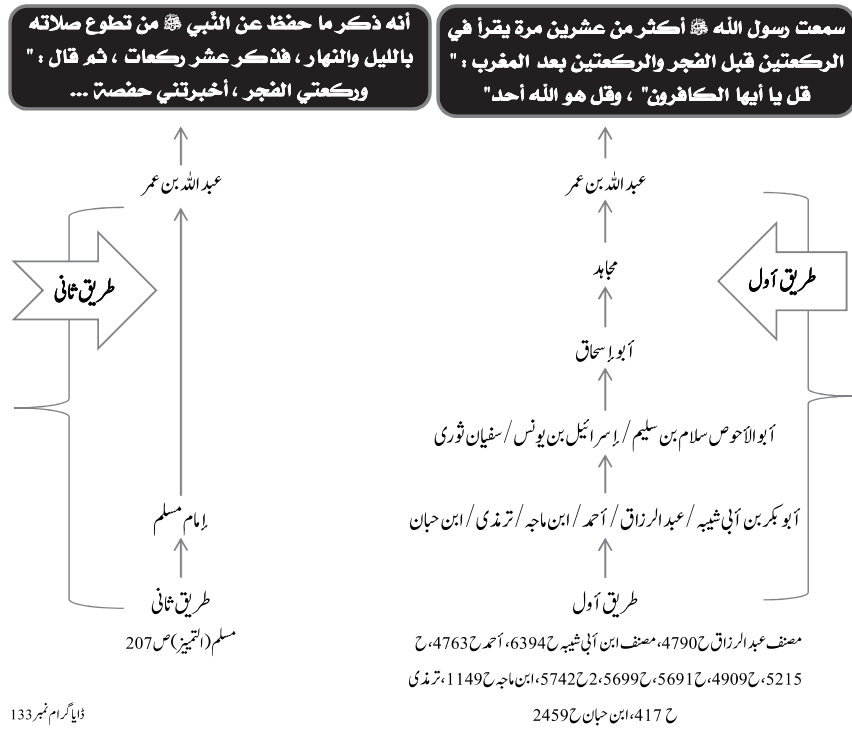
مذکورہ روایت کا طریق أول عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے بیس سے زائد مرتبہ سنا کہ وہ فجر سے پہلے اور مغرب کے بعد دو رکعات میں سورة الکافرون اور سورة الإخلاص کی تلاوت فرمارہے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں وہ خود اس بات کا اقرار کررہے ہیں کہ فجر کی رکعات کے بارے میں مجھے حفصة رضی اللہ عنہا سے معلومات حاصل ہوئیں۔ اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے إمام مسلم رحمہ اللہ نے بھی ان کے طریق أول کو مرجوح ٹھہرایا اور اسے معلل قرار دیا کہ کیسے عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے بیس سے زائد مرتبہ سنا، جب کہ خود اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ فجر کی رکعات کے بارے میں حفصہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی [1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ راوی کے اپنے قول کو اعتبار ہو گا جب کہ اس کی نقل کی ہوئی روایت مرجوح ٹھہرائی جائے گی۔

اس سلسلے کی اگلی مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 134:
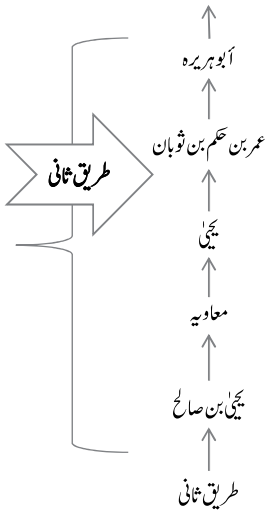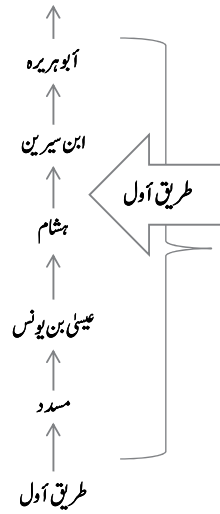
[1] ملاحظہ ہو: إمام مسلم کی التمییز ص 207.

مذکورہ روایت کے طریقِ اَول میں حضرت أبو هريرة رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے مرفوع روایت نقل کرتے ہیں جس میں وہ "قیئ" کا حکم بتاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس نے عمداً قیئ کر دی تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا، جب کہ خود حضرت أبو هريرة رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں رائے یہ تھی کہ اگر روزہ دار قیئ کر دے تو اسکا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ ایسے اختلافِ متن کی صورت میں یقیناً قرائن ترجیح کی ضرورت ہوگی جو کہ یہاں موجود ہے اور وہ یہی ہے کہ راوی کا قول اگر اس کی بیان کردہ روایت کے مخالف ہو تو اس کے قول کو ترجیح ہوگی اور اسے ہی قابل قبول گردانا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے أبو هريرة رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت کو معلل ٹھہراتے ہوئے ان کی موقوف روایت کو ترجیح دی [1]۔

بلکہ کبھی کبھی تو محدثین کرام تابعی کی بھی اپنی روایت سے مخالفت کی وجہ سے اس کی روایت کو مسترد کر دیتے ہیں، جیسے درج ذیل روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 135:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم ، نهى عن السدل في الصلاة، وأن يغطي الرجل فاه

رأيت عطاء، يسدل ثوبه وهو في الصلاة

مصنف ابن أبي شیبہ ح6548، أحمد ح7921،2ح8477، ح8532، ح8565، دارمی ح1496، ترمذی ح378، ابن خزیمہ ح772 اور 918، ابن حبان ح2289 اور 2353
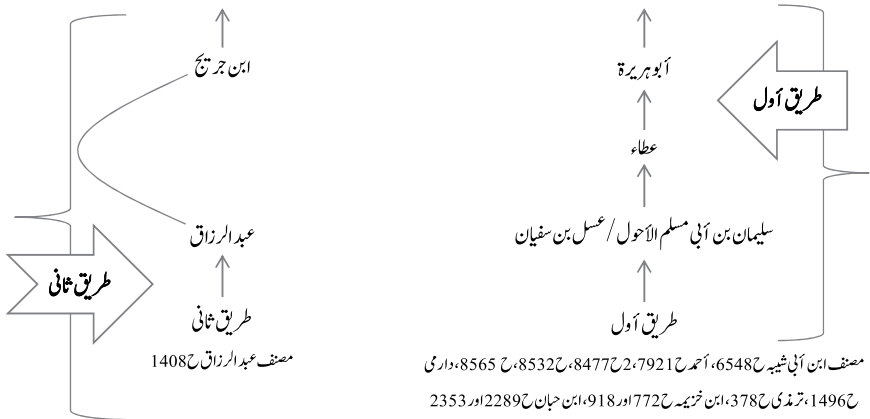
ڈایاگرام نمبر 135

مذکورہ روایت کے طریقِ اَول میں عطاء بن أبي رباح "سدل" کے بارے میں مرفوع روایت نقل کر رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے نماز میں اس سے منع فرمایا، جب کہ طریق ثانی میں اِمام عبد

[1] العلل الكبير للترمذي 1/115.

الرزاق رحمہ اللہ انہی عطاء بن أبي رباح کا اپنا عمل نقل فرمارہے ہیں کہ وہ نماز میں سدل کرتے ہوئے پائے گئے۔ اسی وجہ سے اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی مرفوع روایت کو معلل قرار دیا ہے [1]۔ اور بنیادی وجہ یہی قرینہ ہے کہ اگر روایت کے طرق میں اختلاف پیدا ہو جائے تو راوی کے قول کو ہی ترجیح دی جائے گی، جب کہ اسی کی مرفوع روایت کو مرجوح ٹھہرایا جائے گا۔

خ. سند یا متن میں کسی قسم کی تفصیل یا واقعہ کا وجود

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ مدارِ سند کے شاگردوں کے مابین اگر سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف واقع ہو جائے تو اس طریق کو راجح قرار دیا جاتا ہے جس طریق میں کوئی تفصیل یا کوئی واقعہ مذکور ہو، جس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ راوی چونکہ یہ قصہ یا تفصیل بیان کر رہا ہے جو کہ اس کے قوت حفظ و ضبط پر دلالت کر رہا ہے لہٰذا یہی طریق راجح ہو گا۔ اسی قرینہ کی طرف اِمام أحمد رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنے أقوال میں اِشارہ کیا ہے [2]۔

وضاحت کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 136:

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 8/338.

[2] ملاحظہ ہو: هدي الساري ص525 . الكفاية في علم الرواية ص475 .

أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن التبتل

مصنف ابن أبی شیبہ ح 16166، أحمد ح 20455، ابن ماجہ ح 1849، ترمذی ح 1082، نسائی (سنن) 6/ 59
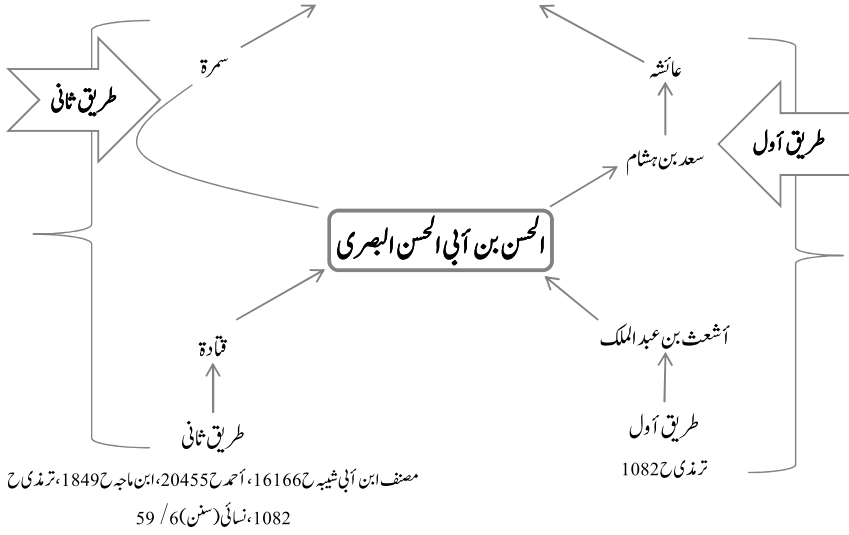
ڈایاگرام نمبر 136

مذکورہ روایت کے طرق میں سے طریق ثانی کے نقل کرنے والے قتادة بن دعامة ہیں جوکہ مدار سند حسن البصری رحمہ اللہ کے ممتاز شاگردوں میں شمار کئے جاتے ہیں، اور حسن البصری کے دوسرے شاگرد "أشعث بن عبد الملك" سے مرتبہ اور حفظ وضبط میں وہ بڑھے ہوئے ہیں، لہذا اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہی کے طریق کو ترجیح دینا لازم ٹھہرتا ہے، لیکن محدثین کرام دونوں طرق کو صحیح قرار دیتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ مذکورہ بالا قرینہ کا اس روایت میں متوجہ ہونا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی طریق میں روایت کی تفصیل ذکر ہو یا اس میں قصہ مذکور ہو تو اختلافِ سند یا متن کی صورت میں تفصیلی واقعہ والے طریق کو ہی ترجیح ہوگی، اس قرینہ کو مد نظر رکھا جائے تو طریق أول میں قصہ مذکور ہے جس کے جواب میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت بیان کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ راوی جو تفصیلی قصہ بیان کر رہا ہے وہ اس کے زیادتِ حفظ وضبط پر دلالت کر رہا ہے اور یہی طریق راجح ٹھہرے گا، تاہم چونکہ طریق ثانی میں قتادة رحمہ اللہ بذات خود موجود ہیں اور ان کے روایت کردہ طریق کو ان کی جلالتِ شان کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اس وجہ سے دونوں طرق صحیح ہیں۔ انہی شواہد کی بناء پر امام ابن

أبی حاتم رحمہ اللہ نے بھی یہی رائے اختیار کی ہے[1]۔

اگلی مثال جس سے اس قرینہ کی مزید وضاحت ممکن ہے وہ أبوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 137:

ڈایاگرام نمبر 137

مذکورہ روایت کے طریق أول میں حجاج بن الحجاج اپنے استاد اور مدارِ سند "عسل بن سفیان" سے موصول روایت کرتے ہیں، جب کہ طریق ثانی میں إمام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ اسی مدارِ

[1] علل الحدیث 3/713.

سند سے مرسل نقل کرتے ہیں، چونکہ یہاں مدار سند کے شاگردوں میں سند کے اتصال و انقطاع میں اختلاف واقع ہوا ہے، لہٰذا ترجیح کے لئے یقیناً قرائن کو رجوع کیا جائے گا، یہاں قرینہ متوجہ ہے کہ طریق اَول کے نقل کرنے والے راوی، روایت میں تفصیلی قصہ نقل کرتے ہیں، جو اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مذکورہ رجال حدیث نے اس روایت کے یاد رکھنے اور آگے نقل کرنے میں حد درجہ احتیاط اور کمالِ ضبط کا مظاہرہ کیا ہے۔ لہٰذا اسے ہی ترجیح حاصل ہوگی اگرچہ طریق ثانی میں روایت کرنے والے اِمام شعبة رحمہ اللہ جیسے عظیم المرتبت راوی موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی حجاج کی حدیث کو ترجیح دی ہے [1]۔

مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو مغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ کی روایت، ڈایاگرام نمبر 138:

ڈایاگرام نمبر 138

[1] العلل الواردة في الأحاديث النبوية 11/104.
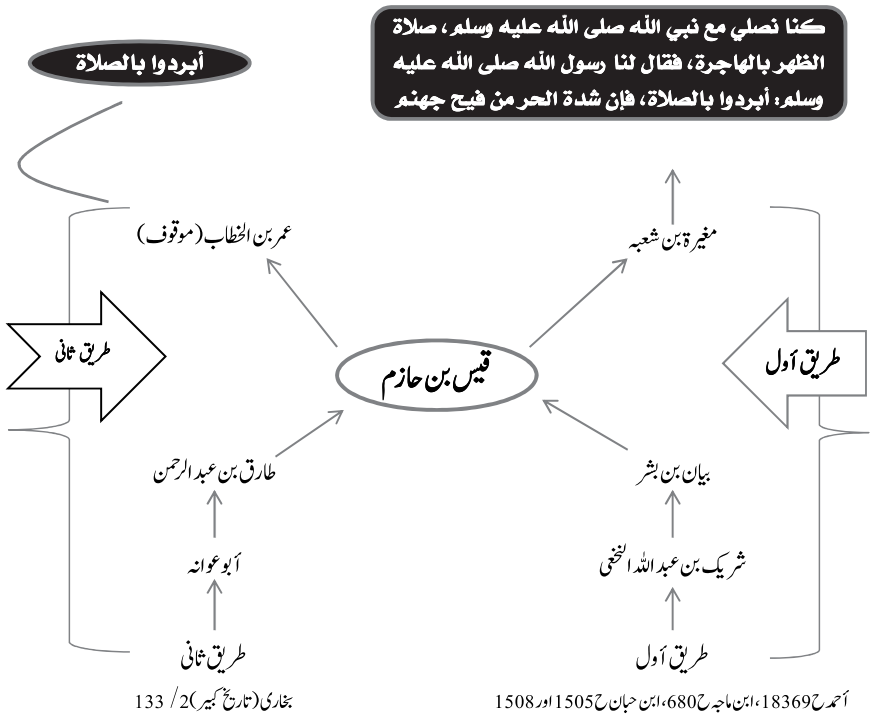
مذکورہ روایت کے طریق اول کے بارے میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر "قیس بن حازم" کے پاس مغیرة بن شعبة رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوع طریقے سے قوی سند کے واسطے سے موجود ہوتی تو وہ اسے ہی نقل کرتے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے موقوف طریق کی طرف محتاج نہ ہوتے[1]، لہٰذا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی موقوف روایت کا نقل کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہی أصح ہے اور مرفوع روایت کے ثبوت میں تردد کا احتمال ہے۔ اسی اُصول کو مد نظر رکھتے ہوئے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے متعدّد مقامات پر اختلاف اَسانید و متون کی صورت میں کسی ایک طریق کو ترجیح دی ہے[2]۔

د. تفرد راوی

یہ قرینہ رجالِ حدیث کے مابین اختلاف کی صورت میں وارد نہیں ہوتا، بلکہ فرد واحد کی روایت کے وقت اس کی طرف دھیان دیا جاتا ہے، اور اس قرینہ کو کثرت سے بروئے کار لانے والوں میں امام بخاری رحمہ اللہ کا نام سر فہرست ہے۔ جو اپنی کتب میں بکثرت " لا يتابع عليه " کہتے پائے جاتے ہیں، اگرچہ باقی کسی قسم کا اختلاف رجالِ حدیث کے مابین نہیں پایا جاتا۔ یہ تفرد اُس وقت ضعف کی زیادہ شدید نوعیت پیدا کر دیتا ہے، جب تفرد کرنے والا صدوق یا اس سے کم تر درجہ کا راوی ہو، اور جلیل القدر محدث اور حافظ حدیث مثلاً أبو هريرة رضی اللہ عنہ، امام مالك رحمہ اللہ اور ابن شهاب الزهري رحمہ اللہ سے روایت کر رہا ہو، تو ایسی صورت میں اس کا تفرد قابل اعتناء نہیں رہتا کیونکہ اس بات پر اعتراض اٹھایا جا سکتا ہے کہ اتنے مشہور رجالِ حدیث اور حفاظ محدثین سے روایت کرنے والا کیا صرف یہی ایک راوی موجود تھا؟ جب کہ ان کے سینکڑوں کی تعداد میں ثقہ راوی شاگرد موجود تھے۔

مثال کے طور پر حضرت أبو هريرة رضی اللہ عنہ کی روایت جو کہ سليمان بن أبي سليمان سے بطریق "العوام بن حوشب" منقول ہے، فرماتے ہیں: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: "الخلافة بالمدينة، والملك بالشام". مذکورہ روایت کے بارے میں امام أحمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ أبو هريرة رضی اللہ عنہ کے مشہور

---

[1] علل الحديث 1/136.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 5/131 اور 6/186.

تلامذہ سے یہ روایت بالکل بھی مروی نہیں ہے۔ تو أبو هريرة رضی اللہ عنہ کے حلقہ میں اس روایت کی عدم موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ روایت غیر صحیح ہے [1]۔

اسی طرح ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت جو حكيم بن جبير کے واسطہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں: "لا تحل الصدقة لمن كان عنده خمسون درهما"، امام ابن معین رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اس کے نقل کرنے والے يحيىٰ بن آدم ہیں جنہوں نے سفيان بن عيينة سے اس روایت کے ذکر کرنے میں تفرد اختیار کیا ہے، اور اگر یہ روایت اسی طرح درست ہوتی تو سفيان بن عيينة رحمہ اللہ کے مزید شاگرد بھی اسے روایت کرتے، لہٰذا تفرد ابن آدم اس روایت کی نکارت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے [2]۔

اگلی روایت "حر بن صياح" کی ہے جو ان سے عبد الملك بن وهب المذحجي روایت کر رہے ہیں [3]، امام أبو حاتم رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "حر بن صياح" بذات خود ثقہ راوی ہیں، اور ان سے متعدّد بڑے بڑے شیوخ اور ائمہ حدیث أحادیث روایت کرتے ہیں، جن میں امام شعبة بن الحجاج رحمہ اللہ، سفيان الثوري رحمہ اللہ، حسن بن عبيد الله النخعي رحمہ اللہ اور شریک رحمہ اللہ شامل ہیں۔ اس بات کو بنیاد بناتے ہوئے امام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت حر بن صياح سے معروف ہوتی تو یقینی طور سے مذکورہ بالا بڑے بڑے نام بھی اسے روایت کرتے تو روایت میں ان کی عدم موجودگی اس بات کی دلیل ہے کہ اس روایت میں راوی کا تفرد قابلِ التفات نہیں [4]۔

اسی طرح کے أقوال محدثین سے "أيمن بن نابل" کی روایت کے بارے میں بھی منقول ہیں جب ان سے "قران بن تمام" روایت کرتے ہیں، قدامہ بن عبداللہ فرماتے ہیں: "رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] المنتخب من علل الخلال ص : 228.

[2] ملاحظہ ہو: تاريخ ابن معين – رواية الدوري 3/346 .

[3] دیکھئے: طبقات ابن سعد 1/230، امام بخاری کی التاريخ الكبير 2/84، مستدرکِ حاکم 3/11 اور امام أبو نعیم کی "معرفة الصحابة" 6/301، علل الحديث 6/480.

[4] علل الحديث 6/480.

علی ناقة، یستلم الحجر بمحجنه "[1]، اس روایت میں قران بن تمام نے أیمن بن نابل سے تفرد اختیار کرتے ہوئے یہ روایت نقل کی ہے، اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے إمام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ طریق غیر محفوظ ہے کیونکہ اس میں " قران بن تمام" کا تفرد ہے، اگر أیمن بن نابل سے یہ روایت مروی ہوتی تو یقینی طور سے أیمن بن نابل کے باقی تلامذہ بھی اس میں " قران بن تمام" کے ساتھ روایت میں شریک ہوتے، تو أصحاب أیمن کی عدم موجودگی اور قران کا تفرد اس بات کے لئے کافی ہے کہ یہ روایت غیر محفوظ ہے [2]۔

یہاں یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ مطلقاً تفرد بھی مردود نہیں ہے بلکہ کبھی کبھی تفرد راوی بھی ائمہ محدثین کے ہاں قابل قبول ہوتا ہے اور وہ اس صورت میں جب راوی تفرد اختیار کرتے ہوئے وہ حدیث بیان کرے جس کی سند رواۃ کی ایک بڑی جماعت سے منقول ہو، اگرچہ مذکورہ حدیث میں اس راوی نے تفرد اختیار کیا ہو [3]۔

ذ. متن میں غریب الفاظ کی موجودگی

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ متن میں ایسے غریب الفاظ وکلمات کی موجودگی ہو جس کا صدور نبی کریم ﷺ سے محال ہو تو ایسے اختلاف کی صورت میں اس طریق کو ترجیح دی جائے گی جس کی براہِ راست نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت نہ ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ان الفاظ کا صدور شانِ رسالت کے خلاف متصور ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس قرینہ کے تحت وہ متون أحادیث بھی شامل ہیں جو کہ کسی ایک خاص شہر کے واقعہ کے ساتھ خاص ہوں، لیکن اس خاص شہر کے رجالِ حدیث سے وہ روایت بالکل بھی مروی نہ ہو، تو ایسی روایت معلول ٹھہرتی ہے کیونکہ یہ بات انتہائی مستغرب ہے کہ اہلِ بلد تو اس روایت کو نقل نہ کریں لیکن دوسرے علاقے کے باسی اس روایت کو نقل کرنے میں پیش

---

[1] مسند أحمد 3/413 حدیث نمبر 15491، مسند أبو یعلیٰ حدیث نمبر 928.

[2] علل الحدیث 3/303.

[3] شرح علل الترمذی 2/720.

پیش ہوں، یہی بات اس روایت کے مرجوح ہونے کو کافی ہے۔

الغرض اگر متن حدیث میں کوئی ایسا کلمہ موجود ہو جس کا صدور نبی کریم ﷺ کی شان اقدس سے محال ہو تو اس کے مرفوع ہونے میں تأمل کا اظہار کیا جائے گا، جب کہ یہ حقیقت ہے کہ محدثین اور ائمہ علل کو اس فن کے ساتھ ممارستِ تامہ کے سبب اس بات پر قدرتِ کاملہ حاصل ہو گئی ہوتی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے زبان مبارک سے وارد شدہ الفاظ و کلمات کی تمیز کر سکیں، اور نصوص نبویہ کی پہچان کر سکیں۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 139:

ڈایاگرام نمبر139
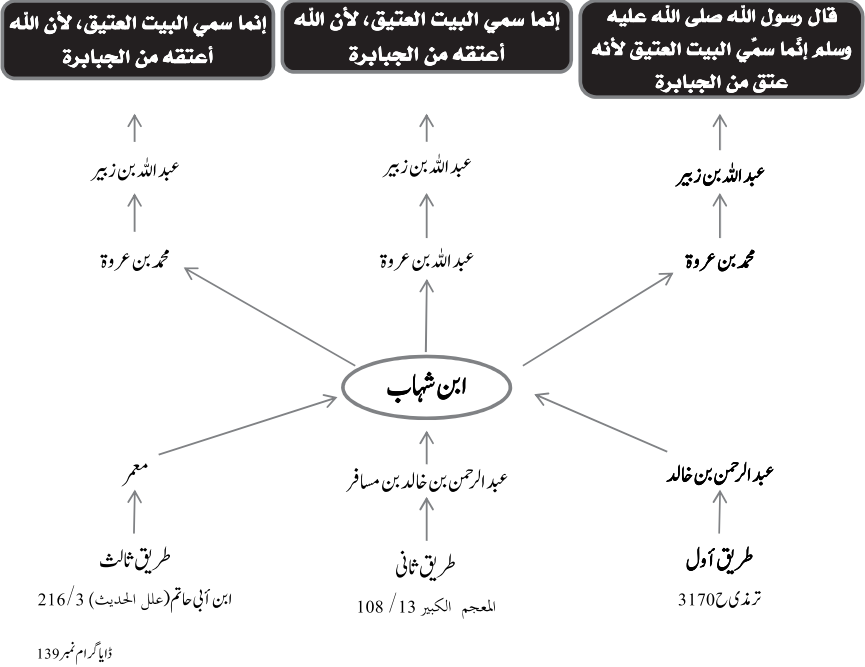
مذکورہ روایت کا طریق اول مرفوع منقول ہے جیسا کہ ڈایاگرام سے واضح ہے تاہم طریق ثانی اور ثالث جو کہ موقوف منقول ہیں ان کے بارے میں محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہی صحیح ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ایسے کلمات کا احتمال ممکن نہیں۔ اسی بات کو بنیاد بنا کر امام أبو حاتم رحمہ اللہ نے بھی حدیث معمر

کو ترجیح دی ہے اور اسکے موقوف طریق کو أصح قرار دیا ہے [1]۔

اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع روایت ہے ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 140:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیر الصحابۃ أربعۃ، وخیر السرایا أربع مئۃ، وخیر الجیوش أربعۃ آلاف، ولا یغلب اثنا عشر ألفا من قلۃ

مصنف عبد الرزاق ح 9699، أبو داؤد (مراسیل) ح 313 اور 314

أحمد ح 2682، ح 2718، عبد بن حمید ح 652، دارمی ح 2595، أبو داؤد ح 2611، ترمذی ح 1555، أبو یعلیٰ ح 2587، اور 2714، ابن خزیمہ ح 2538، ابن حبان ح 4717

ڈایاگرام نمبر 140
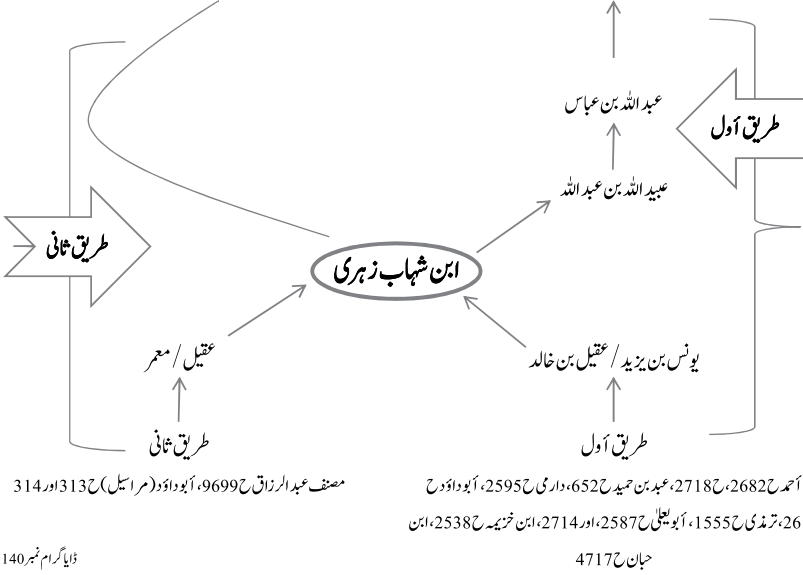
مذکورہ روایت کے دونوں طرق ڈایاگرام میں واضح ہیں، جس میں طریق ثانی کے بارے میں اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے جو کہ مرسل ہے، ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ روایت کے یہ الفاظ اس بات کا اعلان کر رہے ہیں کہ یہ زبانِ نبوت سے ادا نہیں ہوئے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کلمات کا أدا ہونا ممکن نہیں تھا۔ لہٰذا جملہ کی ساخت اور کلمات کی بناوٹ اس بات کا برملا اظہار کر رہی ہے کہ یہ لسانِ نبوت علی صاحبہ افضل الصلوۃ والتسلیمات سے میل نہیں کھاتے [2]۔ اسی کی تائید اِمام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی کی ہے [3]۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 3/216.

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 3/487.

[3] العلل الواردۃ في الأحادیث النبویۃ 12/200.

اسی طرح اس قرینہ کا دوسرا حصہ جس میں ہم نے یہ ذکر کیا تھا کہ وہ متون حدیث بھی اس قرینہ کے تحت شامل ہوں گی، جو کسی خاص علاقہ سے متعلق ہوں لیکن اس علاقہ کے رہنے والے لوگ اس روایت یا قصہ کے ناقلین کی صف میں موجود نہ ہوں جب کہ دوسرے علاقے کے لوگ اور رجالِ حدیث اس قصہ کے نقل کرنے میں پیش پیش ہوں تو ایسی صورتحال میں یہی قرینہ اس روایت کے مرجوح ہونے کو کافی ہوتا ہے کہ اپنے شہر کے لوگ اس روایت سے نابلد رہے۔

مثال کے لئے قتادة بن دعامة رحمہ اللہ کی یہ روایت جو کہ سفيان بن عيينة نے ان سے سعيد بن أبي عروبة کے واسطے سے نقل کی ہے: ''إن إنسانا وقع في بئر زمزم فمات فأمر ابن عباس بالعيون فسدت وأن ينزح الماء''، جب کہ مذکورہ روایت کے نقل کرنے کے فوراً بعد امام سفيان بن عيينة رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ واقعہ چونکہ مکہ مکرمہ سے متعلق تھا، لہٰذا مناسب یہ ہوتا کہ اسے مکہ کے ہی باشندے ہی نقل کرتے، لیکن عجیب اور دلچسپ صورتحال یہ سامنے آتی ہے کہ بجائے مکہ مکرمہ کے باشندوں کے، یہ روایت عراقی رواۃ سے منقول ہے، جو کہ اس روایت کے مرجوح ٹھہرانے کو کافی ہے[1]۔

قرائن ترجیح میں یہ قرینہ قواعد وضوابط سے ہٹ کر زیادہ تر اس بات سے تعلق رکھتا ہے کہ محدث یا ماہرِ فن کا أسانید ومتون کے ساتھ کتنی ممارست رہی ہے، جس محدث اور ماہرِ فن کا جتنا زیادہ تعلق اور جتنی زیادہ عمر الفاظ و کلماتِ حدیث کے ساتھ گزری ہو گی اور جتنا زیادہ وقت اس کا معلل أحادیث کے مطالعہ میں صرف ہوا ہو گا، اُتنا اسے اس بات پر عبور حاصل ہو گا کہ وہ روایت کو دیکھتے ہی پرکھ لے کہ اس میں کس قسم کی علت ہے، واللہ أعلم۔

ر۔ روایت کی اصل کا موجود ہونا

اس قرینہ سے در حقیقت مراد یہ ہے کہ اگر کسی مدارِ سند کے تلامذہ کے مابین سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر دونوں طرق میں سے کسی طریق کی کوئی متابعت کسی دوسرے راوی سے موجود ہو یا باقی روایات میں بھی اسی قسم کی زیادت یا نقصان موجود ہو، جو ان دونوں

[1] ملاحظہ ہو: تاريخ ابن أبي خيثمة (أخبار المكيين) 399.

مختلف فیہ طرق میں سے کسی ایک طریق کی موافقت کر رہی ہو تو اسی طریق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کیونکہ ایسی صورت میں یہ متابعت یا موافقت والی روایت، مختلف فیہ روایت کے لئے أصل کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مذکورہ راوی نے اگر اپنے باقی ساتھیوں سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے شیخ سے کسی قسم کی کمی بیشی ذکر کی ہے، یا جو متن مذکورہ راوی ذکر کر رہا ہے، اسی راوی سے یہ متن دوسرے طرق سے بھی مروی ہے جن طرق میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے، تو یہ اس کے قوت حافظہ وضبط کی نشانی ہے۔ اور یہی در اصل ترجیح کے لئے قرینہ ہے، کہ جو متفق علیہ متن یا سند ہے وہ اس راوی کے لئے مذکورہ مختلف علیہ سند یا متن کے لئے اصل کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے، مزید وضاحت درج ذیل مثال سے بخوبی ہوگی، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 141:

ڈایاگرام نمبر 141
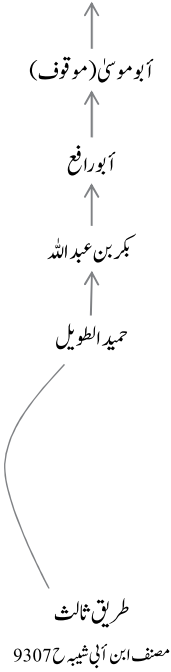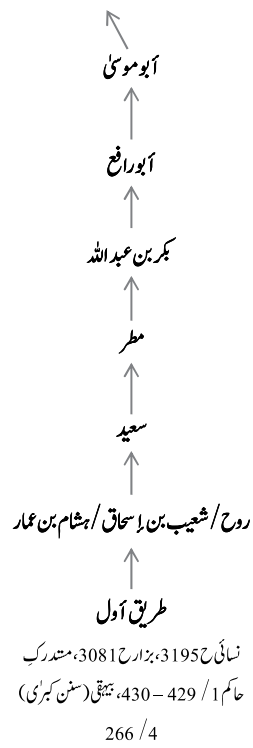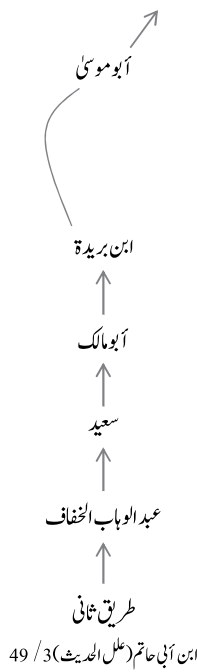
مذکورہ روایت کے تین طرق ڈایاگرم میں ذکر کئے گئے ہیں، جب امام أبو حاتم رحمہ اللہ سے ان طرق کی بابت استفسار کیا گیا تو انہوں نے طریقِ أول کو ترجیح دی اور اپنی مخصوص اصطلاح "حديث أبي رافع رضی اللہ عنہ أشبه" کے ذریعہ انہوں نے حدیث أبی رافع کو صحیح قرار دیا، لیکن صرف اسی پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ چونکہ طریقِ أول کی متابعت (ذکرِ أبی رافع میں) طریق ثالث میں "حميد الطويل" کر رہے ہیں، لہٰذا اسی متابعت کی وجہ سے طریقِ أول کو ترجیح دی گئی، اگرچہ طریق ثالث موقوف منقول ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سے آگے امام أبو حاتم رحمہ اللہ نے کسی قسم کا جواب نہیں دیا کہ کیا موقوف راجح ہے یا مرفوع؟[1]

مختصر یہ کہ اختلاف کی ایسی صورت میں وہ قرینہ متوجہ ہوا جس کی تفصیل اوپر گزر چکی، جسے علماء محدثین نے "متابعت" والے قرینہ سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ ایسی صورت میں یہ متابعت یا موافقت والی روایت، مختلف فیہ روایت کے لئے اصل کی حیثیت رکھتا ہے۔

اسی طرح اگلی مثال عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 142:

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 3/ 49.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: عشرة في الجنة: أبو بكر في الجنة، وعمر في الجنة، وعثمان في الجنة، وعلي في الجنة، وطلحة في الجنة، والزبير في الجنة، وعبد الرحمن بن عوف في الجنة، وسعد بن أبي وقاص في الجنة، وسعيد بن زيد بن عمرو في الجنة، وأبو عبيدة بن الجراح في الجنة

أحمد ح1675، ترمذی ح3747، أبو یعلیٰ ح835، ابن حبان ح7002

تاریخ کبیر 5/ 273، ترمذی ح3748، مستدرکِ حاکم 3/ 440
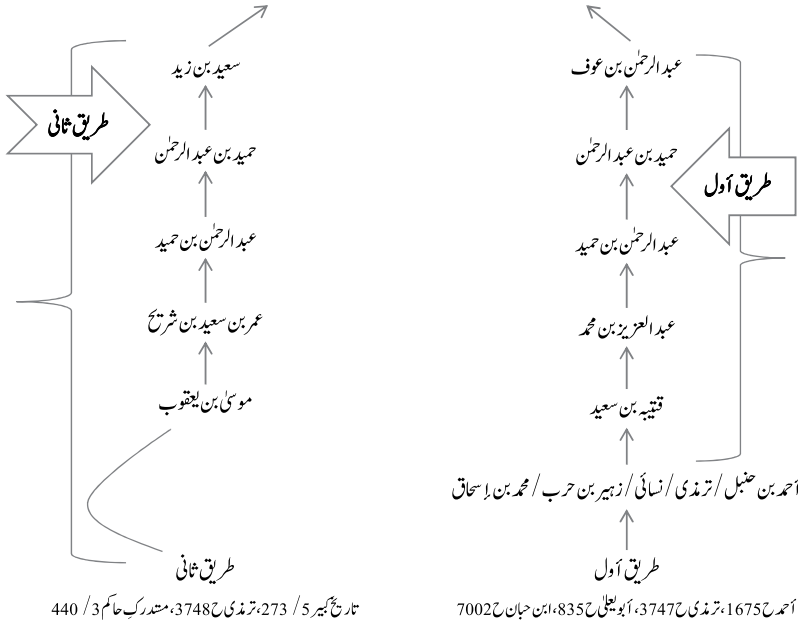
ڈایاگرام نمبر142

جب اِمام أبو حاتم رحمہ اللہ سے مذکورہ روایت کے دونوں طرق کے بارے میں ان کے بیٹے ابن أبي حاتم رحمہ اللہ نے استفسار کیا تو انہوں نے طریق أول کے مقابلے میں طریق ثانی کو ہی ترجیح دی، اور ترجیح کا واحد قرینہ ان کے مدنظر یہی تھا جو کہ انہوں نے واضح طور سے بتلایا بھی کہ چونکہ عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے اس بارے کوئی متن منقول نہیں ہے، جب کہ متعدّد کتب حدیثیہ میں سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے اس متن کے بارے مختلف متون منقول ہیں جو کہ اسی مضمون کی تائید کر رہے ہیں، لہٰذا طریق ثانی ہی صحیح ہے [1]، اور قرینہء ترجیح سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے باقی طرق کا منقول ہونا ہے، جو کہ اس طریق کے لئے "أصل" کی حیثیت رکھتے ہیں۔

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 6/ 395.

ز. حفاظ حدیث کا کسی روایت کی صحت پر اعتماد

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اگر کہیں بھی مدارِ سند کے شاگردوں کے مابین کسی بھی سند یا متن میں اختلاف واقع ہو جائے تو دیگر قرائن کی عدم موجودگی میں حفاظ حدیث اور معروف محدثین ائمہ کی آراء پر نظر ڈالی جائے گی، اگر کسی بھی حافظ حدیث نے اس روایت کی صحت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی تصنیف میں اسے جگہ دی ہو یا اس کی شرائط پر یہ روایت پوری اترتی ہو، تو ایسے طریق کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسے اِمام قتادة بن دعامة رحمہ اللہ سے ان کے شاگردوں نے روایت کرتے ہوئے آپس میں سند یا متن میں کسی قسم کا اختلاف کیا ہو اور بخاری یا مسلم رحمہما اللہ نے ان طرق میں سے کسی طریق کو ترجیح دی ہو تو یہی اس بات کا قرینہ ٹھہرے گا کہ یہ طریق أصح ہے، کیونکہ بخاری یا مسلم معلل احادیث میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں، اور اس باب میں ان کا کہا گیا ہی تقریبًا قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، اور ترجیح طرق میں ان کا منہج دراصل صحیح ترین مناہج میں شمار کیا جاتا ہے، لہٰذا ان کے قول کے بعد کسی دوسرے شخص کی مخالفت کسی قسم کا اثر نہیں رکھتی، لیکن اگر کوئی ایسا قرینہ موجود ہو جو اس موجودہ قرینہ کے مقابلے میں قوی تر ہو تو ایسی صورت میں پھر دوسرے شواہد و قرائن کو رجوع کیا جائے گا۔ لیکن یہ بات مد نظر رہنی چاہئے کہ ہر محدث اور حافظ حدیث کی شرائط دوسرے محدث سے یکسر مختلف ہوتی ہیں، اسی بناء پر ائمہ کی تصحیح حدیث میں بھی درجات کا فرق آ سکتا ہے۔ مثلاً ابن حبان رحمہ اللہ اور اِمام حاکم رحمہ اللہ کی تصحیحِ حدیث، بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ کی تصحیحِ حدیث تک نہیں پہنچ سکتی۔

مثال کے لئے ملاحظہ ہو، ڈایاگرام نمبر 143:
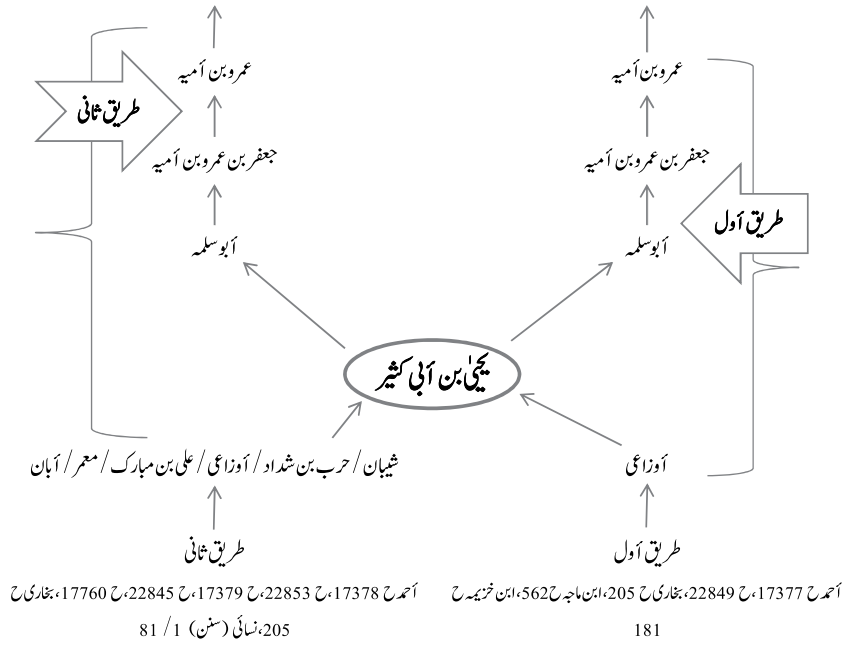
ڈایاگرام نمبر 143

مذکورہ روایت کے طریق أول کے بارے میں اکثر محدثین نے فرمایا ہے کہ اس میں اِمام أوزاعی رحمہ اللہ سے غلطی کا صدور ہوا ہے، جس کی وجہ سے انہوں نے متن میں "عمامة" کا ذکر اضافی طور سے کیا ہے، جب کہ طریق ثانی میں يحييٰ بن أبي كثير رحمہ اللہ کے تلامذہ کی ایک بڑی تعداد اپنی ذکر کردہ روایت کے متن میں "عمامة" کا تذکرہ نہیں کرتے، لہٰذا اس کو دیکھتے ہوئے محدثین کی ایک جماعت جن میں اِمام ابن بطال رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، انہوں نے اسے اِمام أوزاعی کی غلطی پر محمول کرتے ہوئے اس کی مرجوحیت کا اظہار کیا ہے[1]۔

[1] ملاحظہ ہو اِمام ابن بطال کی شرح صحيح البخاري 1/306.

جب کہ اِمام ابن حجر رحمہ اللہ نے اِمام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع اور منہج کو مدنظر رکھتے ہوئے اِمام أوزاعی کی "عمامة" کی زیادت والی روایت کو ترجیح دیتے ہوئے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اِمام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کا اپنی صحیح میں تذکرہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ طریق بھی صحیح ہے، اور اسے "زيادة الثقة" کی قبیل سے ٹھہرایا ہے [1]۔

اگرچہ طریق ثانی میں موجود قرائن بھی ابن حجر رحمہ اللہ وقتاً فوقتاً اپنی شرح بخاری میں استعمال کرتے ہیں، تاہم مذکورہ روایت چونکہ اِمام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ذکر کی ہے تو اس وجہ سے ان کی تصحیحِ حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے باقی قرائن کو قابل توجہ نہیں گردانا۔

س. مدلس کی تدلیس کا احتمال

اس قرینہ سے مراد یہ ہے کہ اگر ایسا راوی جو کہ صفت تدلیس سے متّصف ہو اور وہ سند میں اپنے اور اپنے شیخ کے درمیان کسی قسم کا واسطہ ذکر کرے، تو دیگر قرائن کی غیر فعالیت کے نتیجے میں اس زیادت والے طریق کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ یہ احتمال قوی ہے کہ اس مدلس راوی نے یہاں تدلیس سے کام لیتے ہوئے کبھی راوی کو حذف کر دیا اور کبھی اسے ذکر کر دیا۔

مثال کے لئے أبو إسحاق السبيعي جو کہ مشہور مدلس راوی ہیں، کی روایت ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 144:

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: فتح الباری 1/308.
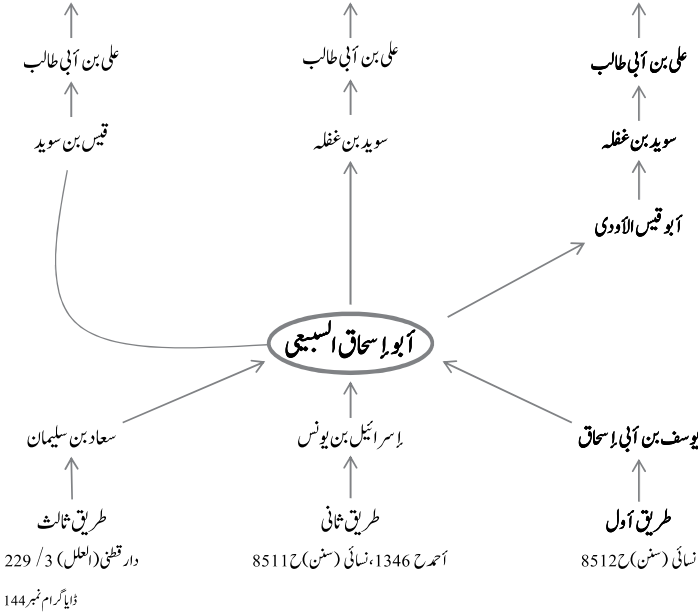
مذکورہ روایت کے تین طرق أحادیث کی کتب میں پائے گئے، ان میں سے آخری دو طرق میں أبو إسحاق بغیر کسی واسطہ کے سوید بن غفلة (طریق ثانی) یا قیس بن سوید (طریق ثالث) سے روایت کرتے پائے گئے، جب کہ طریق أول میں انہوں نے "أبو قیس الأودی" کے واسطہ سے روایت نقل کی ہے، علماء علل و محدثین کرام اسی طریق أول کو ترجیح دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ طریق أول ہی صحیح ہے[1]، اس کی بنیادی وجہ یہی قرینہء ترجیح ہے جو ابھی زیر بحث ہے، جس کی رُو سے اگر راوی "مدلس" ہو تو اس بات کا قوی احتمال ہوتا ہے کہ اس نے تدلیس سے کام لیتے ہوئے کبھی تو اپنے شیخ کو ساقط کر دیا ہوگا اور کبھی اس کا نام ذکر کر دیا ہوگا۔ اور یہی قرینہ یہاں متوجہ ہونے کی وجہ سے إمام دار قطنی رحمہ اللہ نے پہلے طریق کو راجح قرار دیا۔

یہ معروف قرائنِ ترجیح جو اوپر بیان کئے گئے، اس کے علاوہ بھی مزید قرائن کتب حدیثیہ معلّۃ میں

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: العلل الواردة في الأحاديث النبوية 3/229.

موجود ہیں، جنہیں أئمہ علل اور محدثین نقاد کے أقوال اور ان کی أحادیث و روایات پر جرح و تنقید سے مستنبط کیا جا سکتا ہے، خصوصاً کتب علل میں اس فن کے ماہرین کے ہاں اختلاف أسانید و متون کی صورت میں کسی بھی روایت کو ترجیح دینے کے طریقہ کار اور اسباب کو بغور دیکھنے سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ کن اوصاف اور اسباب کی وجہ سے کسی طریق کو ترجیح دی گئی ہے۔ جس سے یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ مذکورہ طریق میں کونسا قرینہ کارفرما تھا جس کے تحت اس طریق کو ترجیح دی گئی۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ بسا أوقات کسی روایت کے متعدّد طرق کے درمیان اختلاف کی صورت میں ایک سے زیادہ قرائن، ترجیح کے لئے متوجہ ہوتے ہیں، تو کبھی ایک اِمام العلل ایک قرینہ کو مقدم کرتے ہوئے کسی ایک طریق کو راجح ٹھہراتا ہے تو دوسرا اِمام اسی روایت کے دوسرے طریق کو دوسرے قرینہ کو مدنظر رکھتے ہوئے ترجیح دیتا ہے۔

اس مقصد کے لئے مثال ملاحظہ ہو ڈایاگرام نمبر 145:
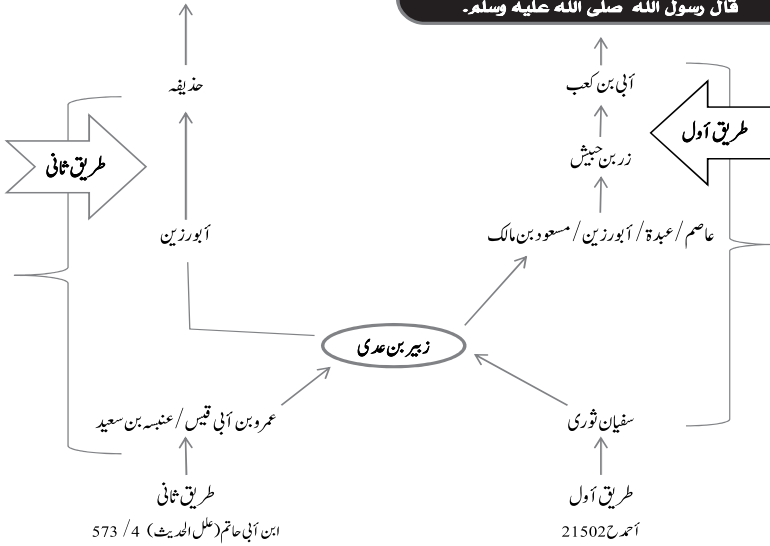
مذکورہ مثال میں مدارِ سند "زبير بن عدی" سے دو طرق ان کے تلامذہ نے روایت کئے ہیں، جس میں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے، تاہم قرائن ترجیح کو دیکھا جائے تو طریق اَول چونکہ اِمام سفيان الثوری رحمہ اللہ سے مروی ہے تو اسے راجح ہونا چاہئے، لیکن دوسری طرف طریق ثانی میں بھی ایک قرینہ ترجیح متوجہ ہے جو کہ عدد اور اختصاص ہے یعنی زبير بن عدی کے تلامذہ میں سے عمرو بن أبي قيس اور عنبسة بن سعيد تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور اپنے شیخ "زبير بن عدی" کے ساتھ ان کی مصاحبت بھی طویل رہی ہے، انہی قرائن ترجیح کے مابین اختلاف کو بنیاد بنا کر قرینہء عدد اور اختصاص کو دیکھتے ہوئے اِمام أبو زرعة رحمہ اللہ نے طریق ثانی کو راجح ٹھہرایا جب کہ اِمام اَبو حاتم رحمہ اللہ نے قوت ضبط و حفظ کو مد نظر رکھتے ہوئے طریق اَول کو اَصح قرار دیا[1]۔ واضح ہوا کہ قرائنِ ترجیح میں اختلاف کی صورت میں ائمہ علل کسی بھی قرینہ کو بروئے کار لانے میں ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ واللہ أعلم بالصواب۔

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علل الحدیث 4/573.

شیخ زاید مرکزِ اسلامی جامعۂ پشاور